سلسلہ ۱۷۵۶
سیرۃ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم
قرآن کی روشنی میں
حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ
صدیقی ٹرسٹ
صدیقی ہاؤس المنظر اپارٹمنٹس ۴۵۸ گارڈن ایسٹ نزد لسبیلہ چوک کراچی

فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا الْاِیْمَانُ؟ قَالَ اِذَا سَرَّتْکَ حَسَنَتُکَ وَسَاءَتْکَ سَیِّئَتُکَ فَاَنْتَ مُؤْمِنٌ۔ (رواہ احمد)

ترجمہ

حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ایمان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا جب تم کو اپنے اچھے عمل سے مسرت ہو، اور برے کام سے رنج و قلق ہو، تو تم مومن ہو۔ (مسند احمد)

فہرست

صفحہ

اِرشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ وَھُوَ یَعْلَمُ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دَخَلَ الْجَنَّۃَ۔

ترجمہ

حضرت عثمان رضؓ بن عفان سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص اس حال میں مرا کہ وہ یقین کے ساتھ جانتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، تو وہ جنت میں جائے گا۔ (مسلم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

یہ مجموعہ اوراق کوئی مستقل تصنیف نہیں چند لکچروں (خطبوں) کا مجموعہ ہے۔ جو "سیرۃ نبوی قرآن مجید کی روشنی میں" کے عنوان سے جنوری ۱۹۵۸ء (مطابق ۱۳۷۸ھ) کی اخیر تاریخوں میں افضل العلماء ڈاکٹر عبدالحق کرنولی مرحوم و مغفور کی فرمائش پر اور ایک مرحوم خاتون کے قائم کئے ہوئے وقف کے ماتحت مدراس میں نیو کالج کی عمارت میں دئے گئے تھے۔ اور طے یہ تھا کہ انھیں کتابی صورت میں جنوبی ہند کی مسلم ایجوکیشنل ایسوسی ایشن (مدراس) شائع کرے گی۔

لیکن قضائے الٰہی سے کچھ ہی روز بعد تحریک کے روح رواں ڈاکٹر عبدالحق مرحوم کی وفات ہو گئی اور ان کی وفات سے جہاں اور بیسوں چھوٹے بڑے ملی کاموں کو نقصان پہنچا، وہیں یہ وعدہ بھی ایفا نہ ہو سکا۔ بلکہ انجمن کے کارکنوں نے ان لکچروں کا مسودہ تک واپس نہ فرمایا۔ اور تقاضے کے خطوط بے اثر ہی رہے۔

مجبوراً ادھر اس طرف سے مایوس ہو کر طبع و اشاعت کا انتظام اپنے ہاتھ میں لینا پڑا۔ یہ مجموعۂ اوراق ہرگز ایک مکمل سیرۃ نبوی قرآنی نہیں۔ شروع میں خیال یہ تھا کہ کتابی صورت میں لاتے وقت کامل نظر کرکے دو ایک خطبے (بہ طور باب کتاب) بڑھا دئے جائینگے چنانچہ اختتامیہ میں اس کا نیم وعدہ بھی کر لیا گیا تھا۔

مگر جب نظر ثانی کا وقت آیا تو ہجوم کار نے یا ایک نااہل کی پست ہمتی نے اس کا موقع ہی نہ دیا۔ اور اب خطبے اتنے ہی شائع ہو رہے ہیں جتنے ۱۹۳۶ء میں دئے گئے تھے نظر ثانی عبارت پر بھی خاصی کر لی گئی ہے اور جا بجا معنوی اعتبار سے بھی کچھ اضافے کر دئے گئے ہیں اردو میں (بجز مولانا عبد الشکور لکھنوی مرحوم و مغفور کے ایک مختصر سے رسالے کے) اپنی نوعیت میں یہ کتاب پہلی ہے اس کا تکملہ انشاء اللہ آئندہ کسی خوش نصیب ہی کے نصیب میں آئیگا۔
لکچروں کے دے چکنے کے کوئی ڈھائی تین سال بعد مجھے بے خبر کو ڈاکٹر شیخ محمد عنایت اللہ ایم اے پی ایچ ڈی (لاہور) کی ایک تحریر سے ضمناً یہ خبر ملی کہ مصر میں کئی سال کا عرصہ ہوا کہ ایک قرآنی سیرۃ الرسول شائع ہو چکی ہے۔ اب اس کی تلاش شروع ہوئی اور مہینوں کی سرگرم و مسلسل کوشش کے بعد کہیں جا کر یہ دستیاب ہو سکی، وہ بھی محض جناب مالک رام ایم اے (بیرونی سفارت خانہ ہند) کی توجہ و عنایت سے۔
کتاب مفصل اور دو جلدوں میں ہے۔ اور صفحات کی مجموعی تعداد سات سو سے اوپر۔ فاضل مصنف کا نام محمد عزۃ دروزہ ہے، جو مصر کے ایک مشہور اہل قلم ہیں ضخامت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مصنف نے آیات متعلقہ صرف بہ قدر ضرورت نہیں، بلکہ پوری پوری نقل کر دی ہیں۔ بہر حال یہ کتاب اگر شروع میں مل گئی ہوتی۔ تو اس سے رہنمائی بہت کچھ حاصل ہو گئی ہوتی۔
زندگی کا اعتبار جوانوں ہی کے لئے کیا ہے۔ چہ جائیکہ ستر سال کی عمر والے کے لئے جو کہنا چاہئے کہ سفر آخرت کے لئے پا بہ رکاب ہی ہے۔ تاہم اگر مشیت الٰہی کو منظور رہا اور مہلت نصیب ہو گئی تو مکی تعلیمات اور مدنی تعلیمات سے متعلق دو بابوں کے اضافہ کا خیال دماغ سے دور نہیں ہوا ہے ــــــ باقی خدمت دین و علم کی کتنی حسرتیں اور بھی دل میں باقی ہی ہیں۔ ایک نااہل محض کو خدمت کا اتنا بھی موقع مل گیا یہی بہت غنیمت اور لائق صد شکر ہے۔

عبد الماجد۔ دریاباد ضلع بارہ بنکی

خطبہ (۱)

ظہور کی پیش خبریاں

ظہور مبارک کا واقعہ دنیا کے لئے بالکل اچانک اور غیر متوقع طور پر نہیں پیش آگیا اہل کتاب یعنی یہود اور نصرانی دونوں ایک موعود کے انتظار میں صدیوں سے چلے آرہے تھے۔ اور قرآن مجید نے ابوالانبیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے تو اس ظہور مبارک کے لئے دعا صراحت سے نقل کی ہے۔ یہ دعا تنہا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نہ تھی۔ ایک مبارک وقت میں ایک مبارک جگہ دو مقدس بندوں کی زبان سے مل کر نکلی تھی۔ اور اس میں ابراہیمؑ کے شریک اُن کے فرزند حضرت اسمٰعیلؑ بھی تھے۔

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرَاهِیْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمَاعِیْلُ۔	اور وہ وقت یاد کرو جب ابراہیم اٹھا رہے تھے دیواریں خانۂ کعبہ کی اور (اُن کے ساتھ) اسمٰعیل بھی۔
(البقرۃ۔ ع ۱۵)	

مقام اتنا مقدس کہ خانۂ کعبہ کا فرش۔ وقت اتنا مبارک، کہ عین تعمیر خانۂ کعبہ کا زمانہ۔ اور دعا کرنے والے۔ اللہ کے دو دو مقبول ترین اور انتہائی برگزیدہ بندے دعا سب سے پہلے اس کی کہ ہماری یہ خدمت قبول ہو۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔ (ایضاً)

اے ہمارے پروردگار۔ ہم سے ہماری یہ خدمت قبول فرما۔ بیشک تو تو خوب سننے والا۔ تو سب کچھ جاننے والا ہے۔

اس تمہید کے بعد عرض حال میں پہلی گذارش تو یہ تھی کہ ہمیں اور زیادہ توفیق طاعت و اطاعت ملے۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ (ایضاً)

اے ہمارے پروردگار۔ ہمیں اپنا پورا پورا فرمانبردار بنالے۔

اور پھر مقابعد یہ آرزو کہ ہماری نسل سے ایک امت مسلمہ ایک فرمانبردار قوم پیدا کر

وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَا اُمَّۃً مُّسْلِمَۃً لَّکَ۔ (ایضاً)

اور ہماری نسل سے ایک اُمت بھی پیدا کر جو تیری فرمانبردار ہو۔

خیال کرکے سنئے کہ قید ہماری نسل کی لگائی جارہی ہے یعنی وہ نسل ابراہیمی جو حضرت اسمٰعیل کے واسطہ سے ہو۔ قید لگ جانے سے بنی اسحٰق سب نکل گئے اور اُمت مسلمہ بنی اسمٰعیل میں محدود ہوگئی۔ یہ تو ہوئی اُمت۔ اور اس کا رسول کون اور کیسا ہو؟ سماعت فرمائیے:۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِکَ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَیُزَکِّیْهِمْ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ۔ (ایضاً)

اے ہمارے پروردگار انہیں لوگوں یعنی بنی اسمٰعیل کے درمیان انہیں میں سے ایک رسول بھیج جو تیری آیتیں انہیں پڑھ کر سنائے۔ اور انہیں کتاب (الٰہی) اور حکمت کی تعلیم دے۔ اور انکی اصلاح نفس کرے۔ بیشک غالب اور حکمت والا تو ہی ہے۔

اور پھر اپنے وقت پر جب یہ رسول ظاہر ہو چکا۔ تو اس کا وصف اس کے دوسرے اوصاف کے ساتھ یہ بھی بیان کر دیا۔ کہ اس کا ظہور مکہ والوں کے درمیان ہوا،

هُوَالَّذِی بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیَاتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَةَ۔ (الجمعہ۔ ع ۱)	وہ اللہ وہی ہے جس نے ام القریٰ کے رہنے والوں کے درمیان انھیں میں سے ایک رسول کھڑا کر دیا۔ جو انھیں اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کی اصلاح نفس کرتا ہے اور انھیں کتاب (الہیٰ) اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کی دعاؤں کا ذکر ہو چکا۔ قرآن مجید سے یہ اطلاع بھی ملتی ہے کہ اس ظہور اقدس و مطہر کی پیش خبریاں اگلے آسمانی صحیفوں میں آ چکی ہیں۔ یہ ذکر قرآن نے کہیں تو ضمناً اور بالواسطہ کیا ہے۔ یعنی صرف کتاب کا ذکر کر کے اشارہ کتاب لانے والے کی طرف بھی کر دیا ہے مثلاً

وَاِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ (الشعراء۔ ع ۱۱)	اس کا ذکر یا اس کی خبر اگلے صحیفوں میں بھی موجود ہے۔

اور کہیں یہ ذکر براہ راست اور مستقلاً کیا ہے۔ اور ایسے موقع پر رسولؐ کے اوصاف امتیازی خصوصی کو بھی گنا دیا ہے۔ مثلاً

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرَاةِ وَالْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ	جو لوگ پیروی کرتے ہیں۔ اس اُمّی رسول و نبی کی جس کو (یعنی جس کے وصف کو) وہ لکھا ہوا پاتے ہیں اپنے ہاں توریت اور انجیل میں وہ حکم دیتا ہے انھیں نیک کرداری کا اور روکتا

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ۔

(الاعراف ع ۱۹)

انھیں بہ کرداری سے اور پاکیزہ چیزیں اُن کے لئے جائز بتاتا ہے اور گندی چیزیں اُن پہ حرام رکھتا ہے اور اُن پر سے بوجھ اور قیدیں جو اب تک تھیں اُتارتا ہے۔

يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ یعنی اُن رسول کے اوصاف و علامات یہ اہل کتاب اپنے ہاں توریت و انجیل میں درج پاتے ہیں۔ قرآن مجید نے یہ دعویٰ علانیہ کر دیا۔ اور معاصر اہل کتاب میں سے کسی کو اس سے انکار کی جرأت نہ ہوئی۔ ورنہ جہاں اور الزامات سرورِ کائنات اور آپ کی وحی پر رکھ رہے تھے۔ وہاں آیا۔ اس الزام کا بھی اضافہ کر دینے کہ توریت و انجیل میں کہاں ایسے رسولؐ کے ظہور کا پتہ نشان ملتا ہے؟

توریت میں جتنے تصرفات و تحریفات اب تک ہوچکے ہیں، اُن کے بعد یہ دعویٰ خود اہل توریت کا بھی باقی نہیں رہا ہے کہ یہ کتاب وحی لفظی کا نمونہ ہے۔ لیکن اتنی تصحیفات و تحریف کے بعد بھی کچھ ترجمے اس میں اب بھی باقی رہ گئے ہیں مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے اسرائیلیوں کو خطاب کر کے:۔

"خداوند تیرا خدا تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے تیرے ہی بھائیوں میں میری مانند ایک نبی برپا کرے گا۔ تم اس کی طرف کان دھریو" (استثناء ۱۸۔ ۱۵)

"تیرے ہی بھائی" یعنی اسرائیل کے بھائی سوا بنی اسمٰعیل کے اور کون ہوسکتے ہیں! پھر ان اسمٰعیلیوں میں ایسا نبی جو میری ہی مانند یعنی مشابہت حضرت موسیٰ سے رکھنے والا ہو، بجز ہمارے نبی کریم صلعم کے اور کون ہوا ہے؟

اور پھر توریت کے اس صحیفہ استثناء کی اسی فصل میں دو ہی تین آیتوں کے بعد ہے"

"اور خداوند نے مجھ سے کہا کہ انھوں نے جو کچھ کیا۔ اچھا کیا۔ میں اُن کے لئے اُن کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا۔ اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا۔" (ایضاً ۱۸)

اسرائیل کے بھائیوں یعنی اسمٰعیلیوں کا ذکر اس آیت میں بھی۔ اور تجھ سا یعنی موسیٰ علیہ السلام سے مشابہت رکھنے والے کی تعیین بیان بھی۔ اور پھر آخری فقرہ کی تدریج کہ "اپنا کلام اُن کے منہ میں ڈالوں گا" صاف اس کا مرادف کہ اس کا پیام وحی لفظی کا مجموعہ ہوگا اور یہ وحی لفظی کا دعویٰ بجز قرآن مجید کے روئے زمین پر آج کس کتاب اور کس پیام کے لئے ہے؟

توریت کے بعد اب انجیل پر آیئے۔ اس میں ترجمہ اور ترجمہ در ترجمہ کی بنا پر حک و اصلاح ترمیم اور تبدیلی کا سلسلہ آج تک جاری ہے اور وہ بھی چرا کر چھپ کر نہیں۔ بلکہ علانیہ و فخریہ۔ لیکن اس سارے کاروبار کے باوجود اس میں بھی یہ لفظ آج تک لکھے چلے آرہے ہیں۔ یہ حضرت مسیح اسرائیلیوں سے فرما رہے ہیں:۔

یسوع نے اُن سے کہا۔ کیا تم نے کتاب مقدس میں نہیں پڑھا کہ جس پتھر کو معماروں نے رد کیا وہی کونے کے سرے کا پتھر ہوگیا۔ یہ خداوند کی طرف سے ہوا۔ اور ہماری نظر میں عجیب ہے۔ اس لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہت تم سے لے لی جائے گی۔ اور اس قوم کو جو اس کے پھل لائے۔ دے دی جائے گی۔ اور جو اس پتھر پر گرے گا۔ اس کے ٹکڑے ہوجائیں گے مگر جس پر وہ گرے گا اُسے پیس ڈالے گا۔" (متی ۲۱: ۴۲-۴۴)

"کتاب مقدس کا" جو فقرہ یہاں نقل ہوا ہے اور انجیل مرقس ۱۲: ۱۰-۱۱ اور

انجیل لوقا ۲۰: ۱۸ میں بھی درد اصل داؤد نبی کی کتاب زبور کا ۱۱۸: ۲۲-۲۲۱ کا ہے۔ معماروں یعنی اسرائیلیوں نے جس پتھر کو ہمیشہ رد کیا تھا وہ اسمٰعیلی ہی تھے۔ کونے کے سرے کا جو پتھر ہوا۔ یعنی نبوت جس کو سب سے آخر زمانہ میں ملی وہ بنی اسمٰعیل ہی کا ایک فرد تھا اور یہود و نصرانی جو بھی اس سے ٹکرائے۔ وہ پاش پاش ہو کر رہ گئے پاس پس کر رہ گئے۔

توریت اور انجیل میں حوالے اور بھی ملتے ہیں۔ اُن سب کی یہاں سماعت فرمانے کے بجائے انھیں تفسیر ماجدی میں ملاحظہ کرنے کی زحمت گوارا فرمائی جائے۔ قرآن مجید نے حضرت مسیحؑ کی زبان سے ایک اور پیش خبری کا حوالہ صراحت کے ساتھ دیا ہے۔ اس لیے اسے تو بہرحال سنتے چلیے۔

وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ۔

(الصف ع ۱)

اور جب عیسیٰ بن مریم نے کہا کہ اے اسرائیلیو! میں تمہارے پاس اللہ کا پیمبر آیا ہوں۔ تصدیق کرنے والا توریت کی جو مجھ سے پیشتر سے ہے۔ اور بشارت دینے والا ایک رسول کی جو میرے بعد آنے والے ہیں۔ جن کا نام احمدؐ ہوگا۔ پھر جب وہ ان کے پاس کھلے ہوئے نشان لے کر آئے تو یہ لوگ بولے کہ یہ تو صریح جادو ہے۔

قرآن مجید نے مسیح کے جس قول کی جانب اشارہ کیا ہے۔ وہ موجودہ محرف انجیل سے بھی تمامتر محو نہ ہو سکا۔ بلکہ اس کے حوالے ایک نہیں تین تین جگہ آج تک موجود ہیں۔ ملاحظہ ہوں

میں باپ سے درخواست کروں گا کہ وہ تمھیں دوسرا مددگار (یا وکیل یا تسلی)

بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے۔" (یوحنا، ۱۴، ۱۶)

"جو ابد تک تمہارے ساتھ رہے" میں صاف اشارہ موجود ہے کہ اس کی شریعت دائمی ہوگی۔ دوسری جگہ ہے:۔

"جب وہ مددگار (یا وکیل یا شفیع) آئے گا جس کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی سچائی کا روح جو باپ کی طرف سے نکلتا ہے تو وہ میری گواہی دے گا۔" (یوحنا، ۱۵، ۲۶)

اور تیسری مرتبہ:۔

اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار (یا وکیل یا شفیع) نہ آئے گا لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا۔ اور وہ آکر دنیا کو گناہ اور راستبازی اور عدالت کے بارہ میں قصور وار ٹھہرائے گا۔ (یوحنا۔ ۱۶، ۷، ۸)

یہ عبارتیں جو پڑھ کر سنائی گئیں۔ اردو بائبل کی تھیں اور بائبل کے اردو مترجمین نے متن میں لفظ مددگار اور حاشیہ پر اس کے نسخے "وکیل" اور "شفیع" دئے ہیں۔ اور انگریزی بائبل میں جو پروٹسٹنٹ فرقہ کی ترجمان ہے اس کے لئے لفظ Comforter آیا ہے یعنی تسلی دہندہ۔ اور جو انگریزی بائبل عقیدۂ کیتھولک کے مطابق ہے اس میں ان موقعوں پر لفظ Paraclete درج ہے ہمارے یہاں کے فاضلوں کا بیان ہے کہ جس یونانی لفظ کے ترجمہ میں مسیحی فاضل اس درجہ مضطرب ہیں اور کبھی اس کے لئے "مددگار" لاتے ہیں۔ کبھی "وکیل" کبھی "شفیع" کبھی "تسلی دہندہ" اور کبھی Paraclete وہ اصل میں Periclyts ہے جو صحیح ترجمہ لفظ احمد (بمعنی محمود و ستودہ) کا ہے۔

غرض یہ کہ جو توحیدی قومیں آغاز اسلام کے وقت دنیا میں موجود تھیں۔ اور جو سلسلۂ وحی و نبوت کی قائل تھیں۔ اُن کے مقدس نوشتوں میں پیش خبریاں شروع ہی سے ایک اسمٰعیلی نبی کی چلی آرہی تھیں۔ جس کی شریعت دائمی ہوگی۔ یعنی وہ سلسلۂ انبیاء کا خاتم بھی ہوگا۔

خطبہ (۲)

نام، نسب، وطن، زمانہ

نام اسم مبارک محمدؐ تھا۔ اور قرآن مجید میں اس کی صراحت چار جگہ آئی ہے۔ ایک جگہ تو صرف نام اور منصب کا ذکر ہے۔

محمد رسول اللہ (الفتح ع ۴) — محمد اللہ کے رسول ہیں۔

دوسری جگہ یہ لکھا ہے کہ قرآن جو سرتا سر حق ہے۔ نازل انھیں محمدؐ پر ہوا ہے،

والذین آمنوا وعملوا الصالحات — اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل بھی کئے

وآمنوا بما نزل علی محمد وھو الحق من — اور اس (کلام) پر ایمان لائے جو محمدؐ پر نازل ہوا

ربھم۔ (محمد۔ ع ۱) — اور وہ بر حق ہے ان کے پروردگار کی طرف سے۔

تیسری جگہ اس حقیقت سے پردہ اٹھتا ہے کہ محمدؐ اللہ کے قاصد یا رسول ہی ہیں جیسا کہ آپ کے قبل اور بھی رسول آ چکے ہیں۔ کوئی دیوتا یا اوتار یا فوق البشر ہستی نہیں۔

وما محمد الا رسول قد خلت — اور محمدؐ تو بس رسول ہیں۔ ان سے قبل

من قبلہ الرسل (آل عمران ع ۱۵) — اور بھی رسول گزر چکے ہیں۔

اور اسی آیت میں یہ الفاظ بھی شامل ہیں۔

افائن مات او قتل انقلبتم علیٰ اعقابکم	تو اگر ان کی وفات ہو جائے یا انھیں ہلاک کر دیا جائے تو کیا تم لوگ الٹے پاؤں واپس چلے جاؤ گے۔

اور یہیں سے ضمناً اس حقیقت پر بھی روشنی پڑگئی کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم غیر فانی بنا کر نہیں بھیجے گئے۔ بلکہ ہر بشر کی طرح آپ بھی فانی تھے اور آپ پر طبعی وفات کے طاری ہونے یا کسی کے ہاتھ سے ہلاک ہونے، دونوں کا احتمال تھا۔

چوتھی آیت نے اسم مبارک کی تصریح کے ساتھ اس کی بھی خبر دے دی، کہ آپ کی اولاد ذکور میں سے کوئی زندہ نہ رہے گا۔ صاحبزادیوں کی گنجائش البتہ ہے۔

ماکان محمد ابا احد من رجالکم (الاحزاب ع ۴)	محمدؐ تمھارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں۔

اسم محمدؐ کی اس چار گانہ تصریح کے ساتھ قرآن مجید میں دوسرا نام احمد ملتا ہے یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے پیش خبری کے سلسلہ میں ارشاد ہوا ہے۔

اذ قال عیسیٰ بن مریم یا بنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم مُصَدِّقاً لما بین یدی من التوراۃ ومُبَشِّراً برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد (الصف ع ۱)	اور یاد کرو جب عیسیٰ بن مریم نے کہا کہ اے اولاد اسرائیل میں تمھاری طرف اللہ کا رسول ہو کر آیا ہوں تصدیق کرنے والا توریت کی جو مجھ سے پیشتر سے ہے اور بشارت سنانے والا اس رسول کی جو میرے بعد آنے والے ہیں۔ انکا نام احمد ہوگا

حضرت مسیحؑ کی جو انجیل حواری برنابا کی جانب منسوب ہے۔ اس میں تو یہ پیش خبری

آج بھی صراحت کے ساتھ موجود ہے۔ باقی جو انجیلیں خود مسیحیوں کو مقبول و مسلم ہیں، ان میں سے انجیل یوحنا میں عبارتیں اس قسم کی لکھی ہوئی چلی آتی ہیں:۔

"میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار (یا وکیل یا شفیع بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے۔" (یوحنا ۱۴:۱۶)

"جب وہ مددگار (یا وکیل یا شفیع) آئے گا جس کو میں تمہارے باپ کی طرف سے بھیجوں گا۔ یعنی سچائی کا روح جو باپ کی طرف سے نکلتا ہے، تو وہ میری گواہی دے گا۔" (یوحنا ۱۵:۲۶)

اتنا تو ان میں سے پہلے قول سے ظاہر ہی ہوگیا، کہ جو آنے والا حضرت مسیحؑ کے بعد آئے گا، وہ خاتم نبوت ہوگا۔ اور اس کی شریعت قیامت تک قائم رہے گی۔ اب سوال صرف یہ رہ جاتا ہے کہ وہ آنے والا کون ہوگا؟ حضرت مسیح کی زبان مبارک سے نکلا ہوا اصل سریانی لفظ تو اب کہیں دنیائے معلوم میں محفوظ نہیں۔ اب تو دارو مدار آپ کے سریانی کلام کے صرف یونانی ترجمہ پر ہے۔ تو اس یونانی ترجمہ کا ترجمہ دوسری زبانوں میں اہل انجیل کہیں تسلی دہندہ Comforter سے کرتے ہیں اور کہیں مددگار Helper سے اور کہیں وکیل سے اور کہیں شفیع سے

اور اس اضطراب کے مقابلہ میں ہمارے ہاں کے فاضلوں کا بیان جزم کے ساتھ یہ ہے کہ وہ یونانی لفظ Periclytds تھا اسکا صحیح مفہوم احمد ہی سے ادا ہوتا ہے اور اس لئے قرآن مجید نے یہ نام حضرت مسیحؑ کی زبان سے ادا کردیا ہے اسم ذاتی بجز محمدؐ کے یہی احمد آیا ہے۔ ان دو کے علاوہ اسماء صفاتی قرآن مجید میں کثرت سے وارد ہوئے ہیں۔ مثلاً

نذیر۔ بشیر۔ منذر۔ مبشر۔ شاہد۔ داعی الی اللہ۔ سراج منیر۔ مزمل۔ مدثر۔ النبی الامی
مذکر۔ رحمۃ للعالمین۔ خاتم النبین۔

اب چند در چند آیات قرآنی بلحاظ ترتیب سن لیجئے۔ جن میں یہ اسمائے توصیفی
وارد ہوئے ہیں۔

انا ارسلنا الیکم رسولاً شاہداً علیکم (المزمل۔ ع۱) — بیشک ہم نے بھیجا ہے تمہاری طرف ایک رسول تم پر شاہد (بنا کر)

اسم شاہد کی شہادت اس آیت نے پیش کر دی اور اور شہادتیں بھی ابھی
سماعت فرمائیے گا۔ دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

انا ارسلناک شاہداً و مبشراً و نذیراً (الفتح ع ۱) — بیشک ہم نے آپ کو بھیجا ہے شاہد اور بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر۔

کہیں کہیں اس سے بھی زیادہ اسماء صفاتی اکٹھے بیان ہوئے ہیں مثلاً

یا ایھا النبی انا ارسلناک شاہداً و مبشراً و نذیراً و داعیاً الی اللہ باذنہ و سراجاً منیراً (الاحزاب ع۶) — اے نبی بیشک ہم نے آپ کو بھیجا ہے شاہد مبشر اور نذیر بنا کر اور اللہ کی طرف داعی اس کے اذن سے۔ اور ایک روشن چراغ۔

اور منذر اور نذیر کی تکرار تو کثرت سے آئی ہے۔ کبھی الگ الگ اور کبھی دوسر
اسماء صفات کے ساتھ مل جل کر۔ اسم منذر کو لیجئے۔

انما انت منذر و لکل قوم ھاد۔ (ھود۔ ع۱) — آپ تو بس ایک ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کے لئے ایک رہبر (رکھا گیا) ہے۔

بل عجبوا ان جاءھم منذر — ان لوگوں کو اس پر اچنبھا ہو کہ ان کے پاس

منھُم۔ (ق۔ ع ۱) ایک ڈرانے والا انھیں میں سے آگیا۔

انما انت منذر من یخشاھا آپ تو بس ڈرانے والے ہیں اسے جو دوزخ
(النازعات ع ۲) سے خوف رکھتا ہے۔

اب نذیر والی آیتیں سنئے۔ علاوہ ان دو آیتوں کے جو ابھی آپ سن چکے ہیں

انا ارسلناک بالحق بشیرًا بیشک ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔
ونذیرًا (البقرہ ع ۱۴) خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر۔

اور اسی کے علاوہ سورۃ الفاطر ع ۴ کی ایک آیت میں بھی یہ آیا ہے۔ کہیں کہیں
یہی مضمون صیغۂ حصر کے ساتھ وارد ہوا۔

وما ارسلناک الا مبشرا و اور ہم نے آپ کو تمام تر ایک خوشخبری سنانے
نذیرًا (بنی اسرائیل ع ۱۲) والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

اور یہی الفاظ سورہ الفرقان ع ۲ کی ایک آیت میں وارد ہوئے ہیں۔
اسی طرح ایک جگہ اور ہے۔

انما انت نذیر آپ تو بس ایک ڈرانے والے ہیں۔
(ہود۔ ع ۲)

پھر ایک جگہ اور صیغۂ غائب میں۔

ان ھو الا نذیر مبین یہ تو تمام تر ایک کھلے ہوئے ڈرانے والے
(الاعراف۔ ع ۱۳) ہیں۔

ایک جگہ اہل کتاب سے خطاب خصوصی میں ارشاد ہوا ہے۔

یا اہل الکتاب قد جاءکم رسولنا اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارے یہ رسول

یبین لکم علی فترۃ من الرسل ان تقولوا ما جاءنا من بشیر ولا نذیر فقد جاءکم بشیر ونذیر (المائدہ ع ۳)

آپہنچے ہیں جو تم سے کھول کر بیان کرتے ہیں ایسے وقت میں جب رسولوں کا سلسلہ موقوف تھا تاکہ تم کہیں یہ نہ کہنے لگو کہ ہمارے پاس کوئی بشیر و نذیر نہیں آئے سو تمہارے پاس تو بشیر و نذیر آ گیا۔

کہیں کہیں یہ لفظ صیغۂ متکلم میں خود رسول کریم کی زبان سے ادا کر دیئے گئے ہیں۔

ان انا الا نذیر وبشیر لقوم یومنون ۔ (الاعراف ع ۲۳)

میں تو محض ایک بشیر و نذیر ہوں ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں ۔

قل انی انا النذیر المبین (الحجر ع ۶)

آپ کہہ دیجئے کہ میں تو ایک کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں ۔

انی لکم منہ نذیر وبشیر (ہود ع ۱)

بیشک میں تمہارے لئے اللہ کی طرف سے نذیر و بشیر ہوں ۔

اور سورہ والذاریات ع ۳ میں پاس ہی پاس دو جگہ ان الفاظ کو رسول کریمؐ کی زبان سے دہرایا گیا ہے ۔

اور کہیں ان صفات کے ساتھ مخاطبین کے دائرہ میں ساری دنیا کو لے آیا گیا ہے ۔

وما ارسلنٰک الا کافۃ للناس بشیرًا ونذیرًا (سبا ع ۳)

اور ہم نے تو بس آپ کو بشیر و نذیر بنا کر سارے ہی انسانوں کی طرف بھیجا ہے ۔

نذیر کا لفظ اتنے موقعوں کے علاوہ بھی دو ایک جگہ آنحضورؐ کے لئے آیا ہے ۔ لیکن وہاں دلالت اتنی صریح و واضح نہیں ۔

ابھی ابھی آپ نے سنا کہ حضورؐ کی بعثت کافۃ للناس تھی۔ یعنی ساری نسل انسانی کے لئے اور ملک عرب کے ساتھ مخصوص و محدود نہیں، اس عموم بعثت کی تائید تقویت سورۃ الفرقان کی بھی ایک آیت سے ہوتی ہے۔ جہاں فرمایا گیا ہے کہ فرقان اس بندۂ خاص پر اس لئے نازل کیا گیا کہ

لیکون للعالمین نذیرًا — تاکہ وہ اس کے ذریعہ سے سارے عالم کا ڈرانے والا ہو۔

(الفرقان ع ۱)

اسم شاھد کے کئی اطلاق ذات نبوی کے لئے چند منٹ قبل آپ کی سماعت میں آ چکے ہیں۔ اور شاھد کے معنی عام طور پر گواہ سمجھے گئے ہیں۔ لیکن اس لفظ کا استعمال محاورہ عرب میں غائب کے مقابل کی حیثیت سے بھی برابر ہوتا ہے۔ اس لئے بیجا نہ ہوگا اگر 'شاہد' کو حاضر کے مرادف سمجھا جائے اور کم سے کم دو آیتیں قرآن مجید میں اور ایسی ہیں۔ جہاں 'شاہد' سے اشارہ رسول اللہ صلعم ہی کی جانب بعض اکابر تفسیر نے خیال کیا ہے۔ ان میں سے ایک آیت سورہ ہود کے رکوع ۲ میں ہے۔

ویتلوہ شاھد منہ — اور قرآن کے ساتھ اس میں ایک گواہ بھی ہو

اور دوسری سورہ البروج کے شروع میں ہے۔

وشاھدٍ ومشھود — اور شاہد اور مشہود۔

اس دوسری آیت میں اشارہ ذات نبوی کی طرف ایک قول کے مطابق شاھد سے ہے، اور دوسرے قول کے مطابق مشھود سے۔

یہ سارے نام ایسے ہوئے، جو صراحۃً یا دلالۃً رسولؐ کی مستقل صفات سے متعلق وارد ہوئے ہیں۔ ان کے علاوہ دو جگہ ایسا بھی ہوا ہے کہ رسولؐ پر کوئی وقتی کیفیت

طاری ہوئی اور قرآن نے بس اسی وقتی صفت سے آپ کو مخاطب کر دیا۔ چنانچہ نزول وحی کے ابتدائی زمانے میں جب برادری والوں نے شرارت سے انکار و استہزا آپ کے دعوئ نبوت پر شروع کیا، تو ایک روز آپؐ ان حالات سے متاثر و ملول خاطر، چادر میں لپٹے ہوئے لیٹے تھے۔ تو قرآن نے ٹھیک اسی ہیئت کے ساتھ آپؐ کو مخاطب کیا۔ اور کہا۔

یا ایھا المزمل (المزمل ع ۱) اے چادر میں لپٹنے والے۔

اور پھر اسی طرح جب کچھ روز بعد وحی کے تسلسل میں وقفہ پڑ گیا۔ اور آپ فکرمند اوڑھے لپیٹے ہوئے لیٹے تھے۔ تو قرآن مجید نے آپ کو ان الفاظ سے مخاطب کیا

یا ایھا المدثر (المدثر ع ۱) اے کپڑوں میں لپٹنے والے۔

یہ سارے اسماء صفاتی تو وہ ہوئے جن میں سے ہر ایک بجنسہٖ قرآن مجید میں آچکا ہے۔ باقی کچھ اور نام بھی ہیں۔ جو براہ راست تو وارد نہیں ہوئے ہیں۔ لیکن قرآن مجید کی عبارتوں سے ماخوذ و مستنبط کئے جا سکتے ہیں۔ مثلاً۔

مصطفیٰ۔ مجتبیٰ۔ مطاع۔ صادق۔ امین۔ مبلغ۔ معلم۔ مزکی۔ مرسل وغیرہا اور ان سب کے علاوہ دو اسماء۔ ایک النبی اور ایک الرسول کا اطلاق تو اس کثرت سے حضرت کی ذات پر ہوا ہے کہ اس کا احاطہ کرنا بھی آسان نہیں۔

اسی سلسلے میں ایک اور لفظ کا ذکر ضروری ہے۔ جو اپنے لغوی مفہوم کے لحاظ سے تو عام ہے لیکن رسول اللہؐ کی تکریم و تشریف خصوصی کے موقع پر اس تکرار سے آیا ہے کہ اگر اسے آپؐ کا ایک لقب خصوصی قرار دیا جائے تو کچھ بیجا نہیں۔ وہ لفظ ہے "عبد"۔ خصوصیت و یگانگت کے موقع پر آپ کی جانب اشارہ

اسی کلمہ سے کیا گیا اور نمایاں آپؐ کے وصف عبدیت کو کیا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کے شروع ہی میں۔ جہاں منکروں اور معاندوں سے تحدی کے ساتھ کہا ہے کہ اگر سارا قرآن نہیں بنا سکتے ہو، تو ایک سورۃ ہی اس کی سی پیش کر دکھاؤ وہاں بجائے رسول یا نبی کے کام اسی لفظ "عبد" سے لیا گیا ہے۔

وان کنتم فی ریب مما نزلنا	اور اگر تمہیں اس کلام کے باب میں کچھ شک
علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہٖ	ہے جو ہم نے اپنے بندہ پر نازل کیا ہے۔ تو
(البقرۃ ع ۳)	اس کی سی ایک سورۃ تم خود بنا لاؤ۔

اسی طرح جہاں مسجد اقصیٰ کے سفر معراج کا ذکر ہے۔ وہاں بھی یہی لفظ آیا ہے

سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ	پاک ہے وہ ذات جو راتوں رات لے گئی
لیلاً من المسجد الحرام الی	اپنے بندہ کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک
المسجد الاقصیٰ (بنی اسرائیل ع ۱)	

اسی طرح جہاں سیر آسمانی سے سرفرازی و تقرب خصوصی کا ذکر ہے وہاں بھی تصرف اسی لفظ کا ہوا ہے۔

فاوحیٰ الی عبدہٖ ما اوحیٰ	پھر اللہ نے وحی کی اپنے بندہ پر جو کچھ کہ
(النجم۔ ع ۱)	وحی کی۔

ایک جگہ یہ مذکور ہے، کہ کافر معاند عبد کامل کی نماز و عبادت کی راہ میں حائل ہوتے ہیں۔ وہاں ارشاد ہوا ہے۔

ارایت الذی ینھیٰ عبداً	تو نے اس شخص کے حال پر نظر کی جو روکتا ہے
اذا صلی۔ (علق)	جب بندہ نماز پڑھتا ہے۔

اور ایک جگہ ایسے ہی موقع پر بجائے محض عبد کے لفظاً عبداللہ آیا ہے۔
سیاق یہ ہے کہ رسول جب عبادت کے لئے کھڑے ہوتے ہیں، تو مشرکین معاندین آپ پر ہجوم کرکے چڑھ آتے ہیں۔ تو وہاں کام اسی اسم توصیفی عبداللہ سے لیا گیا ہے

وانہ لما قام عبد اللہ یدعوہ	اور جب اللہ کا بندہ (خاص) کھڑا ہوتا ہے
کادوا یکونون علیہ لبداً	کہ اس کی عبادت کرے تو یہ لوگ اس پر ہجوم
(الجن ع ۱)	کر آنے کو ہوتے ہیں۔

نزول قرآن کی عظیم ترین نعمت کے سیاق میں ذکر بار بار عبد یعنی اسی عبد کامل کا آتا ہے۔ تحدی والی آیت ابھی آپ سن چکے۔ اب تین آیتیں اور اس سلسلہ کی سماعت میں لائی جائیں۔ پہلی آیت۔

الحمد للہ الذی انزل علیٰ	ساری تعریف ہے اس اللہ کے لئے جس نے
عبدہ الکتاب (الکھف۔ ع ۱)	کتاب اپنے بندہ پر اتاری۔

دوسری آیت۔

تبارک الذی نزل الفرقان	بابرکت ہے وہ ذات جس نے فرقان اپنے
علیٰ عبدہٖ (الفرقان۔ ع ۱)	بندہ پر نازل فرمایا۔

اور تیسری آیت۔

ھوالذی ینزل علیٰ عبدہ	وہ اللہ ہی ہے جو صاف صاف آیتیں اتارتا
آیات بینات لیخرجکم من الظلمات	ہے اپنے بندہ پر تاکہ وہ تمہیں تاریکیوں سے
الی النور (الحدید ع ۱)	نکال کر روشنی کی طرف لے آئے۔

کہیں اس "نزول" کا اطلاق بجائے کلام کے فتح غیبی و نصرت خصوصی پر ہوا ہے

اور وہاں بھی مذکور عبدہ ہی کا ہے۔ مثلاً

وان کنتم آمنتم باللہ وما انزلنا علیٰ عبدنا یوم الفرقان۔ — اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور اس چیز پر جو ہم نے فیصلہ کے دن اپنے بندہ پر اتاری۔

(الانفال-ع ۵)

اور کہیں یہ اطمینان دلایا ہے کہ یہ عبد براہ راست اللہ تعالیٰ کے حفظ و امان میں ہے۔

الیس اللہ بکاف عبدہ (زمر-ع ۴) — کیا اللہ کافی نہیں اپنے بندہ کی حفاظت کے لئے؟

اسماء صفاتی میں سے دو ایسے بھی ہیں، جو ایک طرف تو رسول [illegible] کے لئے استعمال ہوئے۔ اور دوسری طرف وہ اسماء حسنیٰ باری تعالیٰ بھی [illegible] ہیں۔ وہ لفظ ہیں رؤف اور رحیم۔ صیغہ معرفہ میں ال کے اضافہ کے ساتھ تو یہ الرؤف والرحیم اسماء الٰہی میں ہیں۔ لیکن نکرہ میں۔ بغیر ال کے رسول کے اسماء صفاتی میں لائے گئے ہیں۔ سورۃ البراۃ کے ختم پر رسول [illegible] کا ذکر صریح کے بعد آتا ہے۔

حریص علیکم بالمومنین رؤف رحیم (التوبۃ ع) — تمہارے لئے حریص ہیں۔ مومنوں کے حق میں بڑے شفقت اور رحم والے ہیں۔

ایک اور اسم وصفی مذکر ہے۔ ارشاد ہوا ہے۔

فذکر انما انت مذکر — آپ انھیں یاد دلاتے رہئے۔ اور آپ تو بس ہیں ہی یاد دلانے والے۔

یہ اسم مصیطر کے مقابلہ میں آیا ہے۔ اور مصیطر کے معنی ہیں متسلط۔ یا نذیر احمدی زبان میں داروغہ کے۔

دو وصف قرآن مجید نے اور آپ کے ایسے بیان کئے ہیں۔ جن سے دو اسماء توصیفی پیدا ہو گئے۔ ایک کا تعلق وصف رحمت عالم سے ہے۔

وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعٰلمین (الانبیاء ع ۷) — اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر رحمت بنا کر سب جہانوں کے حق میں۔

اور دوسرا وصف ختم نبوت کا ہے۔

ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولٰکن رسول اللہ وخاتم النبیین (الاحزاب ع ۵) — محمد تم میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں۔ مگر اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے ختم پر۔

دو لفظ قرآن مجید میں اور بھی آئے ہیں۔ ایک نور دوسرے برہان۔ جمہور مفسرین کے نزدیک ان کا تعلق اوصاف قرآن ہی سے ہے۔ چنانچہ ایک یہ ہے۔

قد جاءکم من اللہ نور وکتاب مبین (المائدہ ع ۲) — بے شک اللہ کے ہاں سے تمہارے پاس آچکا ہے نور اور کتاب واضح۔

اور دوسری آیت ہے۔

یا ایہا الناس قد جاءکم برھان من ربکم (النساء ع ۲۴) — اے لوگو تمہارے پاس برہان پہنچ چکی ہے تمہارے پروردگار کے پاس سے۔

لیکن مفسرین کا ایک گروہ ادھر بھی گیا ہے کہ دونوں لفظوں سے مراد ذات نبوی ہے۔ گویا دلالت ہے تو بھی مگر بہت خفی قسم کی۔

اور اس لفظ "برہان" سے ملتا ہوا ایک اور لفظ بیّنۃ بھی آپ کی شان میں آیا گیا ہے۔ مثلاً اس آیت میں۔

حتیٰ تاتیھم البینۃ (بینہ) — جب تک کہ ایک واضح دلیل ان کے پاس نہ آگئی۔

نسب نام نامی اور اسماء توصیفی پر گفتگو ہو چکی۔ ہر سیرت میں نام کے بعد ہی نسب کا عنوان جلی ہوتا ہے۔

پہلی روشنی نسب مبارک کے سلسلہ میں قرآن مجید سے یہ پڑتی ہے کہ آپؐ یتیم تھے۔

الم یجدک یتیما فاوی (الضحیٰ) — کیا اللہ نے آپ کو یتیم نہیں پایا۔ پھر اس نے (آپ کو) ٹھکانا دیا۔

یتیم اس کو کہتے ہیں۔ جس کے باپ کا انتقال اس کے بلوغ سے قبل ہی ہو جائے اور قبل بلوغ شامل ہے۔ قبل ولادت کو اور تاریخ کا بیان ہے کہ آپؐ کے والد ماجد کی وفات آپؐ کی پیدائش سے بھی قبل ہو گئی تھی۔

پھر قرآن ہی کے لفظ فاوٰی سے یہ بھی نکلتا ہے کہ یتیمی کے باعث آپ بے گھر ہو گئے تھے (اور عرب جاہلیت میں یوں بھی یتیم کی زندگی ہمہ وقتی کوفت ہی کی زندگی ہوتی تھی) لیکن حکمت الٰہی نے دوسرے انتظامات آپؐ کی ولایت و ربوبیت کے کر دئے تھے۔ جیسا کہ روایتوں میں آتا ہے پہلے دادا عبدالمطلب اور پھر چچا ابوطالب کے ذریعہ سے۔

آپ کا نسل ابراہیمی سے ہونا قرآن مجید سے ظاہر ہے۔ بلکہ آپؐ تو ثمرہ

ہی تھے۔ عین دعائے ابراہیمی کا۔

ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک	لے ہمارے پروردگار ہماری اولاد میں سے
.... ربنا وابعث فیھم رسولا	ایک ایسی اُمت پیدا کردے جو تیری فرمانبردار ہو
منھم یتلوا علیھم آیاتک ویعلمھم	.... اور لے ہمارے پروردگار اس اُمت کے
الکتاب والحکمۃ ویزکیھم۔	اندر انھیں میں سے ایک پیمبر بھی پیدا کرنا جو
(البقرہ ع ۱۵)	ان لوگوں کو تیری آیتیں پڑھ پڑھ کر سنائے اور ان کو
	کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہو اور ان کو پاک کرے

اور جس موقع کی یہ دعا ہے وہاں قرآن ہی کے حسب صراحت حضرت اسمٰعیل بھی حضرت ابراہیم کے شریک تھے واذیرفع ابراھیم القواعد من البیت واسمٰعیل۔ اس لئے ظاہر ہوگیا کہ آپ نسل ابراہیمی کی شاخ اسمٰعیلی سے تھے کسی اور شاخ سے نہیں۔

یہ آیتیں تو نسب کے باب میں صریح ہیں۔ اور ان سے جو استنباط ہو سکتا ہے وہ بھی لازمی طور پر صحیح ہی ہے۔ باقی قاضی عیاض مالکی (متوفی ۵۴۴ھ) نے اپنی معروف کتاب الشفا فی حقوق المصطفٰے میں دو اور آیتوں، اور ان سے اس سلسلہ میں استدلال کا بھی ذکر کیا ہے۔ ان میں سے ایک سورۃ التوبہ کے ختم کی آیت لقد جاء کم رسول من انفسکم ہے اس کی ایک قرات بجائے انفسکم (ضمۂ فاء کے) انفسکم (فتح الفاء) سے ہے تو اس سے استدلال یہ ہوا کہ آپ کا ظہور نفیس ترین یا شریف ترین انسانوں میں ہوا ہے۔ دوسری آیت سورۃ الشعراء کے آخری رکوع کی ہے الذی یراک حین تقوم و تقلبک

فی الساجدین - اس کی تفسیر یوں کی گئی ہے۔ کہ اللہ نے آپ کو عبادت گزاروں یا پارساؤں ہی کے صُلبوں پشتوں سے نکالا ہے اور اس طرح یہ دو آیتیں بھی تھوڑے سے تکلف کے بعد۔ بعض اہل علم کے مذاق کے مطابق آپؐ کی شرافت نسب اور والا دودمانی پر گواہ بنائی جا سکتی ہیں۔

وطن جس سرزمین پر حضرت ابراہیمؑ نے اپنے جگر گوشہ حضرت اسمٰعیل کو لا بسایا تھا وہ اس وقت تک خشک و بے آب و گیاہ تھی بیت اللہ کے پڑوس میں۔ اور حضرت کی دعا یہ تھی کہ دینداری اور خدا پرستی کے چرچے کے علاوہ اس بستی والوں کو میوے یا پھل بھی بہم پہونچتے رہیں۔

ربنا انی اسکنت من ذریتی	اے ہمارے پروردگار میں نے بسا دیا اپنی
بواد غیر ذی زرع عند بیتک	بعض اولاد کو ایک بے کھیتی والے دامن کوہ
المحرم ربنا لیقیموا الصلوٰۃ	میں تیرے محترم گھر کے قریب ہی اے ہمارے
فاجعل افئدۃ من الناس تھوی	پروردگار تاکہ وہ قائم کریں نماز کو پس تو
الیھم وارزقھم من الثمرات	کچھ لوگوں کے دل اُنکی طرف لگائے اور ان کو
لعلھم یشکرون (ابراہیم ع ۱)	پھلوں کا رزق دے تاکہ وہ لوگ شکر گزار ہوں

اسی شہر سے متعلق حضرت ابراہیم کی دعا ایک دوسری جگہ ان الفاظ میں نقل ہوئی ہے۔

رب اجعل ھذا البلد آمنًا	اے میرے پروردگار اس کو بنادے ایک شہر
وارزق اھلہ من الثمرات	امن والا اور اس کے رہنے والوں کو پھلوں
(البقرۃ ع ۱۵)	میں سے بھی عنایت کر۔

رسولؐ اللہ کی پیدائش اسی بستی میں ہوئی۔ جو خشک و بے گیاہ حضرت ابراہیمؑ کے زمانے میں نہیں۔ صدیوں بعد تک رہی۔ لیکن اس کے باوجود شاید اسی دعائے ابراہیمی کی برکت سے میووں اور پھلوں سے محروم پہلے بھی نہ رہی، اور اب تو ایک حد تک خود ہی شاداب و گلزار بن گئی ہے۔ رہی اس شہر کی مامونیت یا اس کا پرامن ہونا۔ تو اس کی حرمت تو اہل جاہلیت کو بھی ملحوظ رہی ہے اور شریعت اسلامی نے اس شہر کو حرم قرار دیکر اس کے اندر جانوروں کا شکار تک ممنوع کر دیا ہے۔ قرآن مجید نے اس کے اس پہلو کو نمایاں کرکے اسے البلد الامین اور البلدالحرام جیسے القاب سے بار بار یاد کیا ہے۔

شہر کا قدیم نام بکہ ہے اور خدائے پاک کی پہلی پرستش گاہ ہونے کا شرف و امتیاز اسی کو حاصل ہے۔

ان اول بیت وضع للناس	بیشک جو سب سے پہلا گھر لوگوں کی عبادت
للذی ببکۃ مبارکا وھدیً	کے لیے مقرر کیا گیا ہے وہ وہ ہے جو بکہ میں
للعالمین (آل عمران ۱۰)	ہے بابرکت اور سارے عالم کے لئے ہدایت۔

اس شہر کا نام بعد کو مکہ پڑا۔ اور اب مزید تعارف سے بے نیاز اس کا شمار دنیا کے معروف ترین شہروں میں ہے۔ ام القری۔ البلد الامین اور البلدالحرام اس کے قرآنی مترادف ہیں۔

حجاز کے ایک دوسرے شہر کا بھی ذکر قرآن مجید میں یثرب اور مدینہ دو ناموں سے آیا ہے یہاں رسول اللہ مکہ سے ہجرت کرکے آئے تھے اور ہجرت کا ذکر اور اس کے احکام قرآن مجید میں کثرت سے وارد ہوئے ہیں۔ معاندین سے

غزوات و محاربات یہاں کے زمانۂ قیام میں برابر جاری رہے اور ان کا تذکرہ قرآن مجید میں بسط و تفصیل سے موجود ہے۔ یہ تذکرے تو کبھی حسب موقع آگے سننے گا۔ یہاں شہر کے سلسلہ میں صرف اتنی بات سن لینے کی ہے۔ کہ یہاں کی آبادی کا ایک خاصہ بڑا حصہ غیر مخلص رعایا پر شامل تھا جو بظاہر اسلامی اسٹیٹ کے ہوا خواہ و فرمانبردار تھے۔ لیکن درحقیقت غیر وفادار بلکہ باغی تھے۔ اور دشمنان حکومت اسلامی سے میل کئے ہوئے تھے۔ یہ لوگ مخلص و وفادار رعایائے اسلام کے خلاف طرح طرح کی افواہوں سے ایک سرد جنگ رکھے ہوئے تھے۔ اس پر قرآن مجید نے صاف صاف کہہ دیا۔

لئن لم ینتہ المنافقون	اگر منافق اور جن لوگوں کے دلوں میں روگ
والذین فی قلوبھم مرض و	ہے اور مدینہ میں بُری خبریں اڑانے والے
المرجفون فی المدینۃ لنغرینك	باز نہ آئے تو ہم آپ کو ان پر مسلط کر دیں گے
بھم ثم لایجاورونك فیھا	پھر وہ نہ رہ سکیں گے۔ مدینہ میں آپ کے
الا قلیلا (الاحزاب ع ۸)	پڑوس میں مگر یہ کہ تھوڑے سے دن

یہ گویا صاف اعلان خداوندی تھا کہ کچھ ہی روز بعد رسول اللہ صلعم کو ان پر پوری طرح دسترس حاصل ہو جائیں گی۔ اور آپ کا قیام یہیں رہے گا۔ اس بیان سے ایک فاضل معاصر نے یہ نکتہ بھی خوب پیدا کیا ہے، کہ جب آپ کا قیام یہیں آخر تک رہے گا۔ تو وفات بھی یہیں ہوگی۔ اور مدفن شریف بھی یہی شہر ہوگا۔

زمانہ سنہ تاریخ کی بحث میں پڑنا. قرآنی اسلوب بیان کے منافی ہو لیکن آئیے ہم اور آپ مل کر دیکھیں. شاید کہ کچھ روشنی حضورؐ کے زمانۂ بعثت پر بھی آیات قرآنی سے پڑ جائے۔

پہلی بات تو خوب روشن یہ ہے کہ آپؐ کا عہد نزول توریت ہی کے نہیں۔ نزول انجیل کے بھی بعد کا ہے۔

النبی الامی الذی یجدونہ مکتوبا عندھم فی التوراۃ والانجیل۔ (الاعراف ع ۱۹)	وہ نبی امی جس کو (یہ اہل کتاب) اپنے ہاں توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں

آپؐ تو آپؐ۔ آپؐ کے رفیقوں صحابیوں تک کے اوصاف توریت اور انجیل دونوں میں موجود ہیں۔

ذالک مثلھم فی التوراۃ ومثلھم فی الانجیل (الفتح ع ۴)	یہ ہے بیان ان کا توریت میں اور یہ ہے ان کا بیان انجیل میں۔

پھر قرآن مجید نے قبل کے پیمبروں میں ذکر سب سے آخری پیمبر حضرت عیسیٰ کا کیا ہے۔ اس کے یہ معنی تو کھلے ہوئے ہیں کہ آپؐ کا زمانہ حضرت عیسیٰ کے بعد کا ہے۔ بلکہ تصریح یہاں تک ہے۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام اپنے بعد آپؐ کی آمد کی خوشخبری سنا گئے ہیں۔

ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد (الصف ع ۱)	میرے بعد ایک رسول آئیں گے جن کا نام احمد ہوگا۔

اس کے بعد یہ تصریح بھی قرآن مجید ہی میں ملتی ہے کہ آپ عہد عیسیٰ

سے متصل نہیں بلکہ ایک لمبے وقفہ کے بعد دنیا میں تشریف لائے۔

یا اھل الکتاب قد جاءکم رسولنا یبین لکم علیٰ فترۃ من الرسل۔ (المائدہ ع ۳)	لے اہل کتاب تمھارے پاس ہمارے یہ رسول آئے ہیں دور فترہ کے بعد جو تم کو صاف صاف بتلاتے ہیں۔

فترہ سے مراد اصطلاح میں وہ مدت ہوتی ہے۔ جب کسی نبی کا زمانہ نہیں ہوتا گویا حضرت عیسیٰ کے دور نبوت کو ختم ہوئے ایک عرصہ گزر چکا تھا جب ہمارے رسولؐ کا ظہور ہوا۔

اس سے آگے بڑھئے۔ تو سورۂ قریش سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ یہ وہ زمانہ تھا۔ جب قریش کی سرداری معاصر عرب قبیلوں کو مسلّم ہو چکی تھی۔ بلکہ قریش کی بین الاقوامی اہمیت ہمسایہ ملکوں میں مانی جا چکی تھی۔ اور تجارتی قافلے شمال و مغرب اور جنوب و مشرق کی جانب قریش ہی کے پروانہ راہداری کے ساتھ آمد و رفت رکھنے لگے تھے تاریخی اعتبار سے یہ وہ زمانہ ہے جب سنہ مسیحی کو رائج ہوئے ایک مدت ہو چکی تھی

تحقیق کا ایک قدم اور آگے بڑھائیے تو نظر آئے گا کہ اب زمانۂ نبوت محمدی کی تعیین کے ہم بہت قریب پہنچ گئے ہیں۔ سورۂ قریش کے قبل اور اس سے متصل قرآن مجید میں سورۃ الفیل ہے۔ جس میں خانۂ کعبہ پر ابرہہ سردار حکومت حبشہ کی لشکر کشی کا بیان ہے۔ اور یہ مشہور واقعہ تاریخ کے راوی کا بیان ہے کہ ۵۷۰ء میں پیش آیا تھا مورخوں کا بیان ہے اور خود سیاق قرآنی بھی یہی چاہتا ہے کہ ولادت محمدی بس اس کے چند ہی روز بعد واقع ہوئی ہو۔

غرض آپ کے زمانۂ ولادت کا پتا تو قرآن مجید کی روشنی میں یوں کچھ نہ کچھ

لگ ہی گیا۔ اب رہا سوال زمانۂ بعثت و نبوت کا تو قرآن مجید ہی سے ایک عام قاعدہ انسان کے لئے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے قویٰ (اور یہاں قوائے عقلی و اخلاقی ہی مراد ہیں) کی تکمیل ۴۰ سال کے سن میں ہوتی ہے۔

فلما بلغ اشدہ و بلغ اربعین	اور انسان جب اپنی پوری قوت کو پہنچا۔
سنۃ (الاحقاف ع ۲)	اور ۴۰ سال کا ہوا۔

اور جب یہ مقدمہ مسلّم ہے کہ نبوت اللہ کی طرف سے بشر کے لئے سب سے بڑی امانت اور سب سے بڑا امتیازی منصب ہے۔ تو یقیناً ۴۰ ہی سال کے سن میں آپ کو اس مرتبہ سے سرفراز کیا گیا ہوگا۔ مسیحی جنتری کے حساب سے یہ سنہ آکر ۶۱۰ء ٹھہرتا ہے اور اسی قیاسی و ظنی نتیجہ کی تصدیق و تائید روایات حدیث و سیرت سے ہوتی ہے۔

سوانح کے سلسلے میں آخری عنوان زمانۂ وفات کا آتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو کتاب آپؐ کی زندگی ہی میں آپؐ پر نازل ہوتی رہی۔ اس میں آپؐ کے زمانہ وفات کا ذکر کیونکر آسکتا تھا، تاہم تقریبی زمانۂ وفات پر تو کچھ روشنی قرآن مجید سے پڑ ہی جاتی ہے۔

سورۃ النصر جس میں اسلام کے پھیلنے اور لوگوں کے جوق در جوق ایمان لانے کی صاف بشارت موجود ہے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ یہ قرآن مجید کی آخری مکمل سورت ہے۔ اور اس کا زمانہ نزول اخیر سنہ ۱۰ ہجری ہے۔ اسی طرح سورۃ المائدہ کی یہ آیت

الیوم اکملت لکم دینکم و	میں نے آج تمہارا دین تمہارے لئے مکمل کر دیا
اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم	اور تمہارے اوپر اپنا انعام پورا کر دیا۔ اور

الاسلام دینا (المائدہ ع ۱) . تمھارے لئے بطور دین اسلام کو پسند کرلیا
روایتوں میں آتا ہے کہ ذی الحجہ ۱۰ھ میں نازل ہوئی تھی۔ ان تصریحات
سے قُربِ زمانۂ وفاتِ رسولؐ صاف نکل آتا ہے۔ اور یہ جو تاریخ سے ثابت ہے
کہ وفاتِ نبوی ربیع الاول ۱۱ ہجری میں واقع ہوئی۔ یہ قرآنی اشاروں
سے بھی ایک بالکل لگتی ہوئی بات ہے۔

خطبہ (۳)

فضائل، خصائص، مشاغل

قرآن مجید سے جہاں ایک طرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ محمد مصطفےٰ صلعم کوئی فوق البشر یا فرشتہ وغیرہ نہ تھے۔ بلکہ محض بشر تھے۔ جیسے دنیا میں بشر ہوا کرتے ہیں اور خود آپؐ کی زبان سے دو دو بار کہلایا گیا ہے، کہ

قل انما انا بشر مثلکم — آپ کہہ دیجئے کہ میں تو محض ایک بشر ہوں تم ہی جیسا۔

ایک بار سورۃ الکھف کے رکوع ۱۲ میں اور دوسری بار سورۂ حٰم السجدہ کے رکوع اول میں۔ اور یہ بھی کہ آپؐ کوئی انوکھے پیغمبر ہو کر دنیا میں نہیں آئے تھے بلکہ آپ سے پیشتر بہت سے انبیاء و مرسلین آ چکے تھے۔ اور آپ بس انھیں میں کے ایک فرد تھے۔

انک لمن المرسلین (البقرۃ ع ۳۳) — بیشک ان بھیجے ہوؤں میں سے ایک آپ ہیں۔

فقل انما انا من المنذرین — آپ کہہ دیجئے کہ میں تو بس ڈرانے والوں

(النحل ع ۷) میں سے ہوں۔

وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل (آل عمران ع ۱۵)
محمد بجز اس کے کچھ نہیں کہ ایک رسول ہیں اور ان کے قبل بہت سے رسول گزر ہی چکے ہیں

اکان للناس عجباً ان اوحینا الیٰ رجل منھم ان انذر الناس و بشر الذین آمنوا (یونس ع ۱)
کیا لوگوں کو اس بات پر حیرت ہے کہ ہم نے انہیں میں سے ایک آدمی پر وحی بھیجدی کہ لوگوں کو ڈرائے بھی (ہمارے عذاب سے) اور مومنوں کو خوشخبری بھی پہنچائے۔

اور خود آپ کی زبان سے یہ کہلایا گیا۔

قل ما کنت بدعاً من الرسل (الاحقاف ع ۱)
آپ کہدیجئے کہ رسولوں میں میں کوئی انوکھا رسول تو ہوا نہیں۔

اور ساتھ ہی آپ کی بے اختیاری بھی ان الفاظ میں کہلا دی گئی۔

وما ادری ما یفعل بی ولا بکم (الاحقاف ع ۱)
میں تو یہ بھی نہیں جانتا کہ کیا معاملہ میرے ساتھ پیش آئے گا اور کیا تمہارے ساتھ۔

بلکہ یہاں تک بھی، کہ

قل لا املک لنفسی ضراً ولا نفعاً الا ما شاء اللہ (یونس ع ۵)
آپ کہہ دیجئے کہ میں اپنی ذات کے لئے تو کسی ضرر اور کسی نفع کا اختیار ہی نہیں رکھتا مگر جتنا اللہ کو منظور ہو۔

اور آیت کا یہی ٹکڑا ایک ذرا سے نام لفظی اختلاف کے ساتھ سورہ الاعراف رکوع ۲۳ میں بھی ملتا ہے۔

اور وقت قیامت کے علم کی بھی نفی آپ کی ذات سے کرائی گئی ہے باوجود اس کے کہ وقوع قیامت کا ذکر بڑی شد... کے ساتھ آپ کی زبان سے سنایا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے۔

یسئلونك عن الساعة ایان مرساها قل انما ... عند ربی لا یجلیها لوقتها الا هو (الاعراف ع ۲۳)	یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ کب واقع ہوگی۔ آپ کہدیجئے کہ اسکا علم صرف میرے پروردگار ہی کے پاس ہے اس کے وقت پر سوا اللہ کے کوئی اسکو ظاہر نہ کریگا

بلکہ آپ کی غیب دانی اور آپ کی مالکیت خزائن الٰہی اور آپ کی ملکیت اور ... کی نفی پر تصریح آپ کی زبان سے کرادی گئی۔

قل لا اقول لکم عندی خزائن الله ولا اعلم الغیب ولا اقول لکم انی ملك ان اتبع الا ما یوحیٰ الی (الانعام ع ۵)	آپ کہدیجئے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ (کی سرکار) کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں۔ اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو بس اسی حکم پر چلتا ہوں میری طرف وحی کیا جاتا ہے۔

یہاں تک کہ دنیوی علوم و معارف سے بھی یکسر آپ کی ناشناسی ظاہر کردی گئی حالانکہ جس عہد میں آپ کا ظہور ہوا تھا اس وقت تک بابل، مصر، چین، ایران، ہندوستان، یونان، روما، سب کہیں علوم و فنون خوب اپنا زور دکھلا چکے تھے اور بڑے بڑے شاعر اور ادیب، مورخ اور مہندس، حکیم اور فلسفی، کرۂ ارض کے طول و عرض میں اپنا نام پیدا کر چکے تھے۔ اور علوم و فنون الگ رہے۔ قرآن مجید

نے تو آپ کی اُمیت یا حرف ناشناسی کی بھی صاف صریح گواہی دی ہے۔

وما کنت تتلوا من قبلہ من کتاب ولا تخطہ بیمینک (عنکبوت ع ۵)

اور اس قرآن کے نزول سے پہلے آپ نہ تو کوئی کتاب پڑھ سکتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے اس کو لکھ سکتے تھے۔

اور پھر کہا ہے۔

ھوالذی بعث فی الامیین رسولاً منھم (الجمعہ ع ۱)

وہ اللہ وہی ہے جس نے اُمیوں کے درمیان انہیں سے ایک پیغمبر بنا کر بھیجا۔

اور پھر سورۃ الاعراف میں قریب ہی قریب دو دو جگہ آپ کے نبی امی ہونے کا اعلان اسی طرح ہے کہ گویا النبی الامی آپ کا عَلَم ہے۔

رکوع ۱۸ میں ہے۔

الذین یتبعون الرسول النبی الامی

جو لوگ پیروی کرتے ہیں رسول نبی اُمی کی۔

اور دوسری جگہ رکوع ۱۹ میں ہے۔

فامنوا باللہ ورسولہ النبی الامی۔

بس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول نبی اُمی پر

اور ساتھ ہی ساتھ جا بجا تنبیہیں بھی ہیں۔ جیسی کہ خالق ہی محبوب ترین و کرم ترین مخلوق سے ہی کر سکتا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ موقع جہاد پر بعض صحابیوں کے پیچھے رہ جانے کے سیاق میں ہے۔

عفا اللہ عنک لم اذنت لھم

اللہ آپ کو معاف کرے۔ آپ نے انھیں کیوں

حتیٰ یتبین لک الذین صدقوا — اجازت دے دی! آپ کو رکنا تھا جب تک
(التوبہ ع ۷) — ان لوگوں کا سچا ہونا آپ کو معلوم ہو جاتا۔

اسی طرح ایک واقعہ خیانت کے سلسلہ میں۔

ولا تکن للخائنین خصیما — اور آپ خیانت کرنے والوں کی طرف سے
واستغفر اللہ (النساء ع ۱۶) — جھگڑا نہ کریں اور اللہ سے استغفار کریں۔

اور اسی کے بعد۔

ولا تجادل عن الذین — آپ ان لوگوں کی طرف سے جھگڑا نہ کیجئے
یختانون انفسھم (ایضاً) — جو اپنی جانوں میں خیانت کرتے ہیں۔

یا ایک مرتبہ جنگ کے قیدیوں کے باب میں۔

ما کان لنبی ان یکون لہ — نبی کی شان کے لائق نہ تھا کہ ان کے پاس
اسریٰ حتیٰ یثخن فی الارض — قیدی باقی رہتے جب تک کہ وہ نبی زمین پر
(الانفال ع ۹) — اچھی طرح خونریزی نہ کر لیتے۔

یا بعض مشرکوں کے لئے استغفار کے سلسلہ میں۔

ما کان للنبی والذین آمنوا — نبی اور مومنین کے لئے مناسب نہ تھا کہ وہ
ان یستغفروا للمشرکین ولو کانوا — مشرکوں کی مغفرت کی دعا کرتے خواہ وہ ان
اولیٰ قربیٰ من بعد ما تبین لھم — کے قرابت دار ہی کیوں نہ رہے ہوں۔ جبکہ
انھم اصحاب الجحیم (التوبہ ع ۱۴) — ان پر ظاہر ہو چکا تھا کہ وہ لوگ دوزخی ہیں

یا پھر اسی طرح ایک محبوب و مقبول صحابی حضرت زید کی مطلقہ بیوی
کے بیان میں۔

وتخفی فی نفسك ما الله مُبدیهِ وتخشی الناس والله احق ان تخشاهُ	اور آپ اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جس کو اللہ ظاہر کرنے والا تھا۔ اور آپ لوگوں کی طرف سے اندیشہ کر رہے تھے درآنحالیکہ
(الاحزاب ع ۵)	اللہ ہی اسکا زیادہ سزاوار ہے کہ آپ اس سے ڈریں

یا ایک اور سلسلہ میں جبکہ آپ نے ایک نابینا صحابی پر توجہ کرنے کے بجائے پوری توجہ اشراف قریش کی طرف کر دی تھی جن پر آپ تبلیغ دین کر رہے تھے۔

عبس وتولیٰ ان جاءہ الاعمیٰ ومایدریك لعلہٗ یزکیٰ۔	پیمبر چیں بہ جبیں ہوئے اور منہ پھیر لیا اس بات پر کہ ان کے پاس ایک نابینا آیا اور آپ کو
(عبس)	کیا خبر شاید وہ سنور ہی جاتا۔

تو یہ چند مقامات تھے۔ جہاں کہا جاسکتا ہے کہ آپ کو ۲۳ سال کی نہایت درجہ مصروف و مشغول پیمبرانہ زندگی میں تنبیہات بھی ملی ہیں۔ لیکن دوسری طرف فضائل اسی کثرت سے وارد ہوئے ہیں اور آپ کے پیمبرانہ خصائص و فرائض کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ کہ ان پر حیرت ہی ہو کر رہتی ہے۔ اور قرآن کا ہر بے تعصب اور انصاف پسند طالب علم یہ کہنے پر اپنے کو مجبور پاتا ہے کہ ایسی پاکیزہ نفس اور جامع اخلاق زندگی بیشک اس قابل تھی کہ اسے ساری نوع انسانی کے سامنے بہ طور نمونہ و نظیر کے پیش کیا جائے۔

اس سلسلۂ بیان کو شروع اس جامع آیت سے کیجئے۔ جس میں خطاب یا تو عام نوع بشر سے ہے اور یا قوم عرب سے۔

لقد جاءکم رسول من انفسکم	بیشک آگئے ہیں تمہارے پاس ایک پیمبر

عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمومنین رؤف رحیم	تمہیں میں سے۔ گراں گزرتی ان پر ہر چیز جس سے تم تکلیف پاؤ وہ حریص ہیں تمہارے اوپر اور ایمان والوں پر تو بڑے ہی شفیق و مہربان ہیں۔
(التوبہ ع ۱۲)	

آیت میں اگر جمہور کی قرآت سے ساتھ انفسِکُمْ پڑھئے تو مفہوم یہ پیدا ہوگا۔ کہ وہ کوئی اجنبی نہیں کسی غیر جنس کی مخلوق نہیں۔ تمہارے آپس کے ہیں۔ اور تم ہی جیسے ہیں۔ ان سے مغایرت اور نامانوسیت کا کوئی محل نہیں،

اور اگر انفَسِکم (بہ فتحہ فا) بڑھا جائے کہ وہ بھی ایک قرآت متواترہ ہے تو معنی یہ نکلیں گے کہ وہ تمہارے بہترین اور نفیس ترین میں سے ہیں ان کی خصوصیت یہ ہے کہ ہر انسانی تکلیف ان پر گراں گزرتی ہے وہ اس سے انسان کو رہائی دلانے کی فکر میں رہتے ہیں۔ انسانوں کے حق میں اپنی فرط شفقت سے حریص ہیں۔ اپنی اُمت کے حق میں وہ توان دو صفات کے مالک ہیں جو اللہ اپنے بندوں سے متعلق رکھتا ہے۔ یعنی رافت و رحمت اور امت کے حق میں ان کی شفقت و دلسوزی بے پایاں ہے۔

آپؐ کی بعثت اللہ تعالیٰ کا ایک احسان عظیم ہے اور آپ کے فرائض و مشاغل خود اس پر دلیل کا کام دیتے ہیں۔

لقد من اللہ علی المومنین	اللہ نے ایمان والوں پر احسان کیا ہے۔ جو
اذ بعث فیھم رسولاً من انفسھم	ان کے درمیان ایک رسول بھیجا انہیں میں
یتلوا علیھم آیاتہ ویزکیھم	سے، جو نہیں اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہو
ویعلمھم الکتاب والحکمۃ	اور انہیں سنوارتا ہو اور انہیں تعلیم دیتا ہو

وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین | کتاب اور حکمت کی اور گو وہ اس سے قبل صریح
(آل عمران ع ۱۷) | گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔

آیت سے جہاں ایک طرف رسولؐ کا درجہ و مرتبہ عند اللہ معلوم ہوا کہ اللہ نے آپ کی بعثت کو اپنے احسان سے تعبیر کیا ہے۔ وہیں آپ کے روزانہ مشاغل پر بھی اس سے روشنی پڑ گئی۔ اور یہ معلوم ہو گیا کہ آپ امت تک قرآن مجید نہ صرف پہنچاتے تھے، بلکہ اس کی تعلیم دیتے اور شرح کرتے رہتے۔ اور تزکیۂ نفس کے کام میں لگے رہتے یعنی اصلاح ظاہری و اصلاح باطنی دونوں میں۔

اس سے ملتا ہوا مضمون ایک دوسری آیت کا بھی ہے۔

هو الذی بعث فی الامیین | وہ اللہ وہی ہے جس نے امیوں کے درمیان
رسولا منهم یتلوا علیهم | ایک رسول بھیجا انہیں میں سے جو ان پر اللہ
آیاته ویزکیهم ویعلمهم | کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے۔ اور انہیں سنوارتا ہے
الکتاب والحکمة وان کانوا | اور انہیں تعلیم دیتا ہے کتاب اور حکمت کی۔
من قبل لفی ضلال مبین | اگرچہ وہ (لوگ) اس سے قبل صریح گمراہی میں
(الجمعۃ ع ۱) | پڑے ہوئے تھے۔

مشاغل روزانہ اور فرائض نبوی کا عکس اس آیت میں بھی نظر آجاتا ہے۔

کما ارسلنا فیکم رسولا | جیسا کہ ہم نے بھیجا تمہارے درمیان ایک رسول
منکم یتلوا علیکم آیاتنا ویزکیکم | تمہیں میں سے جو تمہیں پڑھ کر سناتا ہے ہماری
ویعلمکم الکتاب والحکمة | آیتیں اور تمہیں سنوارتا ہے اور تمہیں تعلیم
ویعلمکم مالم تکونوا تعلمون | دیتا ہے کتاب اور حکمت کی۔ اور وہ سکھاتا

(البقرۃ ع ۱۸) ہے وہ جو تم نہیں جانتے تھے۔

قرآن مجید کی تبلیغ و تعلیم کا تو ذکر مستقلاً آ ہی چکا۔ آیات قرآنی نے تصریح کر دی، کہ اس کے اور تزکیۂ نفوس کے علاوہ۔ آپ حکمت اور ایسی باتوں کی بھی تعلیم دیتے تھے جو اس وقت تک اُمت کے دائرہ علم میں نہ تھیں اور اس سے یہ صاف معلوم ہوگیا کہ آپ الفاظ قرآنی سے قطع نظر خود بھی تعلیم و تربیت فرمایا کرتے تھے اور نظری و عملی حیثیت سے وہ رہنمائی اپنی قوم کی کرتے۔ جو اب تک اس کے دماغ کی رسائی کے باہر تھی، اور آپ کی بعثت کی غرض و غایت تو بہت صاف ارشاد ہوگئی ہے۔

وما ارسلناك الا رحمة للعالمین (الانبیاء ع ۷) ہم نے آپ کو بھیجا ہی ہے رحمت بنا کر جہانوں کے لئے۔

یعنی آپ تو سبب رحمت ہی ہیں۔ کل جہاں والوں کے لئے۔

آپ کی اطاعت مخلوق پر واجب ہی نہیں۔ بلکہ مرادف ہے اطاعت الٰہی کے۔

ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ (النساء ع ۱۱) جس نے اطاعت کی رسول کی اس نے عین اطاعت کی اللہ کی۔

اور یہ جب ہی ممکن ہو جب آپ کا ہر خطا و لغزش سے معصوم و ماورا ہونا پہلے تسلیم کر لیا جائے۔ ورنہ غیر معصوم سے تو ہمیشہ احتمال رہے گا۔ کہ فلاں معاملہ میں اس سے لغزش مرضیات حق کی ترجمانی میں ہوگئی ہو اور اطاعت رسول کی تاکید کرنے والی آیتیں ایک نہیں متعدد ہیں۔ بعض بالواسطہ اور اکثر براہ راست۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

وما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنه فانتھوا (الحشر ع ۱) اور رسول جو کچھ تمھیں دیں وہ لے لو اور جس چیز سے وہ تمھیں روک دیں اس سے رک جاؤ۔

اور اس اخذ و منع میں رسولؐ کے سارے احکام مثبت و منفی آ گئے۔ ساتھ ہی کلی اور مجموعی طور پر یہ بھی بتا دیا گیا، کہ۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ — بیشک تمہارے لئے رسول اللہ کی ذات میں یک

اسوۃ حسنۃ (الاحزاب ع ۳) — اچھا نمونہ موجود ہے۔

اس لئے قدرۃً آپ کا ہر قول و عمل اُمت کے لئے واجب التقلید ہے، تا وقتیکہ اس کے خلاف کوئی تصریح نہ ہو۔

اب وہ آیتیں بھی ملاحظہ ہوں جن میں اطاعت رسول کا حکم براہ راست موجود ہے۔ اطاعت الٰہی پر عطف ہو کر سورۂ آل عمران ع ۴ میں ہے۔

قل اطیعوا اللہ والرسول — آپ کہہ دیجئے کہ اطاعت کرو۔ اللہ اور رسول کی

اور اسی سورت کے رکوع ۱۴ میں لفظ قل حذف کرکے ہے

واطیعوا اللہ والرسول — اور اطاعت کرو اللہ اور رسول کی۔

سورۃ النساء رکوع ۸ میں ہے۔

یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ — اے ایمان والو۔ اطاعت کرو اللہ کی اور

واطیعوا الرسول۔ — اطاعت کرو رسول کی۔

اسی کے متصل اطاعت اولوالامر کا بھی حکم ہے۔ لیکن معاً بعد یہ بھی ارشاد ہو گیا ہے کہ

فان تنازعتم فی شی فردوہ — اگر تمہارے آپس میں کسی معاملہ میں خلاف ہو جائے تو

الی اللہ والرسول۔ — حوالہ کر دیا اس امر کو اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف۔

خوب خیال کر لیا جائے۔ اپیل کی عدالت صرف بارگاہ خداوندی نہیں دربار رسولؐ بھی ہے۔ اور اس سے بڑھ کر کسی مخلوق کا اعزاز خالق کے یہاں کس طریقہ پر ظاہر

کیا جا سکتا ہے؟ ــــ اور اطاعت رسول والے وہی الفاظ جو کچھ منٹ قبل سورۃ النساء سے نقل کئے جا چکے ہیں۔ ایک بار پھر سورۂ محمدؐ رکوع ۴ میں دہرائے ہوئے ملتے ہیں۔

سورۂ المائدہ کے رکوع ۱۲ میں پہنچیے تو پھر یہی تاکید ملتی ہے۔

اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول — اطاعت کرتے رہو اللہ کی اور اطاعت کرتے رہو رسولؐ کی

اور انھیں الفاظ کی تکرار سورۃ التغابن کے رکوع ۲ میں واقع ہوئی ہے۔

سورۃ الانفال کھولیے تو اس کے شروع یعنی پہلے ہی رکوع میں یہ الفاظ نظر آتے ہیں

واطیعوا اللہ ورسولہ ان کنتم مومنین — اطاعت کرتے رہو اللہ اور اس کے رسول کی اگر تم ایمان والے ہو۔

اور سورۃ کے تیسرے رکوع کا آغاز ہی اس آیت سے ہوتا ہے۔

یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ ورسولہ۔ — اے ایمان والو۔ اطاعت کرتے رہو اللہ اور اس کے رسول کی۔

سورۃ میں تیسری بار پھر یہی حکم ملتا ہے اور رکوع ۶ میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں،

واطیعوا اللہ ورسولہ — اطاعت کرتے رہو اللہ اور اس کے رسول کی

اور انھیں الفاظ کا اعادہ سورۃ المجادلہ رکوع ۲ میں ہوا ہے۔ پھر سورۃ النور کے رکوع ۷ میں پہلے تو یہ ہے کہ

قل اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول۔ — آپ کہہ دیجئے کہ اطاعت کرو اللہ اور اطاعت کرو رسول کی۔

اور پھر اسی رکوع میں اور آگے بڑھ کر ہے کہ

واطیعوا الرسول لعلکم — اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر مہربانی

ترحمون | کی جائے۔

اتنی جگہ صریح حکم اطاعت رسول کا، صیغۂ امر میں اور وہ بھی اکثر اطاعت الٰہی پر عطف کر کے قطعاً کسی اور مخلوق کے حق میں وارد نہیں ہوا ہے۔ اور یہ نظائر تو حکم اطاعت بہ صیغۂ امر کے ہوئے۔ باقی دوسرے طریقوں سے اسی مفہوم کی جو تبلیغ و تلقین اور تاکید ہوئی ہے وہ بھی کچھ کم موثر اور پر زور نہیں۔

سورۃ النساء رکوع ۱۱ کی ایک آیت ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ کچھ دیر قبل نقل ہو چکی ہے اسی سورۃ کے رکوع ۹ میں انعام یافتہ بندوں کی معیت کے سلسلہ میں یہ آ چکا ہے کہ

ومن یطع اللہ ورسولہ | (یہ وہ ہیں) جو اطاعت کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی۔

اور اس سے بھی قبل اسی سورۃ کے رکوع ۲ میں جہاں اہل جنت کا ذکر ہو وہاں بھی ٹھیک یہی الفاظ موجود ہیں ـــــ اور آیت کا یہی ٹکڑا لوٹ لوٹ کر سورۃ النور رکوع ۷ اور سورۃ الاحزاب رکوع ۹ اور سورۃ الفتح رکوع ۲ میں بھی آیا ہے۔

حکم کی یہ سب تاکیدیں لفظ اطاعت کی صراحت کے ساتھ تھیں۔ ایک جگہ مصدر اتباع آیا ہے۔ وہ بھی اس شان کے ساتھ اتباع رسولؐ کو عین زینہ اللہ کے ہاں محبوبیت کا قرار دے دیا ہے۔

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ (آل عمران ع ۴) | آپ کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو۔ اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا۔

اور اس مثبت و ایجابی پہلو کے علاوہ یہی مضمون متعدد منفی اور سلبی پہلوؤں سے بھی قرآن مجید میں آیا ہے۔ مثلاً

ومن یعص اللہ ورسولہ	اور جو نافرمانی کریگا اللہ اور اس کے رسول کی،
اور من یحادد اللہ ورسولہ	اور جو کوئی عداوت رکھے گا اللہ اور اسکے رسول سے
اور من یشاقق الرسول	اور جو کوئی دکھ پہنچائے گا رسول کو
اور ان الذین یحادون اللہ و رسولہ	اور جو لوگ دشمنی رکھتے ہیں اللہ اور اسکے رسول سے۔

اور اسی قبیل کی دوسری آیتیں اور وہ آیتیں جن میں ذکر رسول سے نافرمانی کرنے یا معصیت الرسول کا آیا ہے۔ اگر یہ سب استدلال و استشہاد کی غرض سے نقل ہونے لگیں تو یہ محدود وقت گنجایش رکھنے والے پکچر اپنے حدود سے بڑھ اور بہت بڑھ جائیں۔ اس لئے سامعین کو اس خاص سلسلہ میں قناعت اتنے ہی پر کرنا ہوگی۔

لیکن ابھی دو چار نہیں بیسیوں آیتیں اور ہیں جن میں رسولؐ کے فرائض اور فضائل اور خصائص تینوں کا بیان موجود ہے۔ ان سب سے قطع نظر کیونکر ممکن ہے؟ اور اگر انہیں چھوڑ دیا جائے تو سیرۃ نبوی کا قرآنی خاکہ بالکل ہی ناتمام رہ جائے گا اور اتنی اختصار پسندی اصل موضوع کے ساتھ ایک طرح کی خیانت ہی ہوگی۔

رسولؐ کے فرائض کا جہاں تک تعلق ہے (اور ضمناً فضائل بھی اس میں آگئے) یہ آیت اس باب میں بہت صاف واضح ہے۔

انا ارسلناك شاهداً ومبشراً ونذيراً وداعياً الى الله باذنه و	اے پیغمبرؐ ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور خوشخبری سنانے والا اور خبردار کرنے والا

سراجًا مُنیرًا　　　　اور اللہ کی طرف اسی کے حکم سے بلانے والا

(الاحزاب ع ۶)　　　　اور ایک روشن چراغ بناکر بھیجا ہے۔

شاھد کی تفسیر یہ ہے کہ آپؐ سب پر گواہی دیں گے اور اس صفت کا ظہور حشر میں ہوگا۔ مبشر و نذیر کے معنی صاف ہیں۔ اچھوں کو صلۂ نیک کی خوشخبری سنانے والے۔ اور بدوں کو ان کے انجام سے ڈرانے والے۔ اور اللہ کی طرف اسی کے حکم و رضا سے۔ دعوت دینے والے اور ایک روشن چراغ یعنی نمونہ ہدایت، کہ آپ ہی کے چراغ سے خدا معلوم کتنے اولیا و صادقین کے چراغ آج تک روشن ہو چکے ہیں۔ اور آیندہ بھی روشن ہوتے رہیں گے۔ اور یہ مضمون قرآن میں جا بجا آیا ہے اور اسی سراج منیر کی آیت سے استنباط کرکے جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ قرآن میں جہاں یہ کہا گیا ہے کہ

قد جاءکم من اللہ نور و　　　　لوگو تمھارے پاس آگیا ہے اللہ کے یہاں سے

کتاب مبین۔ (المائدہ ع ۳)　　　　ایک نور (اور) ایک کتاب واضح بھی۔

وہاں نور سے اشارہ ذات رسالت کی جانب ہے تو انھوں نے کچھ بے جا تفسیر و تاویل نہیں کی ہے۔

آپؐ کے فضائل کی ایک جامع سورت سورۃ الانشراح ہے جہاں یہ ارشاد ہو گیا ہے کہ

الم نشرح لک صدرک　　　　کیا ہم نے آپ کا سینہ نہیں کھول دیا ہے

ووضعنا عنک وزرک الذی　　　　اور آپ سے آپ کا وہ بار اتار دیا جو آپ کی

انقض ظھرک　　　　پشت توڑے دیتا تھا۔

یعنی آپ کا شرح صدر کرکے آپ کے قلب و روح کو علوم و معارف ربانی سے بھر دیا۔ اور ہدایت خلق کی فکر میں جو آپ گھلے جا رہے تھے۔ اس بار کو آپ کے لئے ہلکا کر دیا۔

اس سے آپ کی اس عادت مبارک پر بھی روشنی خود بخود پڑ گئی کہ ہدایت خلق کی فکر آپ کو کتنی مشقت و تعب میں ڈالے ہوئے تھی۔ اور اس کے معاً بعد یہ مژدہ بھی ہے کہ

ورفعنالک ذکرک — ہم نے آپ کے لئے آپ کا آوازہ بلند کر دیا۔

آج دنیا میں کون بشر ہے۔ جو پیمبر اسلام کے آوازہ کی بلندی میں کلام کر سکتا ہے؟ کوئی شخص کسی بھی عقیدہ اور مذہب کا ہو آخر آج اس سے کیسے انکار کر سکتا ہے کہ دنیا کی بشری آبادی میں صرف ایک ہی ذات ایسی ہے۔ جس کا نام خدائے واحد کے نام کے ساتھ ساتھ۔ دنیا کے ایک ایک گوشہ سے ہر روز پانچ پانچ مرتبہ پکارا جاتا ہے

اور اس دلسوزی اور پشت توڑ دینے والی ہمدردی نوع انسانی کا بیان اسی آیت تک محدود نہیں۔ دوسری آیتوں میں اس جذبۂ رفاہ خلق کی تصریح در تصریح موجود ہے۔ چنانچہ ایک جگہ ہے کہ منکروں کے فلاں فلاں قول سے۔

وضائق به صدرك (ہود) — آپ کا سینہ تنگ ہوا جاتا ہے

ایک جگہ اس سے بھی زیادہ ناشن دہ ملا ہے۔ مسیحیوں کی شدید گمراہی اور مسیح پرستی کے شرک کے سیاق میں۔

فلعلك باخع نفسك على آثارهم ان لم یومنوا بهذا — تو شاید آپ ان کے پیچھے اگر یہ لوگ اس مضمون پر ایمان نہ لائے تو غم سے اپنی جان دے

الحدیث اسفا (الکھف ع ۱) دیں گے۔

یہ غمگینی اور دلسوزی جب غیروں کے واسطے تھی۔ تو اپنی اُمت کے حق میں اس کا جو درجہ ہوگا، ظاہر ہی ہے ـــ دوسری جگہ بھی منکروں ہی کے سلسلۂ بیان میں ہے۔

لعلك باخع نفسك الا یکونوا | شاید ان کے ایمان نہ لانے پر آپ اپنی جان
مومنین (الشعراء ع ۱) | ہی دے دیں گے۔

جو عالم انسانی کے لئے ایسے ہی غم جانگداز میں گھلتا رہتا ہو۔ حقیقتہً اسی کو حق بھی سارے عالم کی پیمبری اور انبیاء و مرسلین کی سرداری کا ہے۔

اور جب مقتدائی میں آپ کا یہ مرتبہ تھا، جبھی تو یہ قرار پایا کہ اللہ کے یہاں مقبول محمود و محبوب ہونے کا نسخہ یہ ہے کہ اس کامل ہستی کے نقش قدم پر چلا جائے۔

خود آپ کی زبان سے اعلان کرایا گیا۔

قل ان کنتم تحبون اللہ | آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمھیں اللہ سے محبت ہے تو
فاتبعونی یحبیکم اللہ (آل عمران ع ۴) | بس میری راہ پر چلو۔ اللہ تم سے محبت رکھنے لگے گا

رسولؐ کے فرائض میں نمایاں طور پر یہ بات داخل تھی کہ آسمانی کتابوں کو ماننے والی پرانی قومیں اپنے ہاتھوں تقلید انسانی اور اوہام پرستی کے جن جنجالوں میں مبتلا تھیں انھیں ان قیدوں اور سختیوں سے نجات دلائیں اور انھیں دین کا سیدھا، ہموار، راستہ دکھائیں۔

چنانچہ ارشاد ہوا ہے کہ یہ پیمبر جن کا مذکور توریت و انجیل میں آچکا ہے۔

یامرھم بالمعروف وینھاھم | انھیں نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں اور بُری
عن المنکر ویحل لھم الطیبات و | باتوں سے منع فرماتے ہیں، اور پاکیزہ چیزوں کو
یحرم علیھم الخبائث ویضع عنھم | ان کے لئے حلال بتاتے ہیں۔ اور گندی چیزوں

اصرھم والاغلال التی کانت علیھم (الاعراف ع ۱۹)
کوان پر حرام فرماتے ہیں۔ اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے۔ اُن کو ان سے دور کرتے ہیں

اور اتنا ہی نہیں۔ بلکہ اہل کتاب کے مقتداؤں نے تحریفات و تلبیسات و تصرفات کا انبار جو اپنی آسمانی کتابوں میں لگا دیا تھا۔ اسے بھی یہ صاف کرتے ہیں۔ اور ان مجرموں کی بہت سی باتوں سے درگزر بھی کر جاتے ہیں۔ ارشاد اہل کتاب کو مخاطب کرکے ہوتا ہے۔

یا اھل الکتاب قد جاءکم رسولنا یبین لکم کثیرًا مما کنتم تخفون من الکتاب ویعفو عن کثیر۔ (المائدہ ع ۳)
اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارے یہ رسول آگئے ہیں۔ کتاب میں سے جن امور کو تم چھپاتے رہے ہو۔ ان میں سے بہت سی باتوں کو تمہارے سامنے کھول دیتے ہیں اور (تمہاری) بہت سی باتوں سے چشم پوشی بھی کر جاتے ہیں۔

آپ کی راہ میں مشکلات اتنی حائل ہو گئی تھیں۔ اور تبلیغ رسالت کے لئے موانع اتنے سخت پیش آگئے تھے کہ ان حالات میں ثابت قدم رہ جانا معمولی ہمت والے انسان کا کام نہ تھا۔ آپؐ کو استقامت اور ثبات قلب و ثبات قدم کی طاقت بھی اسی لئے غیر معمولی عنایت کی گئی۔

ولولا ان ثبتناك لقد كدت تركن اليهم شيئًا قليلًا۔ (بنی اسرائیل ع ۸)
اور اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو قریب تھا کہ آپ کچھ تو ان لوگوں کی طرف جھک جاتے۔

یہ بیان فطرت بشری کا ہوا۔ بشریت کا عین مقتضا یہ تھا کہ آپ ان منکرین

سے کسی قدر کوئی صورت مصالحت و مفاہمت کی نکالتے۔ لیکن امداد غیبی آڑے آئی اور اس نے درجہ ادنیٰ میں بھی آپؐ کو اپنی جگہ سے جنبش نہ ہونے دی۔

منکرین معاندین کے شدید مخالفانہ ردِ تیہ سے آپ کو اذیت قلب محسوس ہونا ایک قدرتی بات تھی۔ اس پر آپ کو علانیہ تسکین دی گئی۔ کہ یہ کوئی آپ کی ذاتی حیثیت سے تکذیب تھوڑے ہی ہوئی۔ یہ تکذیب تو ہین آیات و دلائل الٰہی اور آپ کے پیام کی ہے۔ تو آپ اس سے اپنی ذات پر اتنا اثر کیوں لیں۔

قد نعلم انه لیحزنك الذی	ہم خوب جانتے ہیں کہ ان کی یہ باتیں آپ
یقولون فانهم لا یکذبونك ولکن	کو رنج دلاتی ہیں لیکن یہ لوگ تکذیب آپ کی
الظالمین بآیات الله یجحدون	نہیں کرتے۔ بلکہ آیات الٰہی کے منکر ہٹ دھرمی
(الانعام ع ۴)	سے ہو رہے ہیں۔

ورنہ ذاتی حیثیت سے تو آپ کی سیرت اتنی ممتاز اور آپ کا پایۂ اخلاق اتنا بلند تھا کہ بڑے بڑے منکروں معاندوں کو بھی گرفت کی گنجائش نہ تھی۔ آپ کی زندگی اتنی بے لوث بے داغ رہی تھی۔ کہ خود اسی کو حجت بنا کر منکروں کے سامنے پیش کیا گیا اور ان سے سوال کرایا گیا۔ کہ میں تو تمھارے ہی اندر رہا سہا ہوں۔ تمھارے ہی اندر اتنی عمر گذاری ہے تمھیں بتاؤ کہ اس سے قبل تمھیں کوئی بدگمانی کا موقع ملا ہے؟

فقد لبثت فیکم عمرًا من	میں تمہارے ہی درمیان اس (دعویٰ نبوت)
قبله افلا تعقلون ۔	سے قبل ایک عمر گزار چکا ہوں سو تم لوگ کیوں
(یونس ع ۲)	عقل سے کام نہیں لیتے؟

اور یہ بھی کہلایا گیا ہے کہ اگر میں ارادۃً غلط بیانی سے کام نہیں لے رہا ہوں۔

تو تمھاری تشخیص کے مطابق لازمی ہے کہ مجھے کوئی دماغی بیماری ہو اکہ اس میں پڑکر میں اس وہم میں مبتلا ہو گیا ہوں۔ تو اس مفروضہ کو بھی تم اپنی علم و دانشمندی کی کسوٹی پر کس کے دیکھ لو۔

قل انما اعظکم بواحدۃ ان تقوموا للہ مثنیٰ وفرادیٰ ثم تتفکروا ما بصاحبکم من جنۃ (السبا ع ۶)	آپ کہدیجئے کہ تم اللہ کے واسطے کھڑے ہو جاؤ دو دو ایک ایک، پھر سوچو کہ تمھارے (ان) ساتھی کو کہیں جنون تو نہیں ہے۔

اور پھر اسی کو مختصراً دہرایا گیا ہے۔

اولم یتفکروا ما بصاحبھم من جنۃ۔ (الاعراف ع ۲۳)	یہ لوگ کیوں نہیں سوچتے ان کے ساتھی کو کوئی شائبہ جنون کا تو ہے نہیں۔

پھر لے دے کے ایک احتمال یہ ہو سکتا تھا کہ شاید کوئی طمع دنیوی آپ کو اس منزل پر لائی ہو۔ قرآن مجید نے اس احتمال کی بھی جڑ کاٹ دی۔

قل ما سالتکم من اجر فھو لکم ان اجری الا علی اللہ (السبا۔ ع ۶)	آپ کہدیجئے کہ اگر میں نے (اس تبلیغ رسالت) کا کوئی معاوضہ مانگا ہو تو بس وہ تمھارا ہی رہا میرا معاوضہ تو بس اللہ ہی کے ذمہ ہے۔

اور اسی کے ہم مضمون فقرے حضرت نوحؑ۔ حضرت شعیبؑ۔ حضرت لوطؑ وغیرہم کی زبان سے ادا کر کے رسول اللہ صلعم کے اس جواب کو اور زیادہ قوی و موکد کر دیا ہے۔

قرآن مجید نے آپ کو اعزاز و احترام کے جس مرتبہ پر رکھنا چاہا ہے وہ اس سے ظاہر ہے کہ اس کلام مبین میں قسم آپ کی عمر کی دلائی گئی ہے۔ قوم لوط کی بدکرداریوں اور بدمستیوں کے سلسلہ میں ہے کہ:۔

لعمرك انهم لفی سکرتهم یعمھون (الحجر ع ۵) قسم ہو آپ کی جان کی وہ لوگ اپنی مستی میں مدہوش تھے۔

اور قسم کا استعمال اگر عربی میں شہادت کے مفہوم میں ہوتا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ حضور کی ساری زندگی کو صداقت کی نظیر کے طور پر پیش کیا گیا ہے اور آپ کی مرتبت عالی پر روشنی اس حقیقت سے بھی کچھ نہ کچھ پڑجاتی ہے کہ جہاں اور ہم منصب حضرات کا ذکر صیغۂ ندا میں نام کے ساتھ آیا ہے یا آدم، یا ابراہیم یا موسیٰ یا داؤد وغیرہم۔ وہاں آپ کا ذکر قرآن مجید بھر میں مخاطبت کے وقت نام کے ساتھ نہیں، بلکہ صفات کمال وجمال میں سے کسی نہ کسی صفت ہی کے ساتھ آیا ہے۔ مثلاً یاایھا النبی یا ایھا الرسول یا ایھا المزمل یا ایھا المدثر وغیرہ۔ اور صیغۂ غائب میں مطلق لفظ عبد سے اشارہ آپ ہی کی ذات کی طرف کیا گیا ہے۔ جس کے کھلے ہوئے معنی یہ ہوئے کہ عبدیت اپنی کامل ترین یا اکمل صورت میں جلوہ گر آپ ہی کی ذات میں ہوئی ہے۔

اسی قسم ہی کے سلسلہ میں یہ بات بھی سن رکھنے کی ہے کہ قرآن مجید میں قسم ایک شہر کی بھی مذکور ہے۔

(۲) لا اقسم بھذا البلد (البلد) میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی۔

لیکن معًا بعد تو رسولؐ کو مخاطب کرکے ہے۔

وانت حل بھذا البلد اور آپ اس شہر میں اترے ہوئے ہیں۔

یا کہ آپ کے لئے اس شہر میں لڑائی حلال ہونے والی ہے۔

ان دونوں تفسیروں میں سے جو بھی اختیار کی جائے۔ بہرحال اتنا جزو بات

ہے کہ اس مکان کو جو شرف و عظمت حاصل ہے وہ اس مکین کی نسبت سے ہے۔ آپ اس شہر میں مقیم فرض کئے جائیں۔ یا آپ کے لئے اس حرم محترم میں جنگ جائز ہو رہی ہو۔ ہر صورت میں آپ کی نسبت ہی باعث احترام ہوئی۔

مشہور واقعۂ معراج کی تفصیلی کیفیات جو کچھ بھی ہوں۔ بہرحال قرآن مجید اس کی گواہی تو دے ہی رہا ہے کہ وہ ایک واقعہ عظیم و نادر تھا۔ جس سے آپؐ کی یکتائی ظاہر ہو رہی ہے۔

سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ	وہ پاک ذات ہے جو اپنے بندہ کو لے گیا
لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد	راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس
الاقصیٰ الذی بارکنا حولہ لنریہ	کے گرد اگرد ہم نے برکتیں رکھدی ہیں۔ تاکہ
من اٰیاتنا۔ (بنی اسرائیل ع ۱)	ہم انہیں اپنے کچھ نشانات دکھا دیں۔

اور اسی طرح دوسری جگہ رسولؐ کی جس سیر آسمانی کا ذکر گیا ہے اور جس طرح آپ کی روحانیت کے مرتبے دکھائے گئے ہیں۔ وہ آپ کو نہ صرف عام نوع بشری میں بلکہ صف انبیاء و مرسلین میں بھی کتنا ممتاز کرنے والا ہے۔

ماضل صاحبکم وما غوٰی	یہ تمہارے ساتھی (اس عالم میں کبھی) نہ راہ سے
(النجم ع ۱)	بھٹکے نہ غلط راستہ پر پڑ لئے۔

بلکہ آپ کا مرتبہ تو یہ ہے کہ آپؐ جو چیزیں پیش کر رہے ہیں وہ کوئی بھی اپنی خواہش نفس سے نہیں بلکہ وحی الٰہی ہی کے ماتحت ہیں۔

وما ینطق عن الھویٰ ان ھو	اور آپ اپنی خواہش نفس سے باتیں نہیں
الا وحی یوحیٰ	بناتے۔ بلکہ ان کا ارشاد وحی ہی ہوتا ہے۔ جو

ان کی طرف کی جاتی ہے۔

اور اس خاص موقع پر۔

فاوحی الی عبدہ ما اوحیٰ	اللہ نے اپنے بندہ پر وحی نازل فرمائی جو کچھ نازل
ماکذب الفواد ما رایٰ۔	فرمانا تھی اور آپ کے قلب نے کوئی غلطی نہیں کی
	ہوئی چیز میں نہیں کی۔

اور ملائکہ نورانی کی دید اور دوسرے تجلیات ربانی کے مشاہدہ کی جن منزلوں سے اور جس طرح گزرے۔ اس کی روداد بھی اجمالی سہی لیکن بڑی پختگی کے ساتھ قرآن کے صفحات میں محفوظ ہے۔

ولقد راٰہ نزلۃ اخریٰ عند	اور ان پیمبر نے اس فرشتہ کو ایک بار اور بھی دیکھا ہے۔
سدرۃ المنتہیٰ ... اذ یغشی	سدرۃ المنتہیٰ کے قریب ... جبکہ سدرۃ المنتہیٰ کو لپیٹ
السدرۃ ما یغشیٰ مازاغ البصر	رہی تھیں جو چیزیں کہ لپیٹ رہی تھیں (ان پیمبر کی) نگاہ
وما طغیٰ لقد رایٰ من ایات ربہ	ہٹی نہ بڑھی۔ انھوں نے اپنے پروردگار کے نشانے
الکبریٰ (النجم ع ۱)	بڑے عجائبات دیکھ لئے۔

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ وحی کا آنا کسی حکمت و مصلحت سے۔ کچھ روز کے لئے بند ہو گیا اور اس پر معاندین کو خوب شادیانے بجانے کا موقع مل گیا۔ ان کے خیالات خام کے رد و ابطال میں رسولؐ ہی کو مخاطب کرکے ارشاد ہوا ہے۔

ما ودعک ربک وما قلیٰ	آپ کو آپ کے پروردگار نے نہ چھوڑا اور نہ
(الضحیٰ)	بیزار ہوا۔

اور دست برداری و بیزاری کا کیا ذکر ہے۔ آپ کا مستقبل آپ کے

ماضی سے آپ کا انجام آپ کے آغاز سے بھی کہیں زیادہ عالی شان و تابدار رکھ دیا گیا ہے۔

وللآخرۃ خیر لک من الاولیٰ (ایضاً) — آخرت آپ کے لئے دنیا سے کہیں بہتر ہے

اتنا ہی نہیں، آپ کی رضا خود آپ کے خالق کو کس درجہ مدنظر ہے۔

ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ (ایضاً) — عنقریب اللہ آپ کو اتنا کچھ دے گا کہ آپ اس سے خوش ہو جائیں گے۔

اور اس عطا اور بخشش ہی کے سلسلہ میں: وہ لفظاً چھوٹی اور معناً بڑی آیت بھی پڑھ لینے کے قابل ہے۔

انا اعطینٰک الکوثر (الکوثر) — بیشک ہم نے آپ کو عطا کر دی کوثر

اور اب کوثر کو خواہ جنت کی حوض و نہر کے معنی میں لیا جائے۔ خواہ خیر کثیر کا مرادف سمجھا جائے یہ ہے وہ بشارت عظیم، جو آپؐ کے سوا مخلوق میں اور کسی کو بھی نہیں ملی۔

اور اسی معنی کی تائید، تاکید و تقویت میں یہ آیت بھی ہے۔

وان لک لاجراً غیر ممنون (القلم ع ۱) — اور آپ کے لئے بیشک ہے اجر غیر منقطع۔

قرآن کی زبان جس اجر کو غیر منقطع بتائے اس کی حد و نہایت کا کون حساب لگا سکتا ہے۔

ایک جگہ قرآن نے آپ کے ایک ایسے وصف جامع کا ذکر کر دیا ہے جس کے

اندر سارے ہی اوصاف آسکتے اور آجاتے ہیں — اور اس کی شرح و تفصیل جتنی بھی کی جاسکے۔ وہ وصف اتنا جامع ہے کہ اس پر کسی اضافہ کا امکان نہیں ارشاد ہوا ہے کہ :-

انك لعلیٰ خلق عظیم (القلم ع ۱)	اے پیمبر آپ اخلاق کے عظیم پیمانہ پر ہیں۔

خلق صیغۂ جمع میں ہے اور اس کے اندر اخلاق حسنہ کے سارے ہی اصناف وافراد آگئے۔ پھر جب قرآن نے جو مبالغہ کی زبان سے ناآشنائے محض ہے اس کے ساتھ صفت عظیم کی لگادی۔ تو اب یہ صفت اس وسعت و بلندی کو پہنچ گئی جو بندوں کے ادراک کی رسائی کی منتہا ہے۔

کہیں کہیں قرآن اخلاق حسنہ کی اس جامعیت کی کچھ تفصیل و تصریح کرتا گیا ہے مثلاً ایک جگہ ناموافق ماحول کے سیاق میں ہے :

فبما رحمة من الله لنت لهم ولو كنت فظاً غليظ القلب لا انفضوا من حولك فاعف عنهم واستغفر لهم (آل عمران ع ۱۷)	اللہ کی رحمت ہی ہے کہ آپ ان لوگوں کے حق میں نرم رہے اور اگر آپ کہیں تندخو سخت طبیعت والے ہوتے تو یہ آپ کے پاس سے سب منتشر ہوجاتے سو آپ ان کو معاف کردیجئے اور ان کے لئے استغفار کردیجئے۔

اس سے ہر قسم کی سخت مزاجی کی نفی اور نرم خوئی کا اثبات پوری طرح ہوگیا اور کہیں یہ ارشاد ہوا ہے کہ اللہ کے ہاں سے جو باتیں آپ کو معلوم ہوتی رہتی ہیں ان کو پھیلانے بتلانے میں آپ ذرا بھی بخل کو کام میں نہیں لاتے۔

وماھو علی الغیب بضنین (التکویر) — اور یہ رسول غیب کے بتانے میں ذرا بھی بخیل نہیں۔

تحریک شفقت کی نہیں۔ افراط شفقت و دلسوزی سے آپ کو منع کرنے کی ضرورت تھی۔

فلا تذھب نفسک علیھم حسرات (الفاطر ع ۲) — ان لوگوں کے حال پر غم کر کے کہیں آپ جان نہ دے بیٹھیں۔

عبادات خصوصاً عبادات شبینہ کے آپ بہت عادی تھے۔

ان ربک یعلم انک تقوم ادنیٰ من ثلثی اللیل ونصفہ وثلثہ (المزمل ع ۲) — آپ کے پروردگار کو اس کا علم ہے کہ آپ رات کی دو تہائی کے قریب اور آدھی آدھی رات اور تہائی رات کھڑے رہتے ہیں۔

ان مجاہدات شاقہ سے قرآن مجید کو آپ کو روکنے کی ضرورت پڑی اور غایت شفقت و کرم سے ارشاد ہوا۔

وما انزلنا علیک القرآن لتشقیٰ (طٰہٰ ع ۱) — ہم نے یہ قرآن آپ پر اس لئے نہیں اُتارا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں۔

معاندین کی مسلسل شرارتوں پر تسکین آپ کو باربار دی گئی ہے اور ایک جگہ یہ ارشاد ہوا ہے کہ آپ قابل ملامت قابل الزام کسی طرح بھی نہیں۔

فتول عنھم فما انت بملوم (الذاریات ع ۳) — آپ لوگوں کی طرف التفات نہ کیجئے اور آپ پر کوئی ملامت نہیں۔

اور ایک جگہ تسلی کے لئے شفقت خاصہ اور عنایت خصوصی کے الفاظ یوں

وار ہوئے ہیں کہ آپ تو ہماری نظروں کے سامنے ہیں۔

واصبر لحکم ربک فانک	آپ اپنے پروردگار کی تجویز پر صبر کیے رہیے
باعیننا (الطور ع ۲)	آپ تو خاص ہماری حفاظت میں ہیں۔

منکرین و معاندین کے پاس بڑا حربہ طنز و استہزاء کا تھا قرآن مجید نے تسکین اس پہلو سے بھی دی۔

انا کفیناک المستھزئین (الحجر ع ۶)	(ان) استہزا کرنے والوں سے ہم آپ کے لئے کافی ہیں۔

اس سے نفس استہزاء کا وجود تو ثابت ہی ہو گیا۔

مخالفین و معاندین کثرت سے تھے۔ جیسا کہ قرآن مجید کے متعدد اشاروں سے معلوم ہوتا ہے۔ تصریح کے ساتھ ذکر ابولہب کا اور اس کی بیوی کا آتا ہے۔ ابولہب کا نام تاریخ میں عبد العزیٰ آیا ہے۔ اور سیرت کی کتابوں میں آیا ہے کہ وہ علاوہ آپ کا عزیز قریب یعنی چچا ہونے کے پڑوسی بھی تھا۔ یہ خود اور اس کی بیوی جو اموی خاندان کی تھی۔ دونوں اذیت رسانی میں بہت بڑھے ہوئے تھے اور پڑوس کی بنا پر انھیں اس کے موقعے بھی زیادہ تھے۔ قرآن مجید نے اس الد الخصام کے تذکرہ میں کہا ہے۔

تبت یدا ابی لھب وتب ما اغنیٰ عنہ مالہ وما کسب۔ (لھب)	ٹوٹ گئے دونوں ہاتھ ابولہب کے (یعنی اس کی ساری کوششیں اور تدبیریں ضائع گئیں) اور وہ ہلاک ہو گیا۔ کچھ کام اس کے نہ آیا نہ اس کا مال اور اس کی کمائی۔

بڑا غرّہ معلوم ہوتا ہے اسے اپنے مال و دولت پر تھا ـــ اور جو انجام اس کا ہوا۔ ایسا ہی کہنا چاہیئے کہ دشمنان رسول کے جتنے سرخیل تھے سب کا ہوا۔ پیش خبری واضح لفظوں میں کر بھی دی گئی تھی۔

ان شانئك هو الا بتر	جو آپ کا دشمن ہے بیشک وہی بے نام ونشان
(الکوثر)	(رہ جانے والا) ہے۔

اور زیادہ عام اور وسیع الفاظ یہ آئے ہیں۔

والذین یوذون رسول اللّٰه	جو لوگ رسول اللہ کو اذیت پہنچاتے رہتے ہیں
لهم عذاب الیم (التوبہ ع ۸)	ان کے لئے عذاب دردناک ہے۔

آپ صرف رسول ہی نہ تھے یعنی سلسلۂ انبیاء میں سے ایک بلکہ اس سلسلہ کے خاتم اور آخری نبی بھی تھے۔ آپ کے نام کی تصریح کے ساتھ آیا ہے کہ

ولکن رسول اللّٰه وخاتم النبیین	محمد اللہ کے رسول ہیں اور انبیاء کے خاتم (بھی)
(الاحزاب ع ۵)	

آپ کی اگلی اور پچھلی تقصیریں اگر کچھ تھیں سب معاف ہو چکی تھیں۔

لیغفر لك اللّٰه ما تقدم من	تاکہ اللہ آپ کے وہ گناہ جو پہلے ہوئے اور جو
ذنبك وما تأخر (الفتح ع ۱)	پیچھے ہوئے، وہ سب بخش دے۔

اور یہ بات اپنی جگہ دلائل سے ثابت ہو چکی ہے کہ پیمبروں کے سلسلہ میں جب ذنب وعصیان کا استعمال ہوگا تو وہ انھیں کی شان ومرتبہ کے مطابق ہوگا۔ عام بشری معیار سے الگ۔ آپ کا استغفار، مومنین صادقین تو الگ رہے۔ ظالموں فاسقوں تک کے حق میں مقبول ومؤثر تھا۔

ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاؤك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا رحیما (النساء ع ۹)	اور اے پیمبر جب ان لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ اگر آپ کے پاس آجاتے پھر اللہ سے استغفار کرتے اور رسول بھی ان کے حق میں استغفار کرتے تو یہ ضرور پاتے اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان

دنیا میں رسولؐ کی موجودگی نزول عذاب الہٰی سے روک بنی ہوئی تھی صاف ارشاد ہوا ہے۔

وما كان الله ليعذ بهم وانت فيهم (الانفال ع ۴)	اور اللہ ایسا نہ کرے گا کہ آپ ان کے درمیان موجود ہوں اور وہ (اس حال میں) انھیں عذاب دے۔

رسولؐ سے بیعت اللہ سے بیعت کے مراد ف تھی۔

ان الذین یبایعونك انما یبایعون الله (الفتح ع ۱)	بیشک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ (درحقیقت) اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔

ایمان کا معیار ہی یہ رکھدیا گیا ہے کہ معاملات میں حَکَم پیمبر کو بنایا جائے اور ان کے ہر فیصلہ کو بلا کراہت قبول کر لیا جائے۔

فلا وربك لا یومنون حتیٰ یحکموك فی ما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما (النساء ع ۹)	تو قسم ہو آپ کے پروردگار کی کہ انھیں ایمان نصیب نہ ہوگا جب تک یہ نہ ہو لے کہ ان کے آپس میں جو جھگڑا واقع ہو اس میں یہ لوگ فیصلہ آپ سے کرائیں اور آپ کے فیصلہ سے اپنے دلوں میں تنگی (بھی) نہ پائیں اور اسے پوری طرح تسلیم کریں

اور اس کی تصریح بار بار آئی ہے کہ آپؐ خصوصی فضل و رحمت الٰہی کے مورد تھے۔ مثلاً

وعلمك مالم تكن تعلم وكان فضل الله عليك عظيما (النساء ع ۱۷)	اللہ نے آپ کو وہ سکھا دیا جو آپ نہیں جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا بڑا فضل رہا ہے۔

یا اور اسی طرح براہ راست۔

ان فضله كان عليك كبيرا (بنی اسرائیل ع ۱۰)	بیشک آپ پر اللہ کا فضل بڑا ہے۔

یا پھر اسی طرح بالواسطہ۔

وما كنت ترجوا ان يلقى اليك الكتاب الا رحمة من ربك (القصص ع ۹)	اور آپ کو تو یہ امید ہی نہ تھی کہ آپ پر یہ کتاب نازل ہوگی لیکن آپ کے پروردگار کی رحمت سے اس کا نزول ہوا۔

ایسے سرورِ سردار کی خانگی اور اجتماعی دونوں زندگیوں کے لئے کچھ خصوصی آداب بھی مقرر ہوتے تھے۔ چنانچہ یہ ہے۔ مثلاً ایک ادب یہ تھا۔ کہ آپ کو اگر پکارا جائے۔ تو اس طرح نہیں جیسے لوگ ایک دوسرے کو پکارا کرتے ہیں۔

ولا تجعلوا دعاء الرسول بينكم كدعاء بعضكم بعضا (النور ع ۹)	(لوگو) اپنے درمیان رسول کو اس طرح نہ پکارا کرو جیسے تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔

آپ کی محفل سے بلا اجازت اٹھ جانا ممنوع ہوا۔

واذا كانوا معه على امر جامع لم يذهبوا حتى يستاذنوه	(مومنین) رسول کے پاس کسی ایسے کام پر ہوتے ہیں جس کے لئے مجمع کیا گیا ہو۔ تو جب تک آپ

سے اجازت نہ لے لیں نہیں جاتے۔ (النور ع ۹)

آپ کا حق مومنین پر ان کی جانوں سے بھی بڑھ کر ہے۔

النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم (الاحزاب ع ۱) — نبی مومنین کے ساتھ خود ان کے نفس سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں۔

اتنا ہی نہیں بلکہ آپ کی ازواج مطہرات اُمت کی مائیں ہیں۔

وازواجہ اُمھاتھم — اور نبی کی بیبیاں مومنین کی مائیں ہیں۔

(الاحزاب ع ۱)

اور جب یہ ہوا تو اس اصل کی ایک فرع قدرۃً یہ نکلی کہ ان ماؤں کے ساتھ اُمت کے کسی فرد کا نکاح ہمیشہ کے لئے ممنوع قرار پا گیا۔

ولا ان تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابداً (الاحزاب ع) — مسلمانوں تمہارے لئے جائز نہیں کہ تم آپ کے بعد آپ کی بیبیوں سے کبھی بھی نکاح کرو

یہ بیبیاں عام عورتوں سے ایک ممتاز و بلند حیثیت رکھتی تھیں۔

یانساء النبی لستن کاحد من النساء ان اتقیتن — اے نبی کی بیویو، تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر تم تقویٰ اختیار کئے ہو۔

(الاحزاب ع ۴)

ان بی بی صاحبوں سے کوئی چیز مانگنا ہو تو اُمت کو ہدایت تھی کہ پردہ کے باہر سے مانگا کریں۔

واذا سالتموھن متاعاً فسئلوھن من وراء حجاب (الاحزاب ع) — اور جب تم کو ان بیبیوں سے کوئی چیز مانگنا ہو تو پردہ کی آڑ سے مانگو۔

پیمبر کے گھر میں بے محابا. بلا اجازت چلے آنا، جائز نہ تھا۔

یا ایھا الذین آمنوا لاتدخلوا	اے مومنو، پیمبر کے گھروں میں نہ داخل ہو جایا
بیوت النبی الا ان یوذن لکم	کرو، سوا اس کے کہ تمھیں اس کی اجازت دے
(ایضاً)	دی جائے۔

یہ بھی اُمت کو ہدایت ہوئی کہ پیمبر کے ہاں اگر کھانا کھانے کا اتفاق ہو تو کھانے سے فراغت کے بعد بس اٹھ کھڑے ہوا کرو۔ یہ نہ ہو کہ پیمبر کے اوقات کا لحاظ کئے بغیر بے فکری سے باتوں میں لگ گئے۔

فاذا طعمتم فانتشروا و لا	پھر جب کھانا کھا چکو تو اٹھ کر چلے جایا کرو۔
مستانسین لحدیث (ایضاً)	اور باتوں میں جی لگا کر مت بیٹھے رہا کرو۔

رسول اللہ پر مروت یا حیا اس درجہ غالب تھی کہ خود اپنے کفش بردار اُمتیوں سے اتنی بات بھی براہ راست نہیں فرما سکتے تھے اور قرآن مجید کو یہ ہدایت دینا پڑی

ان ذالکم کان یوذی النبی	اس بات سے پیمبر کو ناگواری ہوتی ہے لیکن
فیستحی منکم واللہ لا یستحی من الحق	وہ تمھارا لحاظ کرتے ہیں۔ اور اللہ صاف
(ایضاً)	بات کہنے سے لحاظ نہیں کرتا۔

اور آپ کے ذمہ قرآن مجید کی محض تبلیغ و تعلیم ہی نہ تھی۔ بلکہ اس کی تبیین بھی تھی۔ یعنی اس کے خفی کو جلی کرنا اس کے مشکلات کو کھولنا اور واضح کرنا۔ ارشاد ہوا ہے

وانزلنا الیک الذکر لتبین	اور ہم نے آپ پر یہ قرآن اتارا ہے تاکہ جو مضامین
للناس مانزل الیھم و لعلھم	لوگوں کے پاس بھیجے گئے ہیں۔ آپ ان کی شرح
یتفکرون (النحل ۶)	ان پر کر دیں تاکہ وہ سوچتے رہیں۔

اور پھر اسی سورت میں ذرا آگے چل کر ہے ۔

وما انزلنا علیک الکتاب	اور ہم نے تو یہ کتاب آپ پر بس اسی لئے نازل
الا لتبین لھم الذی اختلفوا فیہ	کی ہو کہ آپ ان لوگوں پر وہ کھول کر ظاہر
وھدی و رحمت لقوم یومنون	کر دیں۔ جس بارہ میں وہ اختلاف کر رہے ہیں
(النحل ع ۸)	اور ایمان والوں کی ہدایت رحمت کی غرض سے

غرض یہ کہ مبلغ قرآن و معلم قرآن ہی کی طرح آپ کا شارح قرآن ہونا بھی قرآن مجید ہی سے ثابت و ظاہر ہے ۔ اور جس طرح باب کا آغاز آپؐ کے وصف بشریت سے ہوا تھا۔ اسی طرح باب کا خاتمہ بھی آپ کی رسالت کے اس خاص الخاص وصف کے اثبات پر ہو رہا ہے اور جب کسی نبی کے لئے قرآن نے کھل کر کہہ دیا کہ یہ لوگوں کی پیروی کے لئے ایک اسوۂ حسنہ یا ایک بہترین نمونہ ہو تو اس کے معنی ہی یہ ہوئے کہ وہ بہترین صفات و کمالات کا مجموعہ ہے کہ بغیر اس جامعیت کمالات کے وہ نمونہ کا کام دے کیونکر سکتا ہے ۔ اور اوصاف و کمالات کی تھوڑی بہت تشریح و تفصیل جو آپ کے سامنے آیات قرآنی سے ہو چکی ۔ یقین ہے کہ اس کے بعد آپ کا دل خود بول اٹھے گا کہ بیشک وہی ذات مستحق تھی اس کی کہ خلق کے سامنے خالق کی طرف سے اس کی کاریگری کے شاہکار کی حیثیت سے پیش ہو ۔

خطبہ (۴)

رسالت و بشریت

فضائل و مناقب کا مرقع آپ ملاحظہ کر چکے۔ اور اور بھی رسولؐ کی جلالت قدر کے جاوے نظر سے گزرتے رہیں گے۔ لیکن قرآن مجید جیسی جامع مانع اور کل ملتفی کتاب کو دوسرے سرے کی طرف سے بھی پوری احتیاط رکھنی لازمی تھی۔ پیمبروں اور ولیوں کی شخصیتوں پر دنیا کی تاریخ میں برابر یہ ظلم عظیم ہوتا رہا ہے کہ جہاں ایک طرف منکروں اور معاندوں نے ان کے کمالات کی طرف سے یکسر اپنی آنکھیں بند کرلیں اور تکذیب و انکار کو اپنا شعار بنا لیا۔ وہیں دوسری طرف ماننے والوں نے بھی عقیدت میں وہ غلو کیا کہ ایلچی کو بادشاہی اور بندہ کو خدائی ہی کے تخت پر بٹھا کر دم لیا۔ بندہ کو بندہ رہنے ہی نہ دیا۔ اور حلول، اتحاد، تبنیت ابنیت عینیت وغیرہ طرح طرح کے عقیدے گڑھ کے رسالت کے ڈانڈے الوہیت سے جا ملائے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال تو کھلی ہوئی موجود ہی ہے۔ ہندوستان کے جن بزرگوں کو اوتار کہہ کر مانا جاتا ہے عجب نہیں کہ ان کی بھی اصلی اور ابتدائی حیثیت پیمبر ہی کی ہو۔

قرآن مجید نے اس شدید گمراہی بلکہ کہنا چاہیے کہ گمراہیوں کی جڑ سے انسانوں کو بچانے کے بالواسطہ اور براہ راست دونوں طریقے پُر زور صورت میں اختیار کیے۔

پہلے نظر طریق بالواسطہ پر کیجیے۔ قرآن مجید نے پہلے اس سلسلہ میں یہ اصل قائم کی کہ آپ بھی اسی طرح ایک رسول ہیں۔ جیسے آپ کے قبل ہو چکے ہیں۔

انا اوحینا الیک کما اوحینا	ہم نے (اے نبی) آپ کی طرف بھی بیشک
الیٰ نوح والنبیین من بعدہٖ	(اسی طرح) وحی بھیجی ہے جیسی نوح اور انکے
(النساء ع ۲۴)	بعد (دوسرے) نبیوں پر بھیجی تھی۔

اور خود آپ کی زبان سے یہ کہلایا گیا۔

قل ما کنت بدعاً من الرسل	آپ کہہ دیجیے کہ میں پیمبروں میں کوئی انوکھا
(الاحقاف ع ۱)	تو ہوں نہیں۔

اور یہ بھی تصریح کے ساتھ ارشاد ہو گیا۔

وما محمد الا رسول قد خلت	محمدؐ تو بس ایک پیمبر ہی ہیں بیشک ان سے
من قبلہ الرسل (آل عمران ع ۱۵)	پہلے بھی پیمبر ہو چکے ہیں۔

اور اس اصل کے مقرر اور متعین ہو جانے کے بعد یہ حقیقت بھی ارشاد ہو گئی کہ سارے رسول انسان ہی ہوئے ہیں۔ بشر ہوئے ہیں، فوق البشر نہیں۔ نہ دیوتا۔ نہ اوتار۔ نہ ابن اللہ نہ کچھ اور فقط وحی الہٰی سے سرفراز بشر!

وما ارسلنا من قبلک	(اے پیمبر) ہم نے آپ سے پہلے جو پیمبر بھیجے وہ
الا رجالاً نوحی الیہم من اھل القریٰ	بستیوں کے رہنے والے بس آدمی ہی تھے
(یوسف ع ۱۲)	جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے۔

اسی حقیقت کا اعادہ سورۂ النحل ع ۶ میں ہے اور یہی مضمون سورۂ انبیاء ع میں ایک بار پھر برائے نام لفظی فرق کے ساتھ ارشاد ہوا ہے۔ گویا خوب وضاحت اور تکرار کے ساتھ یہ ارشاد ہو گیا کہ نبوت بشریت کے ماورا اور اس سے مافوق کوئی چیز نہیں۔

یہ طریقہ تو بالواسطہ آپ کو بشر قرار دینے کا تھا۔ لیکن قرآن نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ براہ راست آپ کی بشریت کا اثبات اور وہ بھی بہ تکرار کیا ہے۔ ایک جگہ آپؐ ہی کی زبان سے کہلایا ہے۔

هل کنت الا بشرا رسولاً (بنی اسرائیل ع ۱۰) — میں بجز اس کے بشر ہوں پیمبر ہوں اور کیا ہوں۔

شرک اور مشرکانہ عقائد میں ڈوبے ہوئے منکرین بار بار پیمبروں سے انکار و استعجاب کے لہجہ میں کہتے تھے۔

ابعث اللہ بشرا رسولاً (بنی اسرائیل ع ۱۱) — کیا خدا نے ایک بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟

یا یہ کہ

ابشر یهدوننا (التغابن ع ۱) — کیا ہماری ہدایت ایک بشر کرے گا۔

یا کبھی اپنے پیمبر ہی کو براہ راست مخاطب کر کے کہتے

ما انت الا بشر مثلنا (الشعراء ع ۸) — تم اور کیا ہو، بجز اس کے ہم ہی جیسے ایک بشر ہو۔

اس طرح کے فقرے قرآن مجید نے ان مکذب قوموں کی زبان سے بار بار نقل

کئے ہیں اور اس کے جواب میں ان کے پیمبروں کی زبان سے اس واقعیت کو بڑی خندہ جبینی سے تسلیم کرالیا ہے۔

ان نحن الا بشر مثلکم (ابراہیم ع ۲) بیشک ہم تو بس بشر ہی ہیں تم جیسے۔

اور اتنے ہی پر بس نہیں کیا۔ بلکہ اس کی بھی تصریح بار بار کرا دی کہ پیمبروں کا جسم بھی عام انسانوں کی طرح مادی جسم ہوتا ہے اور انہیں احتیاج بھی کھانے پینے کی رہتی ہے۔

وما جعلناھم جسدا لا یاکلون الطعام (الانبیاء ع ۱) اور ہم نے انہیں جسم بھی ایسا نہیں دیا کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں۔

اور خود ہمارے رسول سے متعلق تو مشرکین مکہ کا یہ مستقل طنز تھا کہ یہ کیسے رسول ہیں۔ جو کھانا بھی کھاتے ہیں۔ اور بازاروں میں چلتے پھرتے بھی ہیں۔

قالوا مال ھذا الرسول یاکل الطعام و یمشی فی الاسواق (الفرقان ع ۲) بولے کہ اس رسول کو کیا ہوا ہے کہ وہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔

جواب میں آپ کی بشریت کی واقعیت کو تسلیم کرکے ارشاد ہوا کہ اس میں نئی بات کیا ہے۔ جتنے پیمبر پیشتر آچکے ہیں سب یہی جسم اور یہی احتیاجیں لے کر آئے تھے۔

وما ارسلنا قبلک من المرسلین الا انھم لیاکلون الطعام ویمشون فی الاسواق (الفرقان ع ۲) اور ہم نے آپ سے پیشتر جتنے پیمبر بھیجے سب کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں بھی چلتے پھرتے تھے۔

اور یہی نہیں کہ پیمبران برحق کھانے پینے چلنے پھرنے کی بشری ضرورتوں

سے بے نیاز نہ تھے بلکہ بیوی بچے شادی بیاہ اور خاندان کے معاملے میں بھی ترک و تبتل اور رہبانیت کے قائل اور عامل نہ تھے۔

ولقد ارسلنا رسلاً من قبلك وجعلنا لهم ازواجا و ذرية (الرعد ع ۶)	اے پیغمبر) بیشک ہم نے آپ سے پیشتر پیمبر بھی بھیجے ہیں اور انھیں بیبیاں اور اولادیں بھی دی ہیں۔

اور پیمبروں میں تو اتنی قوت بھی نہیں ہوتی کہ خود اپنی طرف سے کوئی معجزہ دکھا سکیں یا کوئی امر بہ طور خارق عادت پیش کر سکیں۔

وما كان لرسول ان ياتي باية الا باذن الله (الرعد ع ۶)	اور کسی رسول کے بس میں نہیں کہ وہ کوئی بھی نشان لاسکے بجز اس کے کہ اللہ کے حکم سے

اور خود پیمبروں کی زبان سے کہلایا گیا۔

وما كان لنا ان ناتيكم بسلطان الا باذن الله (ابراہیم ع ۲)	اور ہمارے بس میں تو یہ نہیں کہ ہم تمھارے پاس کوئی دلیل لاسکیں بجز اس کے کہ اللہ کے حکم سے۔

معبودیت کی بڑی پہچان اور مخلوقیت کی بالکل ضد دوام زیست یا ابدیت ہے۔ اس وصف کی کامل نفی پیمبروں سے قرآن نے کی ہے۔

وما كانوا خالدين (الانبیاء ع ۱)	وہ ہمیشہ رہنے والے نہ تھے۔

اس قسم کی آیتوں میں تو ہمارے رسولؐ کا ذکر صرف ضمناً و استطراداً ہے باقی دوسری آیتوں میں آپؐ کی وفات یا فنا پذیری کا ذکر صراحۃً ہے مثلاً۔

وما محمد الا رسول قد خلت	محمد تو بس ایک پیمبر ہی ہیں۔ پیمبران سے پہلے
من قبلہ الرسل افان مات	بھی بہت سے گزر چکے ہیں۔ تو اگر یہ وفات
او قتل انقلبتم علی اعقابکم	پا جائیں یا ہلاک کر ڈالے جائیں تو کیا تم تو
(آل عمران ع ۱۵)	پچھلے پیروں واپس چلے جاؤ گے۔

اور کہیں اس قسم کے الفاظ ہیں۔

وان ما نرینک بعض الذی	اور جس عذاب کا وعدہ ہم (کا نزول) سے
نعدھم او نتوفینک فانما علیک	کر رہے ہیں اگر اس کا کچھ حصہ ہم آپ کو دکھلا
البلاغ وعلینا الحساب	دیں یا آپ کو وفات دے دیں تو آپ کے ذمہ
(الرعد ع ۶)	تو صرف تبلیغ ہے اور حساب لینا ہمارا ہی کام ہے

اور کہیں اس سے ملتے جلتے الفاظ یوں آئے ہیں۔

وان ما نرینک بعض الذی	اور جس عذاب کا وعدہ ہم ان (کا نزول) سے
نعدھم او نتوفینک فالینا مرجعھم	کر رہے ہیں۔ اگر اس کا کچھ حصہ ہم آپ کو دکھلا
(یونس ع ۵)	دیں یا آپ کو وفات دے دیں تو ہمارے
	پاس تو انہیں واپس آنا ہی ہے۔

اور یہ مضمون انھیں آیتوں میں نہیں اور بھی متعدد آیتوں میں آیا ہے۔ اور اس تکرار سے مقصود مخاطبین کو رسول اللہ کی بشریت اور وفات پذیری سے خوب مانوس کر دینا ہے۔ اور ایک جگہ تو انتہا یہ ہے کہ اس خاص وصف کے لحاظ سے رسول مقبول اور کفار معاندین کو بالکل ایک ہی صف میں رکھ دیا گیا ہے

انک میت وانھم میتون	آپ بھی موت پانے والے ہیں اور یہ لوگ

(الزمر ع ۳) سبھی موت پانے والے ہیں۔

عبدیت، قرآن نے بتایا کہ حضرات انبیا، کے لئے کوئی ننگ و عار کی چیز نہیں. فخر و مباہات کی بات ہے۔ حضرت مسیح کا نام لے کر ہے۔

لن یستنکف المسیح ان یکون مسیح ہرگز اس سے عار نہ کریں گے کہ وہ

عبد اللہ (النسا، ع ۲۴) اللہ کے بندے ہیں۔

رسول برحق صلعم کی زبان سے یہاں تک کہلوا دیا گیا. کہ اور تو اور میں خود اپنی ذات کو بھی نفع و نقصان پہنچانے کی قدرت نہیں رکھتا۔

قل لا املك لنفسی ضرًا آپ کہدیجئے کہ میں اپنی ذات تک کے لئے

ولا نفعًا الا ما شاء اللہ تو نقصان و نفع کا اختیار رکھتا نہیں ہوں

(یونس ع ۵) مگر ہاں جتنا اللہ کو منظور ہو۔

اور یہی مضمون ایک ذرا سے لفظی فرق کے ساتھ سورۃ الاعراف ع ۲۳ میں دہرایا ہے۔

مشرکانہ مذہبوں کا ذکر نہیں مسیحیت تو اصلاً ایک توحیدی دین ہے اس تک میں شفیع مطلق حضرت مسیحؑ کو ٹھہرالیا گیا ہے. بلکہ روز جزا کے گویا حاکم و مالک ہی وہی ہوں گے۔ اور جس کو چاہیں گے اپنے اختیار سے جنت دوا دیں گے۔ قرآن مجید نے اس کے برعکس رسول اسلامؐ کی زبان سے یہاں تک کہلایا ہے۔

وما ادری ما یفعل بی ولا بکم اور میں یہ بھی نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا

(الاحقاف ع ۱) معاملہ کیا جائے گا۔ اور تمھارے ساتھ کیا۔

اور خیر یہاں تو معاملہ حشر کے علم کی نفی رسولؐ کی زبان سے کرائی گئی۔

دوسری جگہ علم غیب کی نفی کہنا چاہیئے کہ مطلق صورت میں ہے۔

ولوکنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر ومامسنی السوء ان انا الا نذیر وبشیر لقوم یومنون (الاعراف ع ۲۳)	اگر میں غیب کا علم رکھتا ہوتا تو اپنے لئے بہت سے نفع حاصل کر لیتا اور کوئی مضرت میرے اوپر واقع نہ ہوتی۔ میں تو محض ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں۔

رسول ؐ کی بشریت ایک اور لطیف و نادر طریقہ سے بھی قرآن مجید نے ظاہر کر دی ہے۔ یعنی انجام کے ساتھ حضور ؐ کے مادی اجزائے جسم، اعضاء اور شکل و شمائل کے اہم جزئیات کا بھی ذکر اپنے صفحات میں کر دیا ہے۔ اور اس طرح کہنا چاہیئے کہ سراپائے مبارک کا ایک خاکہ قرآن مجید کی مدد سے تیار ہو جاتا ہے۔

فانما یسرناہ بلسانک لعلھم یتذکرون۔ (الدخان ع ۳)	ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان سے آسان ہی کر دیا ہے تاکہ یہ لوگ نصیحت قبول کریں۔

زبان مبارک کا تذکرہ ایک دوسرے موقع پر بھی موجود ہے۔

لا تحرک بہ لسانک لتعجل بہ (القیامۃ ع ۱)	(اے پیغمبر) آپ قرآن پر زبان نہ ہلایا کیجئے کہ آپ اسے جلدی جلدی لیں۔

زبان کے وجود کا اثبات اور وہ بھی دو دو جگہ، خواہ مخواہ اور بلا مقصد نہیں۔ اس سے جہاں ایک طرف حضور ؐ کے جسد ظاہری کا اکرام ظاہر ہوتا ہے۔ وہاں مخاطبین کو یہ تعلیم بھی ملتی ہے کہ اس عبد محترم کا جسد و قالب گوشت و پوست کے انہیں لوازم کے ساتھ تھا۔ جو نوع بشری کے لئے عام ہیں ــــ زبان کے ساتھ دل کا

ذکر بھی آیا ہے قلب اور فواد دونوں لفظوں کے ساتھ دو جگہ۔ چنانچہ پہلی جگہ۔

قل من کان عدوًا لجبریل	آپ کہہ دیجئے کہ جو کوئی جبریل سے دشمنی رکھتا
فانہ نزلہ علیٰ قلبك باذن اللہ	ہے تو انھیں نے تو یہ قرآن آپ کے قلب پر
(البقرہ ع ۱۲)	اللہ کے حکم سے اتارا ہے۔

دوسری بار ایک اور سورۃ میں۔

نزل بہ الروح الامین علیٰ	اس قرآن کو امانت دار فرشتہ لے کر آیا ہے۔
قلبك لتکون من المنذرین	آپ کے قلب پر تاکہ آپ ڈرانے والوں میں
(الشعراء ع ۱۱)	سے ہوں۔

لفظ فواد کے ساتھ بسلسلۂ معراج آیا ہے۔

ماکذب الفواد ومارایٰ	قلب (پیغمبر) نے دیکھنے والی چیز میں کوئی
(النجم ع ۱)	غلطی نہیں کی۔

چشمان مبارک کے ذکر سے بھی یہ صحیفۂ ربانی خالی نہیں۔

حضور ہی کو مخاطب کرکے ارشاد ہوتا ہے۔

ولا تمدن عینیك الیٰ ما	اور آپ ہرگز آنکھیں اٹھا کر بھی ان چیزوں
متعنا بہ ازواجًا منھم	کو نہ دیکھئے جن سے ہم نے ان (نافرمانوں) کے
(الحجر ع ۶)	مختلف گروہوں کو متمتع کر رکھا ہے۔

چشم مبارک کی بصارت کا ذکر بھی اس صحیفۂ یزدانی میں جگہ پائے ہوئے ہے۔

مازاغ البصر وما طغیٰ	نگاہ نہ تو ہٹی نہ بڑھی۔
(النجم ع ۱)	

روئے مبارک کا تذکرہ تو شاید اور زیادہ ضروری تھا۔ اس سے یہ کتاب آسمانی کیسے خالی رہتی حکم تحویل قبلہ کے سلسلہ میں ارشاد ہوا ہے۔

قد نرٰی تقلب وجھك فی السمآء (البقرۃ ع ۱۷) — ہم آپ کے چہرہ کا آسمان کی طرف بار بار اٹھنا دیکھ رہے تھے۔

اور پھر اسی آیت کے اندر انھیں الفاظ سے متصل۔

فول وجھك شطر المسجد الحرام — بس آپ پھیر لیا کیجئے اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف۔

اور پھر چند سطروں بعد انھیں الفاظ کی تکرار دوسری اور تیسری بار۔ اور روئے مبارک کو دین کی طرف یکسو رکھنے کا حکم سورۃ الروم میں دو بار قریب ہی قریب ہے

فاقم وجھك للدین حنیفا (الروم ع ۴) — سو آپ اپنا رخ دین کی طرف یکسو ہو کر رکھئے

فاقم وجھك للدین القیم (الروم ع ۵) — سو آپ اپنا رخ اس دین راست کی طرف رکھئے۔

اور ایک جگہ حکم کی صورت میں آپ سے خطاب ہوا ہے کہ

فان حاجوك فقل اسلمت وجھی للہ — اگر یہ (مشرکین) پھر بھی آپ سے حجتیں نکالتے رہیں تو آپ کہہ دیجئے کہ میں تو اپنا رخ [illegible] اللہ کی طرف کر ہی چکا [illegible]

ایک اور جگہ زبان مبارک سے یہ کہلایا گیا ہے۔ کہ مجھے یہ حکم ملا ہے کہ [illegible]

وان اقم وجھك للدین حنیفا (یونس ع ۱۱) — اپنا رخ دین کی طرف یکسو ہو کر رکھنا

چشم مبارک کے علاوہ گوش مبارک کا بھی ذکر قرآن مجید میں موجود ہے۔ اگر صراحتہً نہیں تو دلالتہً تو بہر حال۔ منافقین مدینہ کا قول نقل ہوا ہے۔

یقولون ھو اذن قل اُذن خیر لکم۔ (التوبہ ع ۸)
یہ کہتے ہیں کہ آپ ہر بات کان دے کر سنتے ہیں۔ کہہ دیجئے کہ آپ کان دے کر وہی بات سنتے ہیں جو تمھارے حق میں بہتر ہے۔

اب سینۂ مبارک کی طرف آیئے۔ اور اس کا عکس اس آئینہ آسمانی میں ملاحظہ فرمایئے:۔

الم نشرح لک صدرک (الانشرح)
کیا آپ کا سینہ ہم نے آپ کے لئے کھول نہیں دیا ہے۔

اور پشت مبارک کے ذکر کے لئے کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں اسی کے متصل موجود ہے۔

و وضعنا عنک وزرک الذی انقض ظھرک۔ (ایضًا)
اور آپ سے آپ کا وہ بوجھ دور کر دیا جو آپ کی پشت کو توڑے ڈالتا تھا۔

اور ان اعضائے جسد کے علاوہ قرآن معرض بیان میں حضورؐ کے بعض اعمال و حرکات جسمانی کو بھی لایا ہے۔ مثلاً حضورؐ کا اٹھنا۔ بیٹھنا۔ چلنا۔ پھرنا۔ کھانا پینا اور نماز اور عام عبادتیں۔ مثلاً:

الذی یراک حین تقوم وَتقلبک فی الساجدین۔ (الشعراء ع ۱۱)
وہ اللہ جو آپ کو دیکھتا ہے جب آپ کھڑے ہوتے ہیں۔ اور آپ کی نشست برخاست نمازیوں کے ساتھ۔

یا منکرین مشرکین کی زبان ہے۔

ما لھذا الرسول یا کل الطعام ویمشی فی الاسواق۔ (الفرقان ع۱)	ان رسول کو یہ ہے کیا یہ کھانا بھی کھاتے ہیں اور بازاروں میں چلتے پھرتے بھی ہیں۔

یا پھر اس قسم کی آیتیں:۔

قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین (الاعراف ع۲۴)	آپ کہہ دیجئے کہ میری نماز اور میری ساری عبادتیں اور میری زندگی اور میری موت سب اللہ پروردگار عالم کے لئے ہیں۔

حیات اور ممات دونوں کا ذکر اس آیت میں آگیا۔ ایک جگہ مشرکین کو مخاطب کرکے عمر شریف کا بھی حوالہ آپ ہی کی زبان مبارک سے دیا گیا ہے۔

فقد لبثت فیکم عمراً من قبلہ (یونس ع۲)	میں اس (دعویٰ نبوت) سے قبل بھی تو ایک عمر تک تمہارے درمیان رہ چکا ہوں۔

اسی طرح ایک جگہ اور قوم لوط کی خرمستی کو آپؐ کی عمر یا جان کی قسم کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے:

لعمرک انھم لفی سکرتھم یعمھون۔ (الحجر ع۵)	آپ کی جان کی قسم وہ لوگ اپنی مستی میں مدہوش تھے۔

خطبہ (۵)

ہجرت

حضور کا مولد جیسا کہ آپ پہلے سن آئے ہیں۔ ابراہیمی شہر مکہ یا بکہ تھا۔ جس کے صفاتی نام مثلاً ام القریٰ۔ البلد الامین۔ البلد الحرام بھی قرآن مجید میں آ چکے ہیں۔ جب یہاں آپ پر اور آپ کے پیروؤں پر سختی حد سے گزر چکی اور اذیت ناقابل برداشت حد کو پہنچ گئی۔ تو آپ کو حکم اس شہر سے ہجرت کر جانے کا ملا۔ ہجرت محض ایک مقام سے دوسرے مقام کو منتقلی کا نام نہیں اصطلاح شریعت میں اس ترک سکونت، اس نقل مکانی کو کہتے ہیں۔ جو دین کے تحفظ کی خاطر یا احکام الٰہی کی تعمیل میں اختیار کیا جائے۔

مظلوم طبقہ جس میں کیا مرد کیا عورتیں اور کیا بچے سب ہی شامل تھے۔ اس کی زبان پر فریاد مدت سے جاری تھی۔

والمستضعفین من الرجال	اور کمزوروں کی خاطر سے جن میں مرد بھی ہیں۔
والنساء والولدان الذین	اور عورتیں بھی اور بچے بھی۔ جو دعا کر رہے ہیں
یقولون ربنا اخرجنا من هذه القریة	اے ہمارے پروردگار ہمیں اس بستی سے باہر نکال

الظالم اھلھا (النساء ع ۱۰) جس کے رہنے والے سخت ظالم ہیں۔

رسولؐ کی ذات اور رسولؐ کی دعوت یا مشن کے ساتھ تمسخر تو ان کی عام عادت بن گئی تھی۔ دعوت کو قبول کرنا الگ رہا۔ اس پر سنجیدگی کے ساتھ غور کے بھی روادار نہ تھے۔

واذا رآک الذین کفروا ان یتخذونک الا ھزوا (الانبیاء ع ۳)

جب آپ کو یہ کافر (یعنی مشرکین مکہ) دیکھتے ہیں تو بس آپ سے مسخرہ پن کرنے لگتے ہیں۔

اور اپنے خیال میں ہنسی اڑاتے ہوئے۔ بناتے ہوئے ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ

اھٰذا الذی یذکر آلھتکم وھم بذکر الرحمان ھم کافرون (ایضاً)

کیا یہی وہ حضرت ہیں، جو تمہارے معبودوں کی بدگوئی کرتے ہیں! اور خود ان کا یہ حال ہے کہ رحمٰن کے ذکر پر یہ لوگ انکار کرتے ہیں۔

اور یہی مضمون تھوڑے سے فرق کے ساتھ ایک دوسری جگہ بھی قرآن میں نقل ہوا ہے

واذا راوک ان یتخذونک الا ھزوا اھٰذا الذی بعث اللہ رسولاً (الفرقان ع ۴)

اور جب یہ لوگ (یعنی مشرکین مکہ) آپ کو دیکھتے ہیں تو بس تمسخر ہی کرنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کیا یہی وہ حضرت ہیں جنھیں اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔

گویا دعوئ نبوت ان لوگوں کے نزدیک سرے سے نا قابل قبول بلکہ نا قابل التفات تھا۔ اور بڑا حربہ ان لوگوں کے ہاتھ میں اسی تمسخر و استہزار کا تھا، ہر طرح آپ کی ہنسی اڑاتے اور آپ کی تعلیم کو سحر و نتیجۂ سحر بتلاتے۔ چنانچہ رسولؐ کو خطاب کرکے ارشاد ہوا ہے:۔

بل عجبت و یسخرون واذا ذکروا لا یذکرون واذا راؤا آیۃ یستسخرون وقالوا ان ھٰذا الا سحر مبین (الصافات ع ۱)

آپ تو تعجب کرتے ہیں اور وہ ہنسی اڑاتے ہیں اور جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو نصیحت نہیں سنتے۔ اور جب کوئی سی نشانی دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے اور بس۔

آخر تجویزیں آپ کو قید میں ڈال دینے کی ہونے لگیں۔ مشورے آپ کی جلاوطنی کے شروع ہو گئے اور منصوبے آپ کے قتل کے ہونے لگے۔ سیرۃ کی کتابوں میں یہ واقعات تفصیل سے آئے ہیں۔ قرآن مجید نے ایجاز و جامعیت کے ساتھ یہ بتا دیا کہ۔

واذ یمکر بک الذین کفروا لیثبتوک او یقتلوک او یخرجوک (الانفال ع ۴)

اور جب یہ لوگ (یعنی مشرکین مکہ) آپ کی نسبت یہ سوچ رہے تھے کہ آپ کو قید کر دیں یا آپ کو قتل کر ڈالیں یا آپ کو جلاوطن کر دیں

یہ چالیں بڑی گہری اور یہ تدبیریں بڑی زہریلی تھیں۔ ایسی کہ ان کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کو خود اپنی حکمت و تدبیر کا ذکر کرنا پڑا۔

ویمکرون ویمکر اللہ (ایضاً)

وہ اپنی تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ اپنی تدبیر کر رہا تھا۔

آپ کے گنتی کے پیرو اور رفیق اپنے کو عددی قلت اور ہر طرح کے معاشی ضعف اور ماندگی میں پا رہے تھے اور پناہ کی تلاش میں رہتے تھے۔ قرآن مجید نے اس دور کے ختم ہو جانے پر اس کا جو ذکر کیا ہے۔ اس سے اس پر پوری روشنی پڑ گئی۔

واذکروا اذ انتم قلیل مستضعفون فی الارض تخافون

اور اس حالت کو یاد کرو جب کہ تم قلیل تھے اور ملک میں کمزور شمار کیے جاتے تھے اور اس اندیشہ

ان یتخطفکم الناس فآواکم	ہیں رہا کرتے تھے کہ تم کو یہ لوگ (یعنی مشرکین
(الانفال ع ۳)	مکہ) نوچ کھسوٹ نہ لیں۔ پھر اللہ نے تمھیں جگہ دی

قرآن مجید ذکر کرتا ہے کہ جب مظلوموں کو حکم ہجرت کا ملا اور ان میں سے بعض پھر بھی اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ تو نزع کے وقت ان سے اور ملائکہ سے مکالمہ اس قسم کا ہوگا۔

قالوا کنا مستضعفین فی الارض	وہ کہیں گے کہ ہم ملک میں محض مغلوب (اور
قالوا الم تکن ارض اللہ واسعۃ	بے بس) تھے فرشتے کہیں گے کہ کیا اللہ کی زمین
فتھاجروا فیھا	وسیع نہ تھی کہ تم ہجرت کرکے اُس میں چلے
(النساء ع ۱۴)	جاتے؟

اور یہ حکم ہجرت ملا عین رحمت تھی یہ مظلوم بیچارے تو خود ہی دعائیں مانگنے لگے تھے کہ ظلم وستم کے اس ماحول سے کہیں نجات حاصل ہو۔ جیسا کہ ابھی چند منٹ قبل سورۃ النساء رکوع ۱۰ کے حوالے سے آپ سن چکے ہیں۔

ایک جگہ انھیں مظلوم مسلمانوں کو مخاطب کرکے ارشاد ہوا ہے۔

یخرجون الرسول وایاکم ان	یہ لوگ رسول کو اور تم کو (بھی) نکال رہے ہیں
تومنوا باللہ ربکم	(وطن سے) اس بات پر کہ تم اپنے پروردگار
(الممتحنہ ع ۱)	اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

ایک جگہ اور انہیں مظلوم مسلمانوں کا ذکر کرکے ارشاد ہوا ہے۔

فالذین ہاجروا واُخرجوا من	سو جن لوگوں نے ہجرت کی اور جو لوگ اپنے
دیارھم واوذوا فی سبیلی۔	گھروں سے نکالے گئے اور جنھیں میری راہ میں

(آل عمران ع ۲۰)　　　تکلیفیں پہنچائی گئیں۔

یہ لفظ اوذوا فی سبیلی (میری راہ میں تکلیفیں پہنچائی گئیں) ہر قسم کی اذیتوں کا جامع ہے سیرۃ کی کتابوں میں بعض بعض اذیتیں ایسی درج ہیں کہ انھیں پڑھ کر آج بھی رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ اور اس لفظ اوذوا کے بجائے قرآن میں کہیں کہیں دوسرے لفظ ما فتنوا　ماظلموا بھی آئے ہیں۔ سب اسی حقیقت کے ترجمان ہیں۔ کہ ہیں مومنین پران کے سردار و پیشوا سمیت زندگی تنگ کردی گئی تھی۔

بالآخر حکم ترک وطن ملا۔ مظلومیت اور بے سرو سامانی کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اتنے لمبے سفر میں مسلسل رفیق آپؐ صرف ایک صاحب کو رکھ سکے۔ سفر اخفاء کے ساتھ ہوا اور کہیں کسی پہاڑی غار میں چھپنا پڑا۔ ان تنہا رفیق سفر کا بھی ذکر قرآن مجید نے اسی سفر ہجرت کے سلسلے میں کیا ہے۔

اذ اخرجہ الذین کفروا ثانی	جبکہ آپ کو کافروں نے (وطن سے) نکال دیا
اثنین اذھما فی الغار	تھا۔ ان دو میں سے ایک آپ تھے جس وقت
(التوبہ ع ۶)	کہ وہ دونوں غار میں تھے۔

آپؐ کا سکون قلب اور اعتماد علی اللہ اس حال میں بھی برابر قائم رہا۔ قرآن کی شہادت ہے۔

اذ یقول لصاحبہ لا تحزن	جب کہ آپؐ اپنے ہمراہی سے فرما رہے تھے
ان اللہ معنا　(ایضاً)	کہ غم نہ کرو یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

شہر مدینہ، مکہ معظمہ سے شمال مشرق میں ۳۰۰ میل کے فاصلہ پر ہے اور

سطح سمندر سے دو ہزار فٹ کی بلندی پر۔ اونٹ کی سواری پر یہ فاصلہ یوں بھی خاصہ طویل تھا۔ پھر جب کہ سفر کو مخفی رکھنے کی غرض سے آپ نے راستہ اور زیادہ پیچیدہ و طویل اختیار کیا تھا۔ سفر ہجرت کی ساری سرگزشت اگر ایک طرف توکل و اعتماد علی اللہ وغیرہ آپؐ کی اخلاقی صفات کی ترجمان ہے۔ تو دوسری طرف قابلیت تنظیم اور خوش تدبیری وغیرہ اعلا صفات عقلی کی بھی شاہد عادل،

مدینہ پہنچ کر بھی دشواریوں اور شدید مخالفتوں کا سلسلہ ختم نہیں ہوا۔ صرف ان کا رخ یا پہلو ذرا بدل گیا۔ ایک نیا سابقہ منافقین کے زبردست اور صاحب اثر گروہ سے پڑا۔ یہ زبان پر دعویٰ اسلام کا رکھتے تھے۔ لیکن دل سے منکر تھے۔ اور محض منکر ہی نہیں۔ معاند بھی تھے۔ اور دوسرے دشمنان اسلام کی سازشوں میں شریک۔ ان میں زیادہ تر تو مشرکین مدینہ تھے اور کچھ یہود بھی۔ ان کا مفصل تذکرہ کسی مستقل عنوان کے ماتحت آپ آگے چل کر سنیں گے۔ یہاں سلسلۂ بیان میں صرف اتنا سن لینا کافی ہوگا کہ ان کی چالبازیوں کی بات قرآن مجید نے بار بار دہرائی ہے اور یخادعون اللہ والذین آمنوا انہیں کے لئے فرمایا ہے۔ یعنی یہ دھوکا دینا چاہتے ہیں یا دھوکے میں رکھنا چاہتے ہیں۔ اللہ کو اور مومنوں کو۔

دوسرا نیا سابقہ یہاں آکر آپ کو اہل کتاب سے پڑا خصوصاً یہود سے اور ان سے طرح طرح کے مناقشے رہے۔ یہ سرگزشت بھی آگے چل کر آپ سنئے گا۔

تیسری نئی بات یہ پیش آئی کہ آپ کو غزوے یا دینی محاربے ایک نہیں متعدد کرنے پڑے۔ زیادہ تر تو مشرکین مکہ اور دوسرے عرب قبائل کے خلاف اور کبھی کبھی قبائل یہود کے مقابلہ میں بھی۔ اس کی تفصیل بھی ایک آئندہ صحبت کے لئے اٹھا رکھئے،

اور چوتھی بات جو اس صورت حال سے بہ طور نتیجہ کے پیدا ہوئی یہ ہے کہ آزادی وخود مختاری مل جانے سے آپؐ کو مدینہ میں حکومت وسلطنت کی بنیاد ڈالنے، اس کے لئے قانون وآئین منضبط کرنے اور طرح طرح کے احکام جاری کرنے کی ضرورت بھی آپڑی۔ یہ احکام کچھ تو بہ ذریعہ وحی نازل ہوتے رہے۔ اور قرآن مجید میں جگہ پاتے رہے۔ اور کچھ رسول نے اپنے اجتہاد سے یا قرآن مجید سے استنباط کرکے صادر فرمائے۔

منافقین مدینہ کی شدت نفاق کا ذکر قرآن مجید میں ان الفاظ میں ہے۔

ومن اہل المدینۃ مردوا علی النفاق (التوبہ ع ۱۳)	مدینہ والوں میں ایسے بھی ہیں۔ جو نفاق پر اڑ گئے ہیں۔

ان پختہ منافقین کے علاوہ اور بھی کچھ آبادی مدینہ والوں کی ایسی تھی جو ایمان کے باب میں دو دلی سے ہو رہی تھی۔ یہ کچے اور تذبذبی ایمان والے بھی منافقوں کے شریک ہوکر طرح طرح کی افواہیں شہر میں مسلمانوں کو ڈرانے سہمانے کے لئے اڑاتے رہتے تھے۔ اور گویا آج کل کی اصطلاح میں ایک سرد جنگ حزب محمدی کے خلاف جاری کئے ہوئے تھے۔ قرآن مجید میں المنافقون پہ عطف کرکے ان کا ذکر بھی آیا ہے۔

والذین فی قلوبھم مرض والمرجفون فی المدینۃ (الاحزاب ع)

اگر منافقوں کو شرماشرمی جنگ میں کبھی مسلمانوں میں شامل ہوکر نکلنا پڑتا بھی تو کہتے کہ۔

لئن رجعنا الی المدینۃ	ہم اگر مدینہ واپس آئے۔ تو ہم میں سے

لیخرجن الاعز منھا الاذل۔	جو گروہ زبردست ہے وہ زیردستوں کو
(المنافقون ع۱)	یقیناً نکال باہر کرے گا۔

اور زبردست وغالب فریق سے اشارہ ظاہری ہے کہ انکا اپنی ہی طرف ہوتا۔ اور زیردستوں اور مغلوبوں سے مسلمانوں کے جانب۔

اسی طرح ایک بار ایک جنگ کے موقع پر۔ عین میدان جنگ سے ان منافقین نے دوسروں کو بھڑکا کر واپس لے جانا چاہا تھا۔ قرآن مجید میں ذکر اس کا بھی موجود ہے۔

واذ قالت طائفۃ منھم یا	اور وہ وقت یاد کرو۔ جب ان میں سے
اہل یثرب لا مقام لکم فارجعوا	ایک گروہ کہنے لگا تھا، اے یثرب والو، ٹھہرنے
(الاحزاب ع۲)	کا موقع نہیں واپس چلے چلو۔

مدینہ کا قدیم نام یہی یثرب تھا۔ اور اصلاً یہ یہود کا مسکن تھا۔ مدینۃ النبی یہ ہجرت نبوی کے بعد کہلایا۔ اور پھر صرف المدینہ رہ گیا۔

اس شہر سے ہٹ کر۔ بجز عارضی جنگی ضرورتوں یا حج وغیرہ کے کہیں اور آپؐ کے تشریف لے جانے کا ذکر قرآن مجید میں نہیں۔ اور نہ سیرۃ وتاریخ ہی میں آتا ہے۔ یہیں قیام آخر عمر تک رہا۔ وفات شریف یہیں ہوئی۔ اور یہیں مدفون ہے۔

خطبہ (۶)

غزوات ومحاربات

قرآن مجید اس حقیقت پر شاہد وناطق ہے کہ رسول کریمؐ کی عمر مبارک کا ایک حصہ قتال وغزاہیں بھی گزرا ہے۔ اور چونکہ قیام مدینہ کے دوران میں گزرا اس لئے لازمی طور پر یہ عمر شریف کا آخری حصہ تھا۔ ملک کا جو ماحول تھا اور ہر طرف جو فضا تھی۔ اس نے اس صورت حال کو ناگزیر بنا دیا تھا۔ قتل وغارت، ظلم و فساد، غصب حقوق و رہزنی۔ غرض کوئی بات جرم وعصیان کی اٹھ نہیں رہی تھی اور ایک عرب ملک کیا معنی کل دنیا میں اخلاقی ابتری یا انارکی مچی ہوئی تھی قرآن مجید کے جامع الفاظ میں۔

ظهر الفساد فی البر والبحر — بگاڑ پھیل گیا ہے خشکی اور تری میں (سب کہیں)
بما کسبت ایدی الناس (الروم ع ۵) — لوگوں کے اپنے کرتوتوں سے۔

مومنین کا طبقہ جو ہر مفسدہ کی اصلاح کا بیڑاہی اٹھا کر وجود میں آیا تھا۔ اور جس کے پروگرام میں اللہ کی زمین پر صحیح عدالت وربانی ریاست کا قیام داخل تھا وہ خود ہی ظالموں اور کافروں کے ہاتھ سے ظلم وستم کا خصوصی تختہ مشق بنا ہوا تھا۔

اپنے مولد و مرکز یعنی شہر مکہ میں اللہ کے رسول اور اس کے پیروؤں پر جو گزرتی رہی، اس سے آپ ہجرت کے ذیل میں واقعات سن کر کچھ واقف ہی ہو چکے ہیں۔ اب وقت وہ ہے کہ مکہ کے یہ مظلوم مہاجر ملک کے ایک دور دراز شہر یثرب میں آکر آباد ہوئے ہیں۔ اور اس کا نام مدینۃ النبی پڑ چکا ہے۔ لیکن مظلومیت میں اب بھی کچھ فرق نہیں پڑا ہے بلکہ مصائب کا بار گراں سے کچھ گراں تر ہی ہوتا جا رہا ہو[1]

جب حالات اس درجہ ناقابل برداشت ہو چکے۔ اور صبر و ضبط اپنی حد کو پہنچ چکا۔ تو اب اذن خداوندی ان مردان خدا کو ملا۔ کہ اب تم بھی اس ظلم کے خلاف تلوار اٹھاؤ۔ اور جو تم پر ظلم و زیادتی کر رہے ہیں۔ ان کا مقابلہ مردانہ دار تم بھی کرو۔

اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا و ان اللہ علی نصرھم لقدیر الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ (الحج ع ۶)	جن لوگوں کے خلاف قتال کیا جارہا ہو۔ اب انھیں بھی اذن (قتال) ملتا ہو۔ اس لئے کہ ان پر ظلم ہوا ہے اور اللہ بیشک ان کی مدد پر قادر ہو۔ یہ وہ لوگ ہیں، جنھیں انکے گھروں سے نکال دیا گیا ہو بغیر کسی قصور کے سوا اس کے کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے۔

[1] صاحب سیرۃ النبی، مولانا شبلی کے الفاظ میں، بہ حوالہ سنن ابی داؤد:۔
"قریش مکہ نے سرداران مدینہ پر زور ڈالنا اور دھمکانا شروع کر دیا تھا کہ تم نے ہمارے آدمی کو اپنے یہاں پناہ دے رکھی ہو۔ تو یا تو اسے قتل کر ڈالو یا اپنے ہاں سے نکال دو۔ اور یہ نہ کیا تو ہم تمھارے اوپر چڑھ دوڑیں گے، اور تمھیں ختم کر کے تمھاری عورتوں کو اپنے تصرف میں لے آئیں گے"

تو قتال کی اجازت مومنین کو جبھی ملی۔ جب ان کی مظلومیت کمال کو پہنچ چکی تھی
اہل تفسیر کہتے ہیں کہ یہی سب سے پہلی آیت ہے جو اجازت قتال کے بارے میں نازل ہوئی
ایک اور قول نقل ہوا ہے کہ پہلی آیت قتال کی یہ نہیں۔ بلکہ یہ ہے۔

وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین	قتال کرو اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جو تم سے
یقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللہ	قتال کرتے ہیں اور زیادتی نہ کر بیٹھنا بیشک اللہ
لایحب المعتدین۔ (البقرہ ع ۲۴)	زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

بہرحال سلسلہ قتال کی پہلی آیت وہ ہو یا یہ ظاہر ہے کہ حکم قتال مومنین کو جبھی ملا۔
جب پانی سر سے اونچا ہو چکا تھا۔ زمانہ قیام مکہ میں مشرکین مکہ نے آپکے ساتھ جو حرکتیں
کیں۔ اس سے تو آپ لوگ واقف ہو ہی چکے ہیں۔ حد یہ ہے کہ ترک وطن کے بعد بھی
عناد دلوں سے نہ گیا۔ اور اتنے دور بلکہ اس وقت کے معیار سے دور دراز شہر میں
منتقل ہو جانے کے بعد بھی معاندانہ کارروائیاں برابر جاری رہیں —— غرض یہ کہ
حکم قتال کی تعمیل میں آپؐ نے خود بھی قتال شروع کیا۔ اور اسی کا نام اصطلاح فقہ
میں جہاد پڑ گیا۔ ورنہ محض جنگ کے لئے اب تک لفظ حرب عام تھا۔ رسول اللہ صلعم
کی ان ربانی مہموں کے لئے محدثین و فقہاء کے ہاں اصطلاح غزوات کی رائج ہے
حضورؐ نے غزوات متعدد فرمائے۔ محدثین و اہل سیر کے ہاں ان کی تعداد ۱۹ یا ۲۱
درج ہے۔ آیئے ان میں سے اہم ترین پر قرآن مجید کی روشنی میں نظر کرتے چلیں۔

غزوۂ بدر

پہلا بڑا غزوہ، غزوۂ بدر کہلاتا ہے۔ اس مناسبت سے کہ یہ مقام
بدر پر واقع ہوا تھا۔ بدر ایک سرسبز منڈی اور منزل کا نام تھا،
جو مدینہ کے جنوب مغرب میں وہاں سے تین یا چار منزل کے فاصلہ پر تھی۔ قرآن مجید

میں اس غزوہ کا بیان آیا ہے۔ اشارۃً کنایۃً نہیں بلکہ تصریح سے اور اس تفصیل کے ساتھ جس کا یہ اپنی اہمیت کے لحاظ سے مستحق بھی تھا۔ ختم غزوہ کے ایک عرصہ بعد ایک دوسرے موقع پر اس کا تذکرہ نہ صرف نام کی صراحت کے ساتھ۔ بلکہ محل امتنان پر بھی لایا گیا ہے۔

ولقد نصرکم اللّٰہ ببدر وانتم اذلۃ فاتقوا اللّٰہ لعلکم تشکرون (آل عمران ع ۱۳)	اور اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد بدر میں کی۔ درآنحالیکہ تم بہت کمزور تھے۔ پس اللہ سے تقویٰ اختیار کرو شاید کہ شکر گزار بن جاؤ۔

لشکر اسلام کی اس "کمزوری" کی تفصیل وتشریح حدیث وسیرۃ کی کتابوں میں مذکور ہے۔ مختصر یہ کہ مسلمان تعداد میں بھی بہت کم تھے۔ اور سامان جنگ کے لحاظ سے بھی بہت پست تھے۔ اس لئے بہت سے مسلمان قدرۃً اس موقع پر جنگ سے بچنا چاہتے تھے لیکن اللہ اپنے فضل سے۔ لشکریوں کے اس تذبذب کے باوجود سردار لشکر کو میدان جنگ میں لے آیا۔

کما اخرجک ربک من بیتک بالحق وان فریقا من المومنین لکارھون (الانفال ع ۱)	جس طرح آپ کا پروردگار آپ کو (اے پیغمبر) حق کے ساتھ آپ کے گھر سے (بدر تک) لے آیا حالانکہ مسلمانوں کا ایک گروہ (اس سے) ناخوش تھا

اپنے ضعف، قلت سامان، غرض ہر مادی معیار سے ان لوگوں کا تامل ایک امر طبعی تھا۔ اور یہ ایسے نامساوی معرکہ کو خودکشی کا مرادف سمجھ رہے تھے۔ اور اسی لئے وہ رسول اللہ سے بحث کا سلسلہ بھی جاری رکھے ہوئے تھے۔

یجادلونک فی الحق بعد ماتبین	یہ لوگ آپ سے حق ظاہر ہوئے پیچھے جھگڑتے

کانما یُسَاقون الی الموت وھم	ہیں گویا کہ وہ موت کی طرف ہنکائے جارہے ہیں
ینظرون (الانفال ع ۱)	اور وہ موت کو دیکھ رہے ہیں۔

آگے بڑھنے سے قبل بہ طور جملہ معترضہ کے یہ بھی سن لیجئے کہ یہی وہ اسلامی فوج ہے جس کے لئے مغربی اہل قلم کا یہ مستقل طنز ہے کہ یہ مال غنیمت اور لوٹ مار کے حریص مشرکوں پر خواہ مخواہ ٹوٹ پڑا کرتے تھے۔ قرآن مجید کی شہادت اس کے برعکس کتنی واضح و صریح یہ ہے کہ انھیں بعض اوقات ٹھیل کر ڈھکیل کر میدان میں لانا پڑتا تھا۔

ہاں اب پھر اصل قصہ سنئے۔ اس وقت مسلمانوں کو احتمال دو گزر رہے تھے ایک یہ کہ ممکن ہے مڈ بھیڑ قریش کی فوج سے ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ ممکن ہے کہ مقابلہ کی نوبت صرف تجارتی قافلۂ قریش سے رہے جو شام سے واپس ہو رہا تھا اور وعدۂ نصرت الٰہی کے باوجود مسلمان طبعی طور پر پسند اس آسان تر شق کو کر رہے تھے۔ اور آرزو یہ رکھتے تھے کہ سامنا فوجی خطرہ کا نہ کرنا پڑے بلکہ محض کاروان تجارت سے نپٹ کر واپس چلے آئیں قرآن مجید کا پورا بیان سنئے:۔

واذ یعدکم اللّٰہ احدی	اور اللہ جب تم سے وعدہ کرتا تھا کہ دو گروہوں
الطائفتین انھا لکم وتودون	میں سے ایک تمھارے لئے ہے اور تم آرزو رکھتے
ان غیر ذات الشوکۃ تکون لکم	تھے کہ وہی گروہ تم کو ملے جس میں کوئی خدشہ
ویرید اللّٰہ ان یحق الحق بکلمٰتہ	(تھا لڑائی کا) نہیں، حالانکہ اللہ یہ چاہتا ہے کہ حق
ویقطع دابر الکافرین لیحق	کو اپنے حکم سے ثابت کر دے اور کافروں کی جڑ کاٹ
الحق ویبطل الباطل ولو	دے تاکہ حق کو ثابت کردے اور باطل کو مٹادے۔
کرہ المجرمون (الانفال ع ۲)	چاہے یہ مجرموں کو ناگوار ہی گزرے۔

لشکر اسلام اس وقت فریاد اضطراراً برپا کر رہا تھا۔ فریاد درائگاں نہ گئی۔ سن لی گئی اور دلوں میں اطمینان مزید پیدا کرنے کی غرض سے ارشاد بھی صاف ہوگیا کہ تمھاری امداد کو فرشتے بھی ایک ہزار بھیجے جا رہے ہیں۔ قرآن مجید نے اس اہم ترین غزوۂ محمدی کی یہ تفصیل بھی محفوظ رکھی ہے۔ اور ارشاد فرمایا ہے:۔

اذ تستغیثون ربکم فاستجاب لکم انی ممدکم بالف من الملٰئکة مردفین وما جعله الله الا بشریٰ ولتطمئن به قلوبکم وما النصر الا من عند الله ان الله عزیز حکیم (الانفال ع ۱)

یاد کرو وہ وقت جب تم اپنے پروردگار سے فریاد کر رہے تھے۔ اس نے تمھاری سن لی اور (فرمایا کہ) میں تمھاری مدد ایک ہزار مسلسل آنے والے فرشتوں سے کروں گا۔ اور اللہ نے یہ صرف تمھارے خوش کرنے اور تمھارے دلوں کو اطمینان دینے کو کیا۔ ورنہ فتح تو صرف اللہ ہی کے پاس ہے۔ بیشک اللہ غالب ہے حکمت والا ہے۔

اسی جنگ کے دوران میں یہ ہوا کہ حکمت خداوندی سے بارش عین وقت پر اور ایسے موقع سے ہوئی کہ نفع تمامتر مسلمانوں ہی کے فریق کو پہنچا، اور اس سے ان کے وضو غسل وغیرہ کی ضرورتیں سب پوری ہوگئیں اور یہ وسوسۂ شیطانی ان کے دل سے دور ہوگیا، کہ مخذول کہیں ہم ہی تو نہیں۔ نیز انھیں نیند کی جھپک بھی آگئی جس سے وہ تازہ دم ہوگئے۔ دیکھئے قرآن مجید ان سارے جزئیات کو کس طرح اپنے احاطۂ بیان میں لئے ہوئے ہے:۔

اذ یغشیکم النعاس امنة منه و

یاد کرو وہ وقت جب اللہ اپنی طرف سے تم پر

ینزل علیکم من السماء ماء لیطھرکم	نیند طاری کر رہا تھا۔ تمھارے سکون کے لئے اور
بہ ویذھب عنکم رجز الشیطان	آسمان سے پانی برسا رہا تھا کہ تم کو پاک صاف کرے
ولیربط علیٰ قلوبکم ویثبت بہ	اور تم سے وسوسۂ شیطانی دور کرے۔ اور تمھارے دل
الاقدام (الانفال ع ۲)	مضبوط کرے اور تم کو ثابت قدم رکھے۔

قرآن مجید کی اتنی آیتوں سے ضمناً اس کا اندازہ ہوگیا کہ قرآن مجید کا اسلوب بیان مورخوں اور اہل سیر کے انداز تحریر سے کتنا مختلف ہوتا ہے جس قسم کے جزئیات و تفصیلات اہل روایات کے ہاں جان سخن کا حکم رکھتے ہیں کتاب اللہ انھیں عموماً نظر انداز کر جاتی ہے اور جو گہری حقیقتیں یہ پے بہ پے بیان کرتی جاتی ہے۔ ان کی طرف عموماً راویوں کا ذہن کبھی نہیں جاتا۔ بہر حال اللہ کو ان مخلص جانبازوں اور ان کے سرور و سردار کی خاطر و دلدہی اس حد تک منظور ہے کہ جو فعل ظاہری طور پر سرزد ان سے ہوئے۔ انھیں منسوب اپنی جانب فرما دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

فلم تقتلوھم ولکن اللہ قتلھم	ان (دشمنوں) کو تم لوگوں نے نہیں مارا۔ بلکہ
ومارمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی	اللہ نے مارا اور آپ نے پتھر نہیں پھینکا جب
(الانفال ع ۳)	پھینکا۔ بلکہ اللہ نے پھینکا۔

اور لشکر اسلام کو فتح چونکہ اس معرکہ میں نمایاں اور قطعی ہوئی۔ اس لئے مشرکوں کو خطاب کرکے صاف صاف ارشاد ہوا۔ اور وعید و تنبیہ بھی انھیں پوری کر دی گئی۔

وان تستفتحوا فقد جاءکم	اور اگر تم فیصلہ چاہتے تھے تو فیصلہ تو تمھارے
الفتح وان تنتھوا فھو خیر لکم	سامنے آموجود ہوا۔ اور تم باز آجاؤ تو تمھارے
وان تعودوا نعد ولن تغنی عنکم	حق میں بہتر ہے۔ اور اگر تم پھر وہی کروگے۔ تو

فئتكم شيئا ولو كثرت وان الله مع المومنين	تم بھی پھر وہی کریں گے۔ اور تمہارا مجمع تمہارے ذرا کام نہ آئے گا۔ خواہ (کیسا ہی) بڑا ہو۔
(الانفال ع ۲)	اور اللہ تو مومنوں کے ساتھ ہے۔

اس معرکۂ بدر میں فتح رسول کریم کو ایسی کھلی ہوئی اور اسباب ظاہری کے مقتضا کے اتنے برعکس ہوئی کہ قرآن مجید نے اس کو علانیہ یوم الفرقان (فیصلہ کا دن) قرار دے دیا۔ اور یہ مورخین کو بھی اقرار ہے کہ اگر اسلام کو اس روز فتح کہیں نہ حاصل ہوگئی ہوتی۔ تو عرب ہی کی نہیں دنیا کی تاریخ کا رُخ ہی آج کچھ اور ہوتا! ایک ضمنی موقع پر یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں:۔

ان کنتم آمنتم بالله وما انزلنا علی عبدنا یوم الفرقان یوم التقی الجمعان۔	اگر تم یقین رکھتے ہو اللہ پر اور اس چیز پر جو ہم نے اپنے بندہ پر فیصلہ کے دن نازل کی یعنی اس دن جب کہ دونوں فریق باہم
(الانفال ع ۵)	مقابل ہوئے تھے۔

اور تو اور اس خاص معرکہ کے میدان جنگ کا نقشہ تک قرآن مجید نے ایک خاص زاویۂ نظر سے پیش کر دیا۔ مسلمانوں کو خطاب کرکے ارشاد ہوتا ہے:۔

واذ انتم بالعدوة الدنیا وهم بالعدوة القصوی والرکب اسفل منکم	یہ وہ وقت تھا جب تم (میدان جنگ کے) قریبی کنارے پر تھے اور وہ (یعنی لشکر مشرکین) دور کے کنارے پر اور کاروان
(ایضاً)	تجارت تم سے نشیب میں تھا۔

دُور اور قریب، آیت میں شہر مدینہ کی نسبت و اضافت سے ہے اور

یہ اشارہ ہے ان جغرافی حقیقتوں کی جانب کہ مدینہ والے شمال و مشرق کی طرف سے آئے تھے۔ اور مکہ والوں کا لشکر جنوب و مغرب کی سمت سے آیا تھا۔ بدر کی زمین پہاڑی تھی اس لئے قدرۃً بلند اور قافلۂ تجارت ساحل سمندر سے گزر رہا تھا۔ جو قدرۃً ایک نشیبی علاقہ تھا۔

رسول اللہ صلعم نے معرکۂ جنگ سے قبل ایک رُویا میں لشکر (؟) انکو قلیل تعداد میں دیکھا تھا۔ اور اسے صحابیوں سے بیان کیا تھا۔

واذ یریکھم اللہ فی منامك قلیلاً ولو اراکھم کثیراً لفشلتم ولتنازعتم فی الامر ولکن اللہ سلّم۔	(یاد کرو وہ وقت) جب اللہ نے آپ کے خواب میں وہ لوگ آپ کو کم دکھائے اور اگر اللہ نے وہ لوگ تم لوگوں کو زیادہ دکھا دیئے ہوتے تو تم لوگ ہمت ہار جاتے اور آپس میں جھگڑا اس باب میں کرنے لگتے لیکن اللہ نے تم کو بچا لیا
(الانفال ع ۵)	

خواب کی بات تو ختم ہوئی۔ بیداری میں یہ واقعہ پیش آیا کہ عین معرکۂ قتال میں ہر فریق دوسرے سے متعلق غلط فہمی میں مبتلا رہا۔ اور اندازہ اصلی تعداد سے کم ہی کرتا رہا۔ اگر کہیں اس کے برعکس ہوتا۔ تو عجب نہ تھا کہ کوئی ایک فریق یا دونوں فریق نبرد آزما ہونے کی ہمت ہی نہ کرسکتے اور اس طرح فیصلہ کی بات گول ہی رہ جاتی۔ اس نفسیاتی حقیقت پر قرآن مجید یوں روشنی ڈالتا ہے۔

واذ یریکموھم اذ التقیتم فی اعینکم قلیلاً ویقللکم فی اعینھم	(اور وہ وقت بھی یاد کرو) جب اللہ نے ان لوگوں کو تمہاری نظروں میں کم کرکے

لیقضی اللہ امراً کان مفعولاً	دکھلایا۔ اور ان کی نظروں میں تمھیں کم کر کے
(الانفال ع ۵)	تاکہ اللہ اس امر کو پورا کر دے جو ہو کر رہنا تھا،

سیرۃ کی کتابوں میں آپ نے قریش کے مشہور لیڈر ابو الحکم عمر بن ہشام مخزومی معروف بہ ابو جہل کی کبر و رعونت کا ذکر پڑھا ہوگا۔ قرآن مجید نے بھی لشکر قریش کی متکبرانہ ذہنیت کی طرف اشارہ تو کر ہی دیا ہے۔

ولا تکونوا کالذین خرجوا من	(اے مسلمانو) ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو (جنگ
دیارھم بطراً و رئاء الناس ویصدون	کے لئے) اپنے گھروں سے نکلے تو اتراتے ہوئے اور
عن سبیل اللہ	لوگوں کو دکھلاتے ہوئے۔ اور (لوگوں کو) اللہ کی
(الانفال ع ۶)	راہ سے روکتے ہوئے۔

تاریخ کا بیان ہو کہ یہ غزوہ ۱۷ رمضان ۲ھ مطابق ۱۵ مارچ ۶۲۴ء کو پیش آیا تھا۔ غزوہ بدر کا ذکر تو نام کی تصریح اور پھر اتنی تفصیلات کے ساتھ جو قرآن مجید میں آیا ہے۔ اس کی توقع کسی اور غزوہ یا محاربہ سے متعلق تو نہ رکھئے۔ تاہم دوسرے اہم غزوات نبوی کے سلسلہ میں بھی اچھی خاصی رہنمائی قرآن سے ہو جاتی ہے۔

غزوۂ اُحد ایک اور غزوہ کے ذکر کا آغاز یوں ہوتا ہے۔

واذ غدوت من اھلك	(اور وہ وقت بھی یاد کیجئے اے پیغمبر) جب ایک
تُبوئ المومنین مقاعد للقتال	صبح آپ اپنے گھر والوں کے پاس سے نکلے مسلمانوں
واللہ سمیع علیم	کو قتال کے لئے مناسب مقام پہ لے جاتے ہوئے
(آل عمران ع ۱۳)	اور اللہ بڑا سننے والا بڑا جاننے والا ہے۔

ذکر جنگ اُحد کا ہے۔ اُحد مدینہ منورہ سے شمال کی جانب ایک پہاڑی ہے ڈھائی تین

میل کے فاصلہ پر قریش جیسی خود دار اور خود بین قوم کو بدر میں جو شکست فاش نصیب ہوئی تھی۔ کیسے ممکن تھا کہ وہ لوگ اس پر چپکے ہو کر بیٹھ رہتے۔ اور اس کا انتقام نہ لیتے۔ ابو جہل کے قتل ہو جانیکے بعد اب ریاست مکہ کی خارجی و داخلی سیادت ابو سفیان صخر بن حرب اموی کے ہاتھ میں تھی۔ اور اسے اموی ہونے کی بنا پر رسول ہاشمی سے خاندانی دشمنی بھی تھی۔ رسولؐ اس صبح حضرت عائشہؓ کے حجرہ سے برآمد ہوئے تھے۔ اذ غدوت من اھلک میں اشارہ اسی جانب ہے مقاعد للقتال کا لفظ بھی نا قابل توجہ نہیں۔ جنگ میں پوزیشن position کی اہمیت تو آج بھی مسلم ہے! اور فن حرب (ملٹری سائنس) کی تازہ کتابوں میں بھی صفحہ صفحہ اس کے لئے وقف رہتے ہیں۔ چہ جائیکہ اس دور میں جب جنگ نام ہی دست بدست جنگ کا تھا۔ ضمناً اس سے روشنی اس حقیقت پر بھی پڑگئی۔ کہ حضور صلعم ایک بہترین سردار فوج بھی تھے جیسا کہ حال میں ایک مسلم ملک کے ایک میجر جنرل نے اپنی کتاب حدیث دفاع میں تفصیل سے دکھایا ہے۔

اس سے آگے کی آیت بھی اہمیت میں کچھ کم نہیں۔

اذ ھمت طائفتان منکم	جب تم میں سے دو گروہ اس کا خیال کر بیٹھے تھے
ان تفشلا واللہ ولیھما وعلی اللہ	کہ ہمت ہار دیں درآنحالیکہ اللہ ان دونوں کا
فلیتوکل المومنون۔	مددگار تھا اور مسلمانوں کو اللہ پر اعتماد رکھنا
(ایضاً)	ہی چاہیئے۔

سیرۃ کی کتابوں میں ان دونوں گروہوں یا ٹکڑیوں کے نام درج ہیں۔ ایک قبیلۂ اوس کے بنی حارثہ کا تھا۔ اور دوسرا قبیلۂ خزرج کے بنی مسلمہ کا۔ انہیں یہ خیال اپنی قلت تعداد و قلت سامان وغیرہ ضعف مادی کی بنا پر ہوا تھا۔ اس لئے کہ تاریخ کا بیان ہے

کو مسلمانوں کا لشکر ایک ہزار کی تعداد میں تھا۔ اور اس میں سے منافق لیڈر عبداللہ بن ابی سلول کے عین وقت پر نکل جانے سے کل سات ہی سو رہ گیا تھا مشرکین مکہ کا لشکر ۳ ہزار تھا جس میں دو سو سوار تھے۔ غرض یہ کہ کسی ضعف ایمانی کا قدم درمیان میں نہ تھا اور پھر یہ خیال بھی وسوسہ ہی تک رہا۔ عزم کے درجہ تک نہ پہنچنے پایا جیسا کہ واللہ ولیھما کے لفظ سے ظاہر بھی ہو رہا ہے۔

اس جنگ میں بھی رسولؐ اللہ ایک اچھے جنرل کی طرح اپنی سپاہ کی خوب ہمت افزائی کر رہے تھے اور اللہ کے سچے رسول کی طرح مومنین کو تائید غیبی اور لشکر ملائکہ کی شرکت کا یقین دلا رہے تھے۔ قرآن میں خود رسولؐ ہی کو مخاطب کر کے ارشاد ہوا ہے۔

اذ تقول للمومنین الن یکفیکم ان یمدکم ربکم بثلاثۃ آلاف من الملائکۃ منزلین بلیٰ ان تصبروا وتتقوا ویاتوکم من فورھم ھٰذا یمددکم ربکم بخمسۃ آلاف من الملائکۃ مسومین (ایضاً)	(وہ وقت بھی یاد کیجئے) جب آپ مومنین سے کہہ رہے تھے کہ کیا تمہارے لئے یہ کافی نہیں کہ تمہارا پروردگار تمہاری مدد تین ہزار اتارے ہوئے فرشتوں سے کرے؟ ہاں کیوں نہیں۔ بشرطیکہ تم نے صبر و تقویٰ قائم رکھا۔ (اور وہ لوگ تم پر فوراً ہی آپڑے۔ تو تمہارا پروردگار تمہاری مدد کرے گا پانچ ہزار نشان کئے ہوئے فرشتوں سے۔

اس جنگ کے نتیجۂ ناموافق کے امکان کی خبر اور پھر اس پر تسلی عالم الغیب نے اپنی کتاب مبین میں پہلے ہی سے درج کر دی تھی ملاحظہ ہو۔

ان یمسسکم قرح فقد	اگر تم لوگوں کو کوئی زخم پہنچ جائے تو ان لوگوں

مسّ القوم قرح مثله وتلك	یعنی (مشرکوں) کو بھی تو ایسا ہی زخم پہنچ چکا ہے
الایام نداولها بین الناس۔	اور ہم ان ایام (یعنی زمانہ) کی الٹ پھیر تو لوگوں
(آل عمران ع۱۴)	کے درمیان کرتے ہی رہتے ہیں (تکوینی مصلحتوں سے)

چنانچہ مورخین کا بیان ہے کہ اس جنگ میں کچھ دیر کے لئے ہزیمت کے پورے آثار مسلمانوں پر مسلط و مرتب رہے لیکن اس عارضی ہزیمت کے باوجود جنگ کے مستقل اور آخری انجام سے متعلق کوئی تذبذب یا دغدغہ نہ تھا۔ ارشاد ہوگیا تھا کہ

ان الذین کفروا ینفقون	بیشک یہ کافر لوگ اپنے مالوں کو اس لئے خرچ
اموالهم لیصدوا عن سبیل الله	کر رہے ہیں کہ اللہ کی راہ سے روکیں۔ سو یہ لوگ مال
فسینفقونها ثم تکون علیهم	خرچ تو کرتے ہی رہیں گے لیکن وہ ان کے حق میں
حسرة ثم یغلبون	باعث حسرت بن جائے گا۔ اور پھر وہ مغلوب
(الانفال ع۴)	ہو کر رہیں گے۔

اہل سیرة کا بیان اسی آیت کی شرح میں ہے، کہ قریش کا لیڈر ابوسفیان صخر بن حرب تجارت شام سے خوب مالا مال ہو کر لوٹا تھا۔ اس سے سرداران قریش نے مطالبہ کیا تھا کہ یہ سب مسلمانوں کو شکست دینے اور اُن سے انتقام لینے میں لگایا جائے۔ اور اس پر عمل ہوا تھا۔
یہ دُور کی بات بھی قرآن مجید نے بتادی تھی کہ عارضی غلبہ اور وقتی تفوق کے باوجود مشرکین اپنے اندر ہمت دبا سکیں گے۔ اور شوکت اسلام و مسلمین سے مرعوب ہی رہیں گے

سنلقی فی قلوب الذین	ہم ابھی کافروں کے دلوں میں ہیبت بٹھا دیں گے
کفروا الرعب بما اشرکوا بالله	اس لئے کہ انھوں نے اللہ کا شریک ایسی چیز کو ٹھہرا
مالم ینزل به سلطانا (آل عمران ع۱۶)	لیا ہے جس کے لئے کوئی دلیل اللہ نے نہیں اتاری ہے

اس مرعوبیت کا ظہور یوں ہوا کہ حسب تصریح مورخین ،مشرکین اپنی عارضی فتح کے باوجود مسلمانوں کے تعاقب کی جرأت نہ لاسکے۔ اُلٹے پاؤں مکہ کو واپس ہوئے۔ اور یہ خود مسلمان ہی تھے۔ جنھوں نے اپنے بے مثال و بے عدیل سالار لشکر کے ماتحت مدینہ سے آٹھ میل آگے بڑھ کر حمراء الاسد تک ان کا تعاقب کیا۔ اور یہاں تین دن تک اپنا پڑاؤ پوری آن بان کے ساتھ قائم رکھا۔

معرکۂ اُحد میں شروع شروع مسلمانوں کو اپنی قلت جمعیت و قلت سامان کے باوجود برابر غلبہ رہا۔ لیکن امکانات جنگ کا بالکل صحیح اندازہ فرماکر رسول اللہ صلعم نے پچاس ماہر تیر اندازوں کا ایک دستہ شروع ہی میں ایک بلند ٹیکری پر ایک گھاٹی میں متعین کر دیا تھا۔ اور اس کو تاکید کر دی تھی کہ اس مورچہ سے کسی حال میں بھی نہ ہٹے لیکن جب مشرکوں کو شکست ہوئی اور ان کا سامان لٹنے لگا تو یہ دستہ اس حکم کی تعمیل پر قائم نہ رہا۔ بلکہ اس میں سے ۴۰ تیر انداز یہ سمجھ کر کہ اب لڑائی ختم ہو چکی۔ مال غنیمت کی لوٹ میں شریک ہو گئے۔ گھاٹی والا مورچہ خالی پا کر خالد بن ولید جو اس وقت تک مشرکوں میں شامل تھے۔ اپنے سواروں کو لے کر عقب سے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ اور مسلمانوں کی فتح کچھ دیر کے لئے شکست میں تبدیل ہو گئی ـــــ تاریخ کی ان سادی تصریحات کو دیکھئے قرآن مجید کس ایجاز و اعجاز کے ساتھ اپنے رنگ میں بیان کرتا ہے

ولقد صدقکم اللہ وعدہٗ	اور یقیناً اللہ نے اپنا وعدۂ (نصرت) سچ
اذ تحسونھم باذنہٖ حتیٰ	کر دکھایا جبکہ تم مشرکوں کو اس کے حکم سے قتل کر
اذا فشلتم وتنازعتم فی الامر	رہے تھے یہاں تک کہ تم خود ہی کمزور پڑ گئے۔ اور
وعصیتم من بعد ما اراکم	حکم (رسول) کے باب میں باہم جھگڑنے لگے اور نافرمانی

ما تحبون منکم من یرید الدنیا و منکم من یرید الاخرۃ ثم صرفکم عنھم لیبتلیکم و لقد عفا عنکم و اللہ ذو فضل علی المومنین

(ایضاً)

کی۔ بعد اس کے کہ اللہ نے تمھیں دکھا دیا جو کچھ تم چاہتے تھے۔ کچھ تم میں سے وہ تھے جو دنیا چاہتے تھے اور کچھ تم میں سے وہ تھے جو آخرت چاہتے تھے پھر اللہ نے تم کو ان مشرکوں سے ہٹا لیا تاکہ تمھاری پوری آزمایش کرے اور یقیناً اللہ نے تم سے درگزر کی اور اللہ ایمان والوں کے حق میں بڑا صاحب فضل ہے

فوج کے جب پیر اکھڑتے ہیں۔ اور بھگدڑ پڑ جاتی ہے۔ تو افراتفری ہر قسم کی واقع ہونے لگتی ہے۔ اور اس وقت ثابت قدمی عام انسانوں کا کام نہیں۔ اس موقع پر لشکر اسلام کا سپہدار اعظم، جو علاوہ تدبیر جنگ کے، ذاتی شجاعت و ہمت کے لحاظ سے بھی فرد فرید و بے عدیل تھا۔ باوجود زخمی ہونے کے اپنی جگہ پر ثابت و قائم رہا۔ اور دوسروں کو پکارا کیا کہ ادھر آؤ میں ادھر ہوں۔ لیکن بدحواسی میں بھاگنے والوں کے اتنے ہوش ہی کہاں تھے۔ قرآن مجید نے ایسوں کو مواخذۂ آخرت سے تو بری کر دیا جیسا کہ ابھی لقد عفا عنکم و اللہ ذو فضل علی المومنین سے واضح ہو چکا ہے لیکن جنھوں نے وقتی نافرمانی کر کے رسول اللہ کو اذیت پہنچائی۔ تو لازم ہوا کہ خود انھیں بھی اذیت پہنچے۔ یہ ساری سرگزشت چند لفظوں کے اندر قرآن کی زبان حقیقت ترجمان سے سنئے

اذ تصعدون ولا تلون علی احد و الرسول یدعوکم فی اخراکم فاثابکم غما بغم لکیلا تحزنوا علی ما فاتکم

(وہ وقت بھی یاد کرو) جب تم (بھاگتے ہوئے) چڑھے چلے جا رہے تھے۔ اور مڑ کر بھی کسی کو نہ دیکھتے تھے۔ اور رسول تم کو پکار رہے تھے تمھارے پیچھے کی جانب سے سو اللہ نے تمھیں غم دیا غم کے

ولا ما اصابکم واللہ خبیرٌ بما تعملون۔ (ایضاً)	پاداش میں تاکہ تم رنجیدہ نہ ہوا کرو اس چیز پر جو تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اور نہ اس مصیبت سے جو تم پر پڑے اور اللہ تمہارے کاموں سے خوب خبردار ہے

جنگ بدر کی طرح اس جنگ میں بھی یہ ہوا کہ مسلمانوں کی خستہ فوج کو آرام کی سخت ضرورت تھی۔ اللہ نے ان پر یہ فضل کیا، کہ دوپہر کے وقت ان پر نیند طاری کر دی۔ اس سے یہ تھکی ماندی فوج تازہ دم ہوگئی۔ اس حقیقت کا عکس قرآن مجید کے آئینہ میں ملاحظہ ہو:۔

ثم انزل علیکم من بعد الغمّ امنۃ نعاساً یغشیٰ طائفۃ منکم (ایضاً)	پھر اللہ نے اس غم کے بعد تمہارے اوپر راحت نازل کی۔ یعنی غنودگی جس کا غلبہ تم میں سے ایک جماعت پر پورا تھا۔

جنگ اُحد کی بعض منزلوں میں مومنین مخلصین کے ساتھ ساتھ منافقین مدینہ بھی تھے جو یہ ہانک لگائے ہوئے تھے کہ یہ مصیبت تو مسلمانوں کی اپنی لائی ہوئی ہے۔ ورنہ ہم تو شروع ہی سے جنگ و مقابلہ کے مخالف تھے۔ ہماری سنتا کون ہے۔ ہماری سن لی گئی ہوتی تو یہ نوبتیں ہی کیوں آتیں، قرآن مجید نے ان جزئیات کو ضبط بیان میں لاکر واقعہ کے اس پہلو کو بھی حیات دوام بخش دی:۔

وطائفۃ قد اھمتھم انفسھم یظنون باللہ غیرالحق ظن الجاھلیۃ یقولون ھل لنا من الامر من شئ .... یقولون	اور یہ گروہ وہ تھا۔ جسے اپنی جانوں کی پڑی ہوئی تھی۔ یہ اللہ کے بارے میں خلاف حقیقت خیالات قائم کر رہے تھے، جاہلیت کے خیالات وہ یہ کہہ رہے تھے کہ ہمارا کچھ اختیار چلتا ہے...

لوکان لنا من الامر شئ ما	یہ کہتے ہیں کہ ہمارا اگر کچھ بھی اختیار چلتا تو ہم
قتلنا ھٰھنا (ایضًا)	یہاں نہ مارے جاتے۔

صحابۂ مخلصین سے بھی فطری بشری کمزوریوں کی بنا پر جو لغزشیں سرزد ہوگئی تھیں اُن سے انھیں گو پروانۂ عفو مل گیا تھا۔ پھر بھی تنبیہ خاص انھیں بھی کر دی گئی۔

ان الذین تولوا منکم یوم	یقیناً تم میں سے جو لوگ اس دن پھر گئے تھے
التقیٰ الجمعان انما استزلھم	جس دن کہ دونوں فوجیں باہم مقابل ہوئے
الشیطان ببعض ما کسبوا	تھے۔ تو یہ تو بس اس سبب سے ہوا کہ شیطان نے
ولقد عفا اللہ عنھم ان اللہ	انھیں ان کے بعض کرتوتوں کے سبب لغزش دے
غفور حلیم	دی تھی اور بیشک اللہ انھیں معاف کر چکا ہوا
(ایضًا)	یقیناً اللہ بڑا مغفرت والا۔ بڑا حلم والا ہے۔

ان نافرمان سپاہیوں کا قصور بہ ظاہر بہت سخت تھا۔ عین معرکۂ جنگ میں ایک نازک موقع پر اپنے جنرل کی عدول حکمی کر کے اپنی اور اپنے جنرل دونوں کی تفضیح کا سبب بن رہے تھے۔ اور اپنی خود رائی سے ساری اُمت کو اذیت پہنچا دی تھی لیکن دنیوی افسروں۔ سرداروں۔ جنرلوں کے برخلاف حضور نے ان کے ساتھ معاملہ شفقت و ملاطفت ہی کا رکھا۔ قرآن مجید اس طرز معاملت کی گواہی ان الفاظ میں دیتا ہے

فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم	پھر یہ اللہ کی رحمت ہی کے سبب سے ہے کہ آپ
(آل عمران ع ۱۷)	ان لوگوں کے ساتھ نرم رہے۔

اہل سیر و تاریخ کا بیان ہے کہ اُحد میں ۷۰ مسلمان شہید ہوئے۔ اور اس سے قبل بدر میں مشرک ۷۰ کی تعداد میں قتل اور ۷۰ ہی کی تعداد میں گرفتار ہو چکے تھے

قرآن مجید نے رمز و کنایہ میں یہ حقیقت بھی دُہرا دی ہے۔

اولما اصابتکم مصیبۃ قد اصبتم مثلیھا قلتم انیٰ ھٰذا قل ھو من عند انفسکم ان اللہ علیٰ کل شیٔ قدیر (ایضاً)	اور جب تم کو ایسی ہار اٹھانا پڑی جس کی دوگنی تم حریف پر ڈال چکے تھے۔ تو تم کہنے لگے کہ یہ کدھر سے ہوئی۔ آپ کہہ دیجئے کہ وہ تمھاری ہی طرف سے ہوئی۔ بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اور اسی میں مسلمانوں کی اس طبعی حیرت کا جواب بھی آ گیا۔ کہ ہم اللہ کے صاحب ایمان بندے، اللہ کی راہ میں لڑنے والے۔ پھر رسولؐ ہم میں موجود اس پر بھی شکست ہمیں کو! انھیں بتا دیا گیا کہ ہمارا وعدۂ فتح و نصرت تو تمھاری طاعت و اطاعت کے ساتھ مشروط تھا جب تم نے اس کا لحاظ نہ رکھا۔ تو وہ وعدہ باقی کہاں رہا۔ اور ہم قادر جس طرح فتح دینے پر ہیں۔ اسی طرح اس سے محروم کر دینے پر بھی انیٰ ھٰذا قل ھو من عند انفسکم ان اللہ علیٰ کل شیٔ قدیر۔ جواب ابھی ختم نہیں ہوا۔ آگے چل رہا ہے۔

وما اصابکم یوم التقی الجمعان فباذن اللہ ولیعلم المومنین ولیعلم الذین نافقوا (ایضاً)	اور جو مصیبت تم پر اس روز پڑی جبکہ دونوں گروہ باہم مقابل ہوئے سو وہ اللہ کی مشیت سے ہوئی تاکہ وہ جان لے مومنین کو بھی اور جان لے ان لوگوں کو بھی جنھوں نے منافقت اختیار کی تھی۔

روایات تاریخ میں آتا ہے کہ عین معرکۂ قتال سے قبل قبیلۂ خزرج کا ایک سردار اپنی تین سو کی جمعیت کے ساتھ لشکر اسلام سے الگ ہو گیا تھا۔ اور اس طرح منافقین جو اب تک مار آستین بنے ہوئے تھے ان کا پردہ فاش ہو کر رہا۔ اس غزوہ کی تاریخ اہل سیر نے لکھا ہے کہ ۲۷ شوال ۳ھ ہجری مطابق ۲۳ مارچ ۶۲۵ء تھی۔

غزوۂ بدر ثانیہ

غزوہ اُحد کے اتنے تفصیلی تذکرہ سے متصل اور گویا اسی کی پیٹ میں ایک اور غزوہ کا ذکر بھی قرآن مجید میں آیا ہے جس میں لشکر اسلام پوری ہمت و عزم کے ساتھ میدان جنگ میں آحاضر ہوا۔ لیکن فریق مخالف جو کہاں تو مسلمان کو ڈرا دھمکا رہا تھا اور کہاں خود ہی خائف و مرعوب ہوگیا۔ ہمت چھوٹ گئی۔ آدھے راستے تک آکر واپس چلا گیا۔ اور نوبت قتال کی نہ آئی ـــــ قرآن مجید کا بیان سنئے:۔

الذین استجابوا للّٰہ والرسول من بعد ما اصابھم القرح للذین احسنوا منھم واتقوا اجر عظیم الذین قال لھم الناس ان الناس قد جمعوا لکم فاخشوھم فزادھم ایمانا وقالوا حسبنا اللّٰہ و نعم الوکیل فانقلبوا بنعمۃ من اللّٰہ وفضل لم یمسسھم سوء (آل عمران ع ۱۸)	(یہ وہ لوگ ہیں) جنھوں نے اللہ اور رسول کے کہنے کو مان لیا بعد اس کے کہ انھیں زخم لگ چکا تھا۔ ان میں سے جو نیک و متقی ہیں (اور وہ سب ہی ہیں) ان کے لئے اجر عظیم ہے یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان سے کہنے والوں نے کہا کہ لوگوں نے تمہارے خلاف بڑا سامان اکٹھا کرلیا ہے۔ ان سے ڈرو۔ لیکن اس نے ان کا جوش و ایمان اور بڑھا دیا اور یہ لوگ بولے کہ اللہ ہمارے لئے کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے یہ لوگ اللہ کے انعام و فضل کے ساتھ واپس آگئے انھیں کوئی ناگواری (ذرا بھی) پیش نہ آئی۔

حزب اعصاب یا سرد جنگ کی آوازیں آپ چند سال سے ہر طرف سے سن رہے ہیں۔ اہل عرب بھی اس سے ناواقف نہ تھے۔ بلکہ اس وقت کا مکی لیڈر ابوسفیان

صخر بن حرب اموی. کہنا چاہیئے کہ اس فن کا ماہر تھا۔ اہل تاریخ کا بیان ہے کہ اس نے معرکۂ احد کے بعد اپنے خاص آدمیوں کے ذریعہ یہ پروپیگنڈا مدینہ میں شروع کرادیا تھا کہ قریش کی طاقت کے پیش نظر اب ان سے ٹکر لینا آسان نہیں۔ ایمان کے پختہ مسلمان یہ خبریں سن سن ذرا بھی بددل یا ہراساں نہ ہوئے اور رسول اسلام صلعم لشکر لے کر نکلے۔ مقام بدر تک پہنچے۔ آٹھ روز وہاں قیام فرمایا۔ ادھر مکی لیڈر ابو سفیان بھی فوج لے کر چلا۔ لیکن ہمت جواب دے گئی۔ کچھ دور چل کر راستہ سے واپس چلا گیا۔ اور مسلمان بلا کسی قسم کا نقصان اٹھائے خوش خوش مدینہ واپس آگئے۔ تاریخ کی کتابوں میں اس غزوہ کا نام بدر ثانیہ آیا ہے اور اس کا زمانہ ذی قعدہ ۴ھ ہجری یا اپریل ۶۲۶ء بتایا گیا ہے اور روایتوں میں آتا ہے کہ اس وقت اسلامی لشکر میں ۱۵۰۰ پیدل اور ۱۰ سوار تھے اور اہل مکہ کے لشکر میں ۲۰۰۰ پیدل اور ۵۰ سوار۔

غزوہ بنی نضیر

اب تک جن غزوات کا ذکر آپ نے سنا، یہ سب مشرکین مکہ کے مقابلہ میں تھے۔ جو مکہ سے چڑھائی کرکے اطراف مدینہ تک آتے تھے۔ لیکن مدینہ سے عین متصل آبادی یہود کی بھی تھی۔ آنحضرتؐ نے ایک اعلیٰ مدبر و حکیم السیاست کی طرح ورود مدینہ کے بعد ہی ان سے دوستانہ معاہدہ کرلیا تھا لیکن ان کے ایک بڑے گروہ نے جو بنی نضیر کہلاتے تھے۔ کچھ ہی روز بعد بدعہدی شروع کردی اور مسلمانوں کی ایذا پہ کمر بستہ ہوگئے۔ بالآخر ان پر فوج کشی ہوئی۔ انہیں بڑا ناز اپنی قلعہ بندی پر تھا۔ اس کے باوجود شکست ان کے نصیب میں آئی۔ سزا ان کے لئے جلاوطنی تجویز ہوئی اور یہ لوگ مدینہ سے نکل کر شام کی طرف روانہ ہوگئے۔

قرآن مجید یہ ساری روداد اپنے معجزانہ انداز میں یوں ادا کرتا ہے۔

هوالذی اخرج الذین کفروا من اهل الکتاب من دیارهم لاول الحشر ماظننتم ان یخرجوا وظنوا انهم مانعتهم حصونهم من الله فاتاهم الله من حیث لم یحتسبوا وقذف فی قلوبهم الرعب یخربون بیوتهم بایدیهم وایدی المومنین فاعتبروا یا اولی الابصار	وہ اللہ وہی ہے جس نے اہل کتاب کافروں کو ان کے گھروں سے پہلی بار اکٹھا کرکے نکال دیا تمہارا گمان بھی نہ تھا کہ وہ نکلیں گے اور خود ان کا خیال تھا کہ ان کے قلعے انہیں اللہ کی گرفت سے بچالیں گے سو اللہ کا عذاب انہیں ایسی جگہ پہنچا کہ انہیں خیال بھی نہ تھا۔ اور اللہ نے ان کے دلوں میں دہشت ڈال دی تو وہ اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے بھی اجاڑ رہے تھے اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے بھی سو اے دانش والو۔ تم عبرت حاصل کرو۔

(الحشر ع ۱)

مورخین نے لکھا ہے کہ وطن چھوڑتے ہوئے ایک ہتھیاروں کی اجازت تو نہ تھی، باقی یہ سارا اثاث البیت ساتھ لیتے گئے۔ یہاں تک کہ گھروں کے دروازے اور چوکھٹیں بھی بنی نضیر حضرت ہارون کی اولاد میں تھے اس لئے علاوہ اپنی دولت و ثروت کے یہود میں دینی پیشوائی کا مرتبہ بھی رکھتے تھے۔ لیکن یہ چیز بھی انہیں عذاب الٰہی کی گرفت سے نہ بچا سکی۔ پھر بھی چونکہ انھوں نے شروع ہی میں ہتھیار رکھ دیئے تھے۔ سخت تر اور انتہائی سزا یعنی قتل سے بچ گئے۔ ارشاد ہوا ہے۔

ولولا ان کتب الله علیهم الجلاء لعذبهم فی الدنیا ولهم فی الآخرة عذاب النار	اور اگر اللہ نے ان کے حق میں جلا وطنی نہ لکھ دی ہوتی تو وہ دنیا ہی میں انہیں عذاب دیتا (یعنی قتل عام کا) اور آخرت میں تو انہیں دوزخ کا

(ایضاً) عذاب ہونا ہی ہے۔

ان لوگوں سے باقاعدہ مقابلہ کی تو نوبت آئی نہ تھی صرف محاصرہ کی شدت کو تو کی موثر بنانے کے لئے اور تیر اندازی وغیرہ کی جنگی ضرورتوں سے لشکر اسلام کو یہ کارروائی کرنا پڑی تھی کہ کھجوروں کے باغ جو بنی نضیر کے اردگرد لگے ہوئے تھے۔ ان میں سے بعض کو کاٹ دیا۔ اس پر ان لوگوں نے بڑی فریاد برپا کی۔ قرآن مجید میں یہ جزئیات بھی مع جواب موجود ہیں۔ مسلمانوں کو مخاطب کرکے ارشاد ہوا ہے۔

ما قطعتم من لینة او	کھجوروں کے درخت جو تم نے کاٹے یا انہیں ان کی
ترکتموھا قائمة علیٰ اصولھا	جڑوں پر قائم رہنے دیا تو یہ (دونوں ہی باتیں)
فباذن اللہ و لیخزی الفاسقین	اللہ کے حکم کے موافق ہیں اور تاکہ اللہ (اس
(ایضاً)	سے) نافرمانوں کو رسوا کرے۔

قرآن مجید نے جو جواب دیا ہے۔ اس کی شرح و تعبیر مختلف پہلوؤں سے کی جاسکتی ہے اور قدیم و جدید مفسروں نے مختلف و متعدد پہلو اختیار بھی کئے ہیں لیکن یہ تفسیری بحثیں ہیں۔ سیرۃ نگار کے کام کی نہیں۔ اس کے کام کی چیز تو بس یہ ہے کہ چونکہ یہ فتح مبین بغیر کسی خونریزی کے اور بغیر مسلمانوں کے کسی خفیف نقصان کے انہیں حاصل ہوگئی تھی اس لئے قرآن مجید نے اللہ کے اس احسان کو بھی نمایاں کیا ہے۔

وما افاء اللہ علیٰ رسولہ منھم	اور جو کچھ اللہ نے اپنے رسول کو ان سے دلوادیا
فما اوجفتم علیہ من خیل ولا رکاب	سو تم نے اس پر نہ گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ
ولکن اللہ یسلط رسلہ علیٰ من یشاء	لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہے مسلط فرما
واللہ علیٰ کل شیء قدیر (ایضاً)	دیتا ہے۔ اور اللہ ہر شے پر قادر ہے۔

مدینہ کے پُر قوت و ذی اثر منافقین نے بڑے بڑے وعدے امداد و رفاقت کے ان یہود سے کر رکھے تھے کہ قتال ہو یا جلا وطنی ہم تمہارا ساتھ بہر صورت دیں گے۔ قرآن مجید نے زور تاکید کے ساتھ پیش خبری کر دی تھی کہ ایسا نہیں ہونے کا۔ یہ وعدہ کرنے والے عین وقت پر دغا دے جائیں گے۔

الم تر الی الذین نافقوا یقولون لاخوانھم الذین کفروا من اھل الکتاب لئن اخرجتم لنخرجن معکم ولا نطیع فیکم احداً ابداً و ان قوتلتم لننصرنکم واللہ یشھد انھم لکاذبون لئن اخرجوا لا یخرجون معھم ولئن قوتلوا لا ینصرونھم ولئن نصروھم لیولن الادبار ثم لا ینصرون

(الحشر ع ۲)

کیا تم نے نظر نہیں کی ان منافقین پر کہ اپنے بھائیوں سے کہ کفار اہل کتاب ہیں، کہتے ہیں کہ اگر تم نکالے گئے۔ تو ضرور ہم بھی تمہارے ساتھ نکل جائیں گے اور تمہارے معاملہ میں ہم کبھی کسی کا کہنا نہیں مانیں گے۔ اور اگر کسی کی تم سے لڑائی ہوئی تو ہم تمہاری مدد کریں گے۔ لیکن اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ بالکل جھوٹے ہیں۔ اہل کتاب اگر نکالے گئے۔ تو یہ لوگ ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے اور اگر ان سے لڑائی ہوئی تو یہ لوگ ان کی مدد نہ کریں گے۔ اور اگر مدد کی بھی تو (پھر) پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے پھر ان کی کوئی مدد نہ ہو گی۔

اور واقعہ بھی یہی ہوا کہ جب بنی نضیر پر وقت پڑا اور ان کا شدید محاصرہ ہوا تو منافقین میں سے کوئی بھی مدد کو نہ پہنچا۔ قرآن مجید نے ان منافقین کی ذہنیت کی بھی تھوڑی سی تشریح و تحلیل کر دی ہے، وہ بھی قابل ملاحظہ ہے۔

لانتم اشد رھبۃ — بیشک ان لوگوں کے دلوں میں تمہارا خوف

فی صدورھم من اللہ ذالک بانھم قوم لا یفقھون لا یقاتلونکم جمیعًا الا فی قری محصنۃ او من وراء جدر باسھم بینھم شدید تحسبھم جمیعًا و قلوبھم شتیٰ ذالک بانھم قوم لا یعقلون ۔ (ایضًا)

اللہ سے بھی زائد ہے۔ اس لئے کہ یہ لوگ سمجھ سے کام نہیں لیتے یہ لوگ سب مل کر بھی تم سے نہ لڑیں گے ۔ مگر ہاں قلعہ بند بستیوں یا دیوار کی آڑ میں ان کی لڑائی آپس میں بڑی تیز ہے اور (اے مخاطب) تو انھیں باہم متفق خیال کرتا ہے حالانکہ ان کے قلوب ایک دوسرے سے پھٹے ہوئے ہیں یہ اس لئے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے ۔

بنی نضیر کی شکست اور جلاوطنی کا واقعہ ربیع اول سنہ ۴ہجری مطابق اگست سنہ ۶۲۵ء کا ہے۔

بنی قینقاع لیکن اس سے کوئی دو سال قبل تقریبًا بالکل یہی صورت یہود ہی کے ایک دوسرے قبیلہ بنی قینقاع کو پیش آچکی تھی اور نضیر والوں نے ذرا سبق اس سے نہ لیا تھا۔ قرآن مجید نے بنی نضیر ہی کے سلسلہ میں ادھر بھی اشارہ کردیا ہے۔ یا ایسا اشارہ جو قائم مقام صراحت ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

کمثل الذین من قبلھم قریبًا ذاقوا وبال امرھم ولھم عذاب الیم (ایضًا)

ان لوگوں کی مثال اُن لوگوں کی سی ہے جو ان سے کچھ ہی پہلے ہو چکے ہیں۔ وہ اپنی کرتوتوں کا مزہ چکھ چکے اور ان کے لئے عذاب دردناک ہے

یہود کا یہ قبیلہ بھی حوالیٔ مدینہ میں آباد تھا۔ اور یہود کے تینوں قبیلوں میں شجاع ترین تھا۔ انھیں بھی بڑا ناز اپنے قلعوں یا گڑھیوں پر تھا۔ انھوں نے علاوہ

اپنی عہد شکنیوں کے اپنی فردِ جرم میں اضافہ ایک انصاری خاتون کی توہین کرکے بھی کیا تھا۔ بالآخر ان کا محاصرہ کیا گیا۔ اور انھیں بھی سزائے جلا وطنی ملی تھی۔ تاریخ میں اس کا زمانہ شوال سنہ ۲ ہجری یا اپریل سنہ ۶۲۴ء ثبت ہے۔

غزوۂ بنی قریظہ

یہود کے تیسرے قبیلہ کا نام بنی قریظہ تھا۔ یہ بھی حوالیٔ مدینہ میں آباد تھے اور ان کے اور بنی نضیر کے درمیان حد فاصل کچھ باغ تھے۔ بدزبانی اور شرانگیزی میں یہ شاید اوروں سے بھی کچھ بڑھے ہوئے تھے بار بار مسلمانوں کے حلیف بنتے تھے۔ اور پھر عہد توڑ دیتے تھے یہاں تک کہ ایک بار کھلم کھلا جنگ میں مشرکین مکہ کے شریک ہوگئے۔ آخر رسول اللہ نے ان پر بھی فوج کشی کی۔ اور دس روز کے محاصرہ میں یہ اپنی جان سے عاجز آگئے۔ اپنی قسمت کا فیصلہ انھوں نے مدینہ کے مشہور سردار قبیلۂ اوس سعد بن معاذؓ پر چھوڑا۔ اور پھر انھیں کے فیصلہ کے مطابق ان کے مرد قتل کردئے گئے اور ان کے بچے اور عورتیں گرفتار ہوکر آئے ـــــ قرآن مجید میں رسول کو خطاب کرکے یوں ارشاد ہوا ہے:۔

الذین عاھدت منھم ثم ینقضون عھدھم فی کل مرۃ وھم لا یتقون فاما تثقفنھم فی الحرب فشرد بھم من خلفھم لعلھم یذکرون (الانفال ع ۸)	یہ وہ لوگ ہیں جن سے آپ عہد بار بار لے چکے ہیں۔ پھر وہ اپنا عہد ہر بار توڑ ڈالتے ہیں اور وہ (اس سے) ڈرتے نہیں تو آپ انہیں اگر جنگ میں پا جائیں تو انھیں ایسی سزا دیں کہ دوسرے بھی سمجھ جائیں۔

اور دوسری جگہ یہ ارشاد ہوا کہ مسلمانوں کو اس موقع پر تو جنگ کرنا ہی نہ پڑی اور غزوۂ احزاب میں جن یہود یعنی انھیں بنی قریظہ نے مشرکین و معاندین اسلام

کا ساتھ دیا تھا۔ آخر مسلمانوں سے مرعوب و خائف ہو کر انھیں خود اپنے قلعے چھوڑنے پڑے اور قتل و اسیری دونوں کی سزائیں بھگتنا پڑیں۔

وکفی اللہ المومنین القتال	اور جنگ میں اللہ خود ہی مومنین کے لیے کافی ہو گیا
وکان اللہ قویاً عزیزاً و انزل الذین	اور اللہ تو ہے ہی بڑا قوت والا اور بڑا زبردست
ظاھروھم من اھل الکتاب من	اور جن اہل کتاب نے ان کی (یعنی اہل احزاب کی)
صیاصیھم وقذف فی قلوبھم	مدد کی تھی اللہ نے انھیں ان کے قلعوں سے اُتار دیا
الرعب فریقاً تقتلون وتاسرون	اور ان کے دلوں میں تمہارا رعب بٹھا دیا پھر بعض
فریقاً (الاحزاب ع ۳)	کو تم قتل کرنے لگے اور بعض کو قید کرنے۔

اور قدرتی نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ بنی قریظہ کی نقدی اور جائداد سب مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئی۔ مسلمانوں کو خطاب کر کے قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے۔

واورثکم ارضھم ودیارھم	(اور اللہ نے) تمہیں بنا دیا وارث ان کی زمین کا اور
واموالھم وارضاً لم تطئوھا وکان	ان کے گھروں اور ان کے مال کا اور اس زمین
اللہ علی کل شئ قدیراً	کا بھی جس میں تم نے اب تک قدم نہیں رکھا ہے
(الاحزاب ع ۳)	اور اللہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔

ارضاً لم تطئوھا۔ میں بڑی وسعت ہے۔ قیامت تک جتنے ملک بھی مسلمانوں کے قبضے میں آئیں گے سب اس کے تحت میں داخل ہو سکتے ہیں غرض یہ ہے کہ سزا ان بدعہدوں کو قرار واقعی ملی۔ اور یہ واقعہ ذی قعدہ ۵ھ ہجری مطابق مئی ۶۲۷ء عیسوی کا ہے۔

غزوۂ احزاب

رسول اسلام علیہ السلام کو اپنی حربی زندگی میں جو محاربات عظیم ترین و شدید ترین پیش آئے۔ ان میں سے ایک کا نام تاریخ کی زبان میں غزوۂ خندق ہے اور قرآن مجید نے اسے الاحزاب سے موسوم کیا ہے۔ اس غزوۂ میں نہ صرف مشرکین قریش ہی اپنی پوری قوت و سامان کے ساتھ حملہ آور ہوئے تھے۔ بلکہ ان کی کمک پر عرب کے پر قوت قبیلے بنی غطفان، بنی سعد، بنی سُلیم وغیرہ شامل تھے اور یہود کا پر قوت قبیلہ بنی قریظہ بھی ان کا شریک ہو گیا تھا مسلمانوں کی جمعیت کل ۳ ہزار کی تھی اور حملہ آوروں کی ۱۰ ہزار کی۔ اسلام کے سپہدار اعظمؐ نے اس موقع پر ایک مخلص و جہاں دیدہ صحابی سلمانؓ فارسی کے مشورہ پر بجائے میدان میں نکل آنے کے مدینہ ہی کے گرد خندق کھود کر جنگ کی تیاری کی تھی قرآن مجید نے اس غزوہ کا ذکر اہتمام کے ساتھ کیا ہے۔ اس کے نشیب و فراز پر پوری روشنی ڈالی ہے اور مسلمانوں پر اللہ کی شفقت و کرم خصوصی کا ذکر کیا ہے۔

یا ایھا الذین آمنوا اذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ جاءتکم جنود فارسلنا علیھم ریحًا وجنودًا لم تروھا وکان اللہ بما تعملون بصیرًا (الاحزاب ع ۲)	اے ایمان والو۔ اللہ کا انعام اپنے اوپر یاد کرو جب (کئی کئی) لشکر تمہارے اوپر چڑھ آئے۔ پھر ہم نے ان پر ایک آندھی بھیج دی نیز ایسے لشکر جو تم کو نظر نہیں آتے تھے اور اللہ تمہارے عمل کو دیکھ رہا تھا۔

یہ ہوا اور بارش کا طوفان اس طرح آیا تھا کہ اس کی پوری زد دشمن ہی کے لشکر پر پڑی روشنیاں بجھ گئیں خیمے اکھڑ گئے۔ برتن بھانڈے لڑھک گئے۔ غرض ہر طرح ابتری پھیل گئی تھی۔ اور غیر مرئی تائیدی لشکر سے مراد فرشتوں کا ہونا ظاہر ہی ہے۔

مخالف فوجیں آکر کچھ اطراف مدینہ کے نشیبی حصہ میں خیمہ زن ہوگئیں تھیں اور کچھ بالائی حصہ میں مدینہ کی شرقی سمت او نچی ہے اور غربی سمت نیچی۔ قبیلۂ بنی اسد و بنی غطفان کے لشکر سمت مشرق سے آئے تھے اور قریش و بنی کنانہ کے سمت مغرب سے۔ اور یہ وقت لشکر اسلام کے لئے نازک ترین تھا۔ اتنے مضبوط جتھے سے مقابلہ کا اتفاق اس سے قبل کبھی نہیں ہوا تھا ـــــ اس ساری صورت حال کا اور مسلمانوں کے دلوں میں شدت اضطرار و اضطراب سے جو طرح طرح کے وسوسے پیدا ہو رہے تھے۔ ان سب کا نقشہ قرآن مجید نے ان الفاظ میں کھینچا ہے:-

اذجاؤکم من فوقکم ومن اسفل منکم واذزاغت الابصار وبلغت القلوب الحناجر وتظنون باللہ الظنونا (ایضاً)	اور جبکہ وہ لوگ تم پر آچڑھے تھے تمہارے اوپر کی طرف سے بھی اور نیچے کی طرف سے بھی اور جبکہ آنکھیں کھلی رہ گئی تھیں اور کلیجے منہ کو آرہے تھے اور تم لوگ اللہ سے گمان طرح طرح کے کر رہے تھے۔

مسلمانوں کے لئے وہ دن واقعی سخت اور نازک تھا۔ گو مقصود اس سے محض امتحان ہی تھا۔ اس حقیقت کو موکد کر کے ارشاد فرمایا گیا ہے۔

ھنالک ابتلی المومنون و زلزلوا زلزالا شدیداً (ایضاً)	اس موقع پر اہل ایمان کا پورا امتحان لیا گیا اور وہ سخت زلزلہ میں ڈالے گئے۔

اور منافقوں اور ریچ دلوں کی بدگمانیوں کا تو اس دن کچھ پوچھنا ہی نہ تھا۔

واذ یقول المنافقون والذین فی قلوبھم مرض ما وعدنا اللہ و	اور جب کہ منافقوں اور انھوں نے جن کے دلوں میں مرض ہے یہ کہنا شروع کیا تھا کہ اللہ

ورسولہ الا غرورًا (ایضاً) — اور اس کے رسول نے تو ہم سے دھوکے ہی کا وعدہ کر رکھا ہے۔

اسی غزوہ میں یہ بھی ہوا کہ منافقوں نے عین وقت پر دغا دی۔ جنگ کے مورچے چھوڑ دئے اور ان کی جماعت کئی سو کی تعداد میں واپس چلی گئی اور بعض کج دلوں نے آکر سپہ سالار اعظم کے پاس طرح طرح کے بہانے تراشنے شروع کر دیئے۔ تاکہ جہاد میں شرکت سے چھٹی مل جائے۔ قرآن مجید نے اس حقیقت کے چہرے سے یوں نقاب اٹھایا ہے:۔

واذ قالت طائفۃ منھم یا اھل یثرب لا مقام لکم فارجعوا ویستاذن فریق منھم النبی یقولون ان بیوتنا عورۃ وما ھی بعورۃ ان یریدون الا فرارًا (ایضاً)

اور یہ اس وقت ہوا جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا اے یثرب والو — تمہارے ٹھہرنے کا موقع نہیں سو اپنے گھروں کو واپس جاؤ اور ان میں سے بعض لوگ نبی سے اجازت مانگتے تھے کہتے تھے کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں۔ حالانکہ وہ ذرا بھی غیر محفوظ نہیں۔ یہ محض بھاگنا ہی چاہتے ہیں

منافقین کی بزدلی اور پست ہمتی کا پردہ اس غزوہ کے موقع پر پوری طرح فاش ہو کر رہا۔ باہر کے آئے ہوئے اور جمع شدہ لشکر واپس پلٹ بھی گئے۔ اور یہ منافقین اب تک دبکے سہمے پڑے رہے۔ اتنا بھی تو نہ ہوا کہ ان جگر دوز معرکوں کے نظارہ کی بھی تاب لا سکیں۔ بے اختیار چاہتے تھے کہ کہیں دیہات میں جا کر پناہ لیں۔ اور وہیں سے بس خبریں ہی سن لیں۔ صحیفہ ربانی کا بیان ملاحظہ ہو:۔

یحسبون الاحزاب لم یذھبوا — یہ سمجھ رہے ہیں کہ حملہ آوروں کے لشکر اب

وان یأت الاحزاب یودوا لو انھم بادون فی الاعراب یسئلون عن انبائکم ولو کانوا فیکم ما قاتلوا الا قلیلا۔

(الاحزاب ع ۲)

تک بھی نہیں ہٹے اور اگر یہ لشکر آ پڑیں تو یہ لوگ تو یہ چاہیں گے کہ کاش ہم باہر دیہاتوں میں جا رہتے کہ وہیں سے خبریں پوچھتے رہتے اور یہ لوگ اگر تمہیں میں رہیں جب بھی کچھ یوں ہی سا لڑیں۔

مومنین صادقین اس کے برخلاف ان شاندار حملہ آور لشکروں سے زرا بھی بزدل و پست حوصلہ نہ ہوئے۔ ان کی ہمت و ثبات کا نقشہ ان زوردار و موثر لفظوں میں ملاحظہ ہو :۔

ولما راء المومنون الاحزاب قالوا ھذا ما وعدنا اللہ ورسولہ وصدق اللہ ورسولہ وما زادھم الا ایمانا وتسلیما من المومنین رجال صدقوا ما عٰھدوا اللہ علیہ فمنھم من قضٰی نحبہ ومنھم من ینتظر وما بدلوا تبدیلا

(الاحزاب ع ۳)

اور جب اہل ایمان نے (ان) لشکروں کو دیکھا تو بولے یہی وہ موقع ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا تھا اور اس سے ان کے ایمان و اطاعت میں ترقی ہی ہوئی اہل ایمان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ انھوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا اس میں سچے اترے پھر ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو اپنی نذر پوری کر چکے اور کچھ ان میں سے راستہ دیکھ رہے ہیں اور انھوں نے اپنے میں ذرا فرق نہیں آنے دیا۔

دشمنوں کو باوجود کثرت تعداد، اور باوجود اپنی ساری خوش تدبیروں اور افراط ساز و سامان کے، جس طرح ناکام و نامراد واپس جانا پڑا، اس کا ذکر بھی قرآن میں موجود ہے :۔

وردّ اللّٰہ الذین کفروا بغیظھم لم ینالوا خیرًا (ایضًا)

اور اللہ نے کافروں کو غصہ میں بھرا ہوا بنا دیا کہ ان کے ہاتھ کچھ بھی نہ لگا۔

یعنی معاندین اسلام آئے تو اس کر و فر سے تھے لیکن کس حسرت کے ساتھ انہیں مدینہ کا محاصرہ اٹھا لینا اور تمام تر بے نیل مرام واپس جانا پڑا ــــ مورخین کے بیان کے مطابق یہ واقعہ ذی قعدہ ۵ھ ہجری مطابق اپریل ۶۲۱ء کا ہے۔

غزوۂ حدیبیہ یہ درحقیقت کوئی غزوہ نہیں۔ اس لئے کہ نہ یہاں کوئی جنگ پیش آئی اور نہ حضور صلعم کوئی ارادۂ جنگ لے کر اس میں روانہ ہوئے تھے لیکن اہل سیر و تاریخ نے اس کا ذکر غزوات ہی کے ذیل میں کیا ہے اس لئے یہ عنوان بڑھانا پڑا۔

ایک خواب کی بنا پر حضور ذی قعدہ ۶ھ ہجری میں عمرہ کی نیت سے مکہ معظمہ روانہ ہوئے ۱۴۰۰ اصحاب ساتھ تھے، مکہ پر قبضہ ابھی تک مشرکوں کا تھا اس لئے آپؐ نے اپنے رفیقوں کو حکم دیا تھا کہ کوئی شخص بجز ایک تلوار کے (جو عرب میں لازمۂ سفر تھا) اور کوئی ہتھیار کوئی اپنے پاس نہ رکھے۔ اتنی احتیاطوں کے باوجود بھی اہل مکہ بدگمان ہی رہے۔ اور مقابلہ و مزاحمت کی تیاری اپنے ہاں شروع کر دی ابھی آپؐ مقام حدیبیہ میں تھے اور شہر مکہ سے ایک منزل اُدھر کہ یہ خبر آپ کو مل گئی۔ آپؐ نے حضرت عثمانؓ کی سیادت میں ایک وفد سرداران قریش کے پاس بھیجا کہ ہم لڑنے کی نیت سے نہیں صرف عمرہ ادا کرنے کے لئے آئے ہیں۔ حضرت عثمانؓ کو واپسی میں دیر ہوئی اور خبر یہ اُڑ گئی کہ قریش نے حضرت عثمانؓ کو شہید کر ڈالا۔ اس پر قدرۃً رسول اللہؐ کو غیرت آئی اور سخت ناگواری پیدا ہوئی اور اب آپؐ نے ایک درخت کے نیچے تشریف رکھکر سب سے

بیعت لی، کہ خون عثمانؓ کا قصاص اپنی جانیں دے کر لیا جائے گا۔ پھر جب وہ خبر ہی بے بنیاد ثابت ہوئی تو نوبت کسی جدال و قتال کی نہ آئی اور ایک معاہدۂ صلح مرتب ہو گیا،
قرآن مجید نے مسلمانوں کی ہمت و ثبات کی اس مثال کو بہ طور یادگار محفوظ رکھا اور خوشنودی کا پروانہ عطا کر دیا ہے۔

لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ فعلم ما فی قلوبھم فانزل السکینۃ علیھم واثابھم فتحاً قریباً (الفتح۔ ع ۳)	اللہ راضی ہو گیا مومنوں سے جب وہ درخت کے نیچے آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے۔ جو کچھ ان کے دلوں میں تھا۔ اللہ کو اس کا علم ہو گیا سو اس نے ان پر تسلی اتاری اور انھیں قریب ہی زمانہ میں فتح عنایت کی۔

قرآن مجید نے مومنین کو یہ تسکین بھی دی کہ، وہ اس عارضی التواء سے بد دل نہ ہوں، نبی کا خواب پوری طرح سچا ہو کر رہے گا۔ اور مسلمان سب طواف کر کے اور ارکان متعلقہ انجام دے کر رہیں گے ارشاد ہوا ہے۔

لقد صدق اللہ رسولہ الرؤیا بالحق لتدخلن المسجد الحرام ان شاء اللہ آمنین محلقین رؤسکم ومقصرین لا تخافون (الفتح۔ ع ۴)	بیشک اللہ نے اپنے رسول کا خواب سچ کر دکھایا مطابق واقعہ کے تم لوگ مسجد حرام میں ضرور داخل ہو گے ان شاء اللہ امن کے ساتھ اپنے سر منڈاتے ہوئے اور بال کترائے ہوئے اور تمھیں کوئی خوف نہ ہوگا۔

اسی حدیبیہ کی منزل میں قبل اس کے کہ معاہدۂ صلح مکمل ہو۔ یہ واقعہ بھی پیش آکر رہا کہ قریش نے اپنا ایک دستہ بھیج دیا کہ مسلمانوں پر حملہ آور ہو۔ لیکن یہ لوگ خود

گرفتار ہو گئے۔ مسلمان چاہتے تو ان قیدیوں کو قتل کر ڈالتے لیکن اس طرح جنگ و خونریزی کا سلسلہ فوراً شروع ہو جاتا اس لئے رحمت عالم ؐ نے انھیں سرے سے معاف کرکے رہا کر دیا۔ قرآن مجید میں صاف اور واضح اشارہ اس طرف بھی موجود ہے۔

وھوالذی کفّ ایدیھم عنکم وایدیکم عنھم ببطن مکۃ من بعد ان اظفرکم علیھم (الفتح - ع ۳)	اور اللہ وہی تو ہے جس نے ان لوگوں کے ہاتھ تم سے اور تمھارے ہاتھ ان سے بطن مکہ میں روک لئے۔ بعد اس کے کہ تم کو ان پر قابو دے دیا تھا

اسی معاہدۂ حدیبیہ میں ایک واقعہ یہ بھی پیش آیا کہ جب صلح نامہ مرتب ہو رہا تھا تو قریش کے سفیر نے اعتراض کیا کہ ہم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنے کے روادار نہیں۔ عنوان پر قدیم فقرہ صرف باسمک اللھم رہے۔ اور دوسری بات یہ کہ بجائے محمد رسول اللہ کے معاہدہ پر صرف محمد بن عبداللہ تحریر ہو۔ مسلمانوں کو یہ جاہلی تعصب قدرۃً سخت ناگوار گزرا اور قریب تھا کہ صلح کی گفتگو ہی بات پر ٹوٹ جائے۔ رحمت عالم ؐ نے اپنے جان نثاروں کے اس جوش کو خود ٹھنڈا کیا۔ قرآن مجید کے حقیقت افروز بیان سے یہ جزئیہ بھی نظرانداز نہیں ہونے پایا ہے۔

اذجعل الذین کفروا فی قلوبھم الحمیۃ حمیۃ الجاھلیہ فانزل اللہ سکینتہ علیٰ رسولہ وعلی المومنین (ایضاً)	اور جب کہ کافروں نے اپنے دلوں میں تعصب اور تعصب جاہلی کو جگہ دی، تو اللہ نے اپنی طرف سے تحمل اپنے رسول اور مومنین کو عطا کیا

اور جن مومنین نے درخت کے نیچے حضور ؐ کے ہاتھ پر سرفروشی کی بیعت کی تھی۔ ان کی منزلت قرآن مجید نے ان الفاظ میں بیان کی ہے۔

ان الذین یبایعونك انما یبایعون الله ید الله فوق ایدیھم (الفتح ع ۱)	بیشک جن لوگوں نے آپ سے بیعت کی ہے انہوں نے اللہ سے بیعت کی ہے اللہ کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں کے اوپر ہے۔

اور انہیں پروانہ خوشنودی جو عطا ہوا وہ ابھی چند سنٹ قبل لقد رضی اللہ عن المومنین کے ذیل میں تو آپ سن ہی چکے ہیں۔ حدیبیہ کے اس واقعہ کا زمانہ ذی قعدہ ۶ھ ہجری ہے مطابق مارچ ۶۲۸ء۔

غزوۂ خیبر

یہود کی ایک بستی مدینہ منورہ کے شمال میں شام کی جانب ۸ منزل یا بہ قول بعض سیاحوں کے ۲۰۰ میل کے فاصلہ پر تھی۔ یہاں ان کے قلعے مستحکم اور کئی کئی موجود تھے ان کے مسلسل جرائم کے پاداش میں ان کی تادیب پر جو مہم روانہ ہوئی۔ اس کی قیادت خود آنحضرت نے کی کچھ دن کے محاصرہ کے بعد سارے قلعے فتح ہوگئے اور مال غنیمت کثرت سے حاصل ہوا۔

قرآن مجید میں اس غزوہ کا ذکر تو ہے مگر مستقلاً اور بہ تصریح نام نہیں بلکہ اشارۃً اور دوسرے واقعات کے ضمن میں۔ صلح حدیبیہ کے سلسلہ بیان میں منافقین کی فطرت کے اظہار کے لئے بہ طور پیش خبری کے ہے۔

سیقول المنافقون اذا انطلقتم الی مغانم لتاخذوھا ذرونا نتبعکم (الفتح ع ۲)	(یہ پیچھے رہ جانے والے) منافقین عنقریب جب تم غنیمتیں لینے چلوگے تو کہیں گے کہ ہم کو بھی اجازت دو ہم تمہارے ساتھ ہولیں۔

یہ اشارہ خیبر کی غنیمتوں کی جانب ہے۔ جو عنقریب ہاتھ لگنے والی تھیں۔ پھر مومنین اہل مدینہ اہل حدیبیہ کی مدح کے سلسلہ میں ہے۔

فانزل السکینة علیھم واثابھم فتحاً قریباً ومغانم کثیرة یاخذونھا وکان اللہ عزیزاً حکیماً (الفتح ع ۳) — اللہ نے ان لوگوں میں اطمینان پیدا کر دیا، اور انہیں قریب ہی کی ایک فتح دیدی اور بہت سی غنیمتیں بھی جنھیں یہ لوگ لے رہے ہیں اور اللہ بڑا زبردست بڑا حکمت والا ہے۔

فتح قریب اور غنیمت کثیر کی بشارتوں کا تعلق اسی مستقبل قریب کی فتح خیبر سے ہے اور معاً بعد ارشاد ہوتا ہے۔

وعدکم اللہ مغانم کثیرة تاخذونھا فعجل لکم ھذہٖ (ایضاً) — اللہ نے تم سے بہتیری غنیمتوں کا وعدہ کیا ہے کہ تم انھیں لوگے۔ سو سردست تمہیں یہ فتح دیدی ہے۔

اس غنیمت کثیر کی تفصیل سیرۃ ابن ہشام وغیرہ میں درج ہے۔ اور سر ولیم میور نے "لائف آف محمد" میں لکھا ہے کہ اس مقدار کثیر میں مال غنیمت اس سے قبل مسلمانوں کو کبھی نہیں ملا تھا۔ واقعہ کا زمانہ محرم و صفر ۷ھ ہجری مطابق مئی و جون ۶۲۸ء عیسوی ہے۔

غزوۃ الفتح غزوات نبوی کے سلسلہ میں فتح مکہ کا زمانہ (گو صحیح معنی میں غزوہ وہ بھی نہیں) کہنا چاہئے کہ سب سے بڑا کارنامہ ہے اور لڑائیاں چھوٹی بڑی جتنی بھی ہوئیں سب کا مرکزی نقطہ یہی تھا۔

صلح حدیبیہ کا زمانہ فتح مکہ سے کوئی دو سال قبل کا ہے۔ قرآن مجید نے پیش خبری اسی وقت تیقن کے ساتھ کر دی تھی۔

انا فتحنا لک فتحاً مبیناً (الفتح ع ۱) — ہم نے آپ کو (اے پیغمبر) ایک فتح دے دی کھلی ہوئی فتح۔

آیت میں گو اشارہ قریب صلح حدیبیہ کی جانب ہے۔ لیکن سب مانتے ہیں کہ اشارہ بعید فتح مکہ ہی کے جانب ہے۔

عرب اب جوق جوق ایمان لارہے تھے اور قبیلے پر قبیلے اسلام میں داخل ہوتے جارہے تھے۔ فتح مکہ چیز ہی ایسی تھی۔ قرآن مجید نے اس کی اپنی بلیغ زبان میں یوں نقشہ کشی کی ہے۔

اذا جاء نصر الله والفتح ورائیت الناس یدخلون فی دین الله افواجًا (النصر)	جب آگئی اللہ کی مدد اور فتح اور آپ نے لوگوں کو دیکھ لیا کہ فوج کے فوج اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں۔

اور خیر یہ صورت تو فتح مکہ کے بعد واقع ہوئی۔ خود فتح اس طرح حاصل ہوئی کہ گو رسول اللہؐ کے ہمراہ ۱۰ ہزار جان نثار صحابیوں کا لشکر تھا۔ اور عرب کے بڑے بڑے پرقوت قبیلے اپنے الگ جیش بناتے ہوئے۔ اور اپنے اپنے پرچم اڑاتے ہوئے جلو میں تھے۔ لیکن خونریزی دشمن کے اس شہر بلکہ دارالحکومت میں برائے نام ہی ہونے پائی اور شہر پر قبضہ بغیر خون کی ندیاں بہے۔ گویا چپ چاپتے ہو گیا۔

هو الذی کف ایدیهم عنکم و ایدیکم عنهم ببطن مکه من بعد ان اظفرکم علیهم (الفتح ع ۳)	وہ اللہ ہی ہے جس نے روک دیئے اُن کے ہاتھ تم سے اور تمھارے ہاتھ اُن سے شہر مکہ میں بعد اس کے کہ تم کو اس نے اُن پر فتحمند کر دیا تھا۔

اس آیت میں اشارہ جہاں بہ قول بعض شارحین کے حدیبیہ کی طرف ہے۔ وہیں بہ قول بعض دوسرے شارحین کے غیر خونریز فتح مکہ کی جانب ہے۔

فتح مکہ کا یہ عظیم الشان اور دنیا کی تاریخ کے لئے نادر اور یادگار واقعہ رمضان

شہ ہجری مطابق جنوری ۶۳۰ء عیسوی میں پیش آیا۔

غزوہ حُنین

غزوۂ بدر کے علاوہ دوسرا غزوہ جس کا تذکرہ اشارۃً نہیں بلکہ نام کی صراحت کے ساتھ قرآن مجید میں آیا ہے۔ وہ غزوۂ حُنین ہے حُنین ایک وادی کا نام ہے۔ جو شہر طائف سے ۳۰، ۴۰ میل شمال ومشرق میں جبل اوطاس میں واقع ہے۔ یہ عرب کے مشہور جنگجو و جنگباز قبیلہ بنو ہوازن کا مسکن تھا۔ اور اس قبیلہ کے ملکۂ تیر اندازی کی شہرت دور دور تھی۔ انھوں نے فتح مکہ کی خبر پاکر دل میں کہا کہ جب قریش مقابلہ میں نہ ٹھہر سکے۔ تو اب ہماری بھی خیر نہیں۔ اور خود ہی جنگ وقتال کا سامان شروع کردیا۔ اور چاہا کہ مسلمانوں پہ جو ابھی مکہ ہی میں یکجا تھے۔ یک بیک آپڑیں اور اس منصوبہ میں ایک دوسرا پُرقوت و جنگجو قبیلہ بنی ثقیف بھی ان کا شریک ہوگیا اور ہوازن و ثقیف کے اتحاد نے دشمن کی جنگی قوت کو بہت ہی بڑھا دیا۔

حضورؐ کو جب اس کی معتبر خبر مل گئی۔ تو ایک اچھے جنرل کی طرح آپ خود ہی پیش قدمی کرکے باہر نکل آئے اور مقام حُنین پہ غنیم کے سامنے صف آرائی کرلی۔ آپ کے لشکر کی تعداد ۱۲ ہزار تھی ان میں ۱۰ ہزار تو وہی فدائی تھے جو مدینہ سے ہم رکاب آئے تھے۔ دو ہزار آدمی مکہ کے بھی شامل ہوگئے مگر ان میں سب مسلمان نہ تھے۔ کچھ تو ابھی بدستور مشرک ہی تھے، اور کچھ نو مسلم کے بجائے صرف نیم مسلم تھے۔ بہر حال بارہ ہزار کی اس جمعیت کثیر پر مسلمانوں کو ناز ہو چلا۔ کہ جب ہم تعداد قلیل میں رہ کر برابر فتح پاتے رہے۔ تو ابکی تو تعداد اتنی بڑی ہے۔ اب فتح میں کیا شبہ ہوسکتا ہے؟ لیکن جب جنگ شروع ہوئی۔ تو اس کے بعد کے دو اسلامی لشکر

پہ بہت ہی سخت گزرے۔ اور مسلمانوں کا اپنی کثرت تعداد پر فخر کرنا ذرا بھی ان کے کام نہ آیا۔ ایک موقع ایسا بھی پیش آیا کہ اسلامی فوج کو ایک تنگ نشیبی وادی میں اترنا پڑا اور دشمن نے کمین گاہ سے یک بیک ان پر تیروں کی بارش شروع کردی۔ خیر۔ پھر غیبی امداد کا نزول ہوا۔ اور آخری فتح مسلمانوں ہی کے حصہ میں رہی۔

قرآن مجید نے اس سارے اتار چڑھاؤ کی نقشہ کشی اپنے الفاظ میں کردی ہے

ولقد نصرکم اللہ فی مواطن کثیرۃ ویوم حُنین اذ اعجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئاً و ضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین ثم انزل اللہ سکینتہ علیٰ رسولہ وعلی المومنین وانزل جنوداً لم تروھا وعذاب الذین کفروا وذالک جزاء الکافرین۔	اور اللہ نے یقیناً بہت سے موقعوں پر تمہاری نصرت کی ہے۔ اور حُنین کے دن بھی، جبکہ تم کو اپنی کثرت تعداد پر غرہ ہو گیا تھا۔ تو وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی، اور تم پر زمین باوجود اپنی فراخی کے تنگی کرنے لگی۔ پھر تم پیٹھ دے کر بھاگ کھڑے ہوئے اس کے بعد اللہ نے اپنی طرف سے اپنے رسول اور مومنین پر تسلی نازل فرمائی۔ اور اس نے ایسے لشکر اتارے جنہیں تم نہ دیکھ سکے۔ اللہ نے کافروں کو عذاب میں پکڑا اور یہی بدلہ ہے کافروں کے لئے
(التوبہ ع ۴)	

غزوۂ حنین کا زمانہ شوال ۸ ہجری مطابق جنوری ۶۳۰ء کا ہے۔

غزوۂ تبوک

آپ نے اب تک جتنے محاربات کا ذکر سنا، یہ سب قبائل عرب ویہود کے مقابلہ میں تھے۔ مگر اب سامنا ایسے لشکر کا ہونے

والا تھا۔ جو وقت کے معیار کے مطابق ہر طرح کے جدید و متمدن سازوسامان سے آراستہ تھا۔ عرب کے شمال میں حکومت آلِ غسان کی تھی۔ اور یہ ایک باج گزار عیسائی ریاست روم کی عظیم شہنشاہی کی تھی۔ اور روم و ایران یہی دو اس وقت کی تہذیب و تمدن کی ترقیوں کے نمائندے تھے۔ مسلمانوں کو اطلاع ملی کہ رومی شہنشاہ کے حکم سے ۴۰ ہزار فوج کا اجتماع سرحد پر ہو رہا ہے۔ آنحضرت صلعم یہ اطلاع پاکر حسب معمول پیش قدمی کرکے روانہ ہو گئے۔

لشکرِ اسلام بھی اب تعداد میں ۳۰ ہزار تھا۔ اور تبوک پر اس نے کیمپ قائم کر دیا۔ تبوک مدینہ سے ۱۴ منزل کے فاصلہ پر شام کی راہ پر تھا۔ اتنی دور دراز مسافت یوں ہی لوگوں کو کھل رہی تھی۔ پھر گرمیوں کا موسم اور اتفاق سے اس سال گرمی اس زمانہ میں بہت سخت تھی۔ اور باغات مدینہ کی فصل کا زمانہ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مقابلہ ایک متمدن و قواعد داں فوج سے اور اپنی طرف بے سروسامانی کا یہ عالم کہ ایک اونٹ میں کئی کئی سوار شریک اور رسد کی اس درجہ قلت کہ سالم ایک ایک خرما بھی ہر سپاہی کو نصیب نہیں، ان حالات نے مل ملا کر قدرۃً اچھے اچھوں کی ہمت پست کر دی اور لوگ جانے سے جی چرانے لگے۔

اور منافقوں کی تو بن آئی تھی۔ انھوں نے صاف صاف کہنا اور دوسروں کو ورغلانا شروع کر دیا تھا کہ ایسی گرمی میں بھلا کوئی سفر کیسے اختیار کر سکتا ہے؟

قرآن مجید نے ان کا قول مع اس کے رد کے نقل کیا ہے۔

وقالوا لا تنفروا فی الحر قل نار جهنم اشد حرا لو کانوا یفقھون۔
(التوبہ ع ۱۱)

یہ بولے کہ گرمی کے موسم میں نہ نکلو۔ آپ کہہ دیجئے کہ دوزخ کی آگ اس سے (کہیں) زیادہ گرم ہے۔ کیا خوب ہوتا اگر یہ لوگ سمجھ سے کام لیتے۔

اور بعض نے تو یہ لے یہاں تک اونچی کر دی تھی کہ فرمانے لگے۔ کہ رومیوں کی سرزمین پر قدم رکھ کر ہم تو وہیں کے فتنوں کے شکار ہو جائیں گے۔ اس لئے ہمارا نہ جانا ہی بھلا۔ قرآن مجید نے اس عذر کو بھی نقل کر کے اس پر شدید نکیر کی ہے:۔

ومنھم من یقول أذن لی ولا تفتنی الا فی الفتنۃ سقطوا وان جھنم لمحیطۃ بالکافرین
(التوبہ ع ۷)

اور ان میں بعضا شخص وہ بھی ہے جو کہتا ہے کہ مجھے (رہ جانے کی) اجازت دیجئے اور مجھے فتنہ میں نہ ڈالئے سارے فتنہ میں تو یہ خود ہی پڑ چکے ہیں۔ اور یقینا دوزخ ان کافروں کو گھیرے گی۔

اس سب کے باوجود جب آپؐ روانہ ہو گئے ہیں۔ تو ۳۰ ہزار کا لشکر ہمراہ تھا۔ تبوک میں قیام دو مہینہ رہا۔ لیکن غنیم سامنے نہ آیا۔ اور اسلامی لشکر مع الخیر واپس آ گیا۔ قرآن مجید میں اس کا ذکر آیا ہے۔ مگر ضمنا۔ امیر لشکر اور جانباز رفیقوں کی مدح ہے۔ وقت و موسم کی سختی کا پورا لحاظ رکھا ہے (چنانچہ اس غزوہ کا نام ہی جیش العسرۃ پڑ گیا) اور کمزور ارادہ والوں کو معافی کا پروانہ عنایت کیا ہے۔

لقد تاب اللہ علی النبی	اللہ نے حضرت پیمبر کے حال پر توجہ فرمائی اور
والمھاجرین والانصار الذین	مہاجرین اور انصار کے حال پر بھی جنھوں
اتبعوہ فی ساعۃ العسرۃ	نے ایسی تنگی کے وقت میں پیمبر کا ساتھ دیا
من بعد ما کاد یزیغ قلوب	بعد اس کے کہ ان میں سے ایک گروہ کے
فریق منھم ثم تاب علیھم	دل میں کچھ تزلزل ہو چلا تھا۔ پھر اللہ نے
انہ بھم رؤف رحیم	ان کے حال پر بھی توجہ فرمائی۔ بلاشبہ وہ
(التوبہ ع ۱۴)	(ان سب پر) بڑا شفیق ہے بڑا مہربان ہے۔

اس غزوہ کا زمانہ رجب تا رمضان ۹ ہجری مطابق اکتوبر تا دسمبر ۶۳۰ سنہ عیسوی تھا۔

خطبہ (۷)

معاصرین

رسول اللہ کے سیرۃ نگار کے لئے بعض اہم سوالات یہ ہیں کہ آپ کو پیام کیا ملا تھا اور آپ پیامبر بنا کر کس کی طرف بھیجے گئے تھے۔ اور وہ پیام ان لوگوں نے کس رنگ میں سُنا؟

تبلیغ کا حکم اجمالی طور پر تو ایک معنی میں آپ کو بعثت و نبوت کے ساتھ ہی مل گیا تھا۔ چنانچہ ایک ابتدائی سورۃ میں ہے:۔

قم فانذر (المدثر ع ۱) آپ کھڑے ہو جئے اور ڈرایئے۔

لیکن یہاں یہ کچھ تصریح نہیں کہ کس کو ڈرایئے انذار کا عمل کس پر کیجئے اسی طرح یہ آیت بھی رقبہ تبلیغ کے باب میں مجمل ہی ہے۔

وقل انی انا النذیر المبین (الحجر ع ۶) آپ کہہ دیجئے کہ میں تو ایک کھلم ڈرانے والا ہوں۔

اور کچھ ایسا ہی حال اس آیت کا بھی ہے:۔

ان انا الا نذیر و بشیر میں اور کچھ نہیں بجز اس کے کہ نذیر و بشیر

(الاعراف ع ۲۳) ہوں۔

پھر یہ آیت بھی اسی طرح مطلق ہے اور تصریح سے خاموش

فاصدع بما تومر واعرض عن المشرکین — غرض آپ کو جس بات کا حکم دیا گیا ہے اسے صاف صاف سنا دیجئے اور مشرکوں کی پروانہ کیجئے۔ (ایضاً)

اور پھر اسی قسم کا حکم گو اور زیادہ موکد اس آیت سے بھی نکلتا ہے۔

یاایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ (المائدہ ع ۱۰) — اے پیغمبر آپ کے رب کی طرف سے آپ پر جو کچھ نازل ہوا ہے۔ آپ سب پہنچا دیجئے، اور اگر آپنے یہ نہ کیا۔ تو آپ نے اللہ کا ایک پیغام بھی نہ پہنچایا۔

اور اسی قبیل کی یہ آیت بھی ہے۔

انا ارسلناک بالحق بشیراً ونذیراً (البقرہ ع ۱۴) — بیشک ہم نے بھیجا ہو آپ کو دین حق کے ساتھ بشیر و نذیر بنا کر۔

اور یہی آیت سورۃ الفاطر رکوع ۳ میں آئی ہے۔

اور وہیں یہ آیت بھی آئی ہے۔

ان انت الا نذیر (الفاطر ع ۳) آپ تو بس ایک ڈرانے والے ہی ہیں۔

اور اسی مضمون کی اور لفظاً بھی اسی سے ملتی جلتی آیتیں اور بھی ہیں۔

مثلاً

انا ارسلناک بالحق بشیراً — بیشک ہم نے بھیجا ہے آپ کو دین حق کے ساتھ

وّ نذیرا (الفاطر ع ۳) بشیر و نذیر بنا کر۔

اور

وما ارسلناک الا مبشراً وّ نذیراً (بنی اسرائیل ع ۱۲) اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر مبشر و نذیر بنا کر۔

اور ایسی ہی آیتیں سورہ الفتح و سورہ الاحزاب و سورۃ الفرقان میں بھی ملتی ہیں ان ساری آیتوں سے اتنا تو واضح بلکہ موکد طور پر واضح ہو جاتا ہے کہ آپؐ کے ذمہ فریضۂ تبلیغ و دعوت تھا۔ اور آپ شروع ہی سے "بشیر" "نذیر" "مبشر" اور "شاہد" تھے اور یہ سب تصریحات اگر نہ ہوتیں۔ جب بھی خود لفظ رسول کے اندر اجمالاً یہ فرائض آ گئے تھے۔ رسالت کے معنی ہی یہ ہیں کہ کسی کا پیام کسی کو پہنچانا۔ تو آپ کی پیام بری اور پیام رسانی میں تو کوئی اشتباہ اول روز ہی سے نہ تھا۔ گفتگو صرف اس میں ہے کہ آپ کا مخاطب کون سا گروہ کون سا طبقہ، کون سی انسانی آبادی تھی؟

قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ایسا ہوتا ہے کہ آپؐ کے سپرد تبلیغ و ہدایت سب سے پہلے آپ کے کنبہ اور برادری والوں کی ہوئی۔ اور یہ آیت نازل ہوئی۔

وانذر عشیرتک الاقربین (الشعراء ع ۱۱) اور اپنے قریب کے خاندان والوں کو ڈرائیے۔

اور قدرۃً آغاز یہیں سے ہونا بھی تھا۔ اس کے بعد پھر اس قدرتی ترتیب سے دائرہ دعوت وسیع ہو کر قوم عرب یعنی نسل اسمٰعیل تک پہنچا۔ اس کی جانب رہنمائی متعدد آیات سے ہوتی ہے۔

مثلاً

لتنذر قوماً ما انذر آباءھم فھم غافلون (یٰسین ع ۱)	تاکہ آپ ڈرائیں اس قوم کو جس کے آباؤ اجداد ڈرائے نہیں گئے ہیں وہ اس سے بے خبری میں ہیں۔

اس "قوم" سے کھلی ہوئی مراد قوم عرب یا بنی اسمٰعیل سے ہے۔

دوسری آیت اسی تائیدی معنیٰ میں ہے۔

لتنذر قوماً ما اتاھم من نذیر من قبلک (السجدہ ع ۱)	تاکہ آپ اس قوم کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے قبل کوئی ڈرانے والا نہیں آیا ہے

اور یہی مفاد اس قسم کی آیتوں کا بھی ہے جن میں یہ آیا ہے کہ آپ اُمیوں کے درمیان مبعوث کئے گئے ہیں۔ ان کی اصلاح و ہدایت کے لئے۔ مثلاً

ھوالذی بعث فی الامیین رسولاً منھم یتلوا علیھم آیاتہ و یزکیھم و یعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین (الجمعہ ع ۱)	اور اللہ وہی ہے جس نے اُمیوں کے درمیان ایک انہیں میں سے رسول مبعوث کیا۔ جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں اور انہیں پاک صاف بناتے ہیں اور انہیں کتاب و دانائی کی تعلیم دیتے ہیں۔ اگرچہ یہ لوگ قبل اس کے کھلی ہوئی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔

اُمیوں سے کھلی ہوئی مراد ام القریٰ یعنی مکہ معظمہ کے باشندے ہیں اور جب اس کے ساتھ وہ آیت ملائی جائے جس میں تقریباً یہی دعا حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسمٰعیلؑ نے اپنی ذریت کے حق میں کی ہے، یعنی:۔

ربنا وابعث فیھم رسولاً منھم	اے ہمارے رب ہماری ذریت کے درمیان ایک

یتلوا علیھم آیاتک ویعلمھم	رسول انہیں میں سے اٹھا۔ جو انہیں تیری
الکتاب والحکمۃ ویزکیھم	آیتیں پڑھ کر سنائے اور انہیں کتاب و
انک انت العزیز الحکیم	حکمت کی تعلیم دے اور انہیں پاک صاف بنائے
(البقرہ ع ۱۵)	بیشک تو ہی زبردست بھی ہو اور حکمت والا بھی

تو یہ بات اور بھی صاف ہو جاتی ہے کہ امت دعوت ساری نسل اسمٰعیل ہے اب اس کے بعد دائرہ دعوت میں اور وسعت ہوتی ہے اور خود رسول پاک کی زبان سے یہ کہلایا جاتا ہے۔

واُوحی الیّ ھٰذا القرآن	اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہو تاکہ اس
لا نذرکم بہ ومن بلغ	کے ذریعہ سے میں تمہیں بھی خبردار کر دوں اور
(الانعام ع ۲)	جس کسی کو یہ پہنچے اس کو بھی۔

اس ایک ومن بلغ کے اضافہ نے یہ صاف کر دیا کہ دعوت محمدی اب انہیں کے ساتھ مخصوص و محدود نہیں جو آپؐ کے مخاطبین اول تھے۔ بلکہ اس کا دائرہ وسیع ہو کر اس ساری آبادی کو بھی محیط ہو گیا ہے۔ جہاں تک قرآن پہنچ جائے۔ اور چونکہ قرآن کے پہنچ جانے کا امکان روئے زمین کے ہر گوشہ تک ہے اس واسطے دائرہ دعوت بھی گویا اب سارے عالم تک وسیع ہو رہا ہے۔

یہ استنباط پھر بھی بالواسطہ تھا۔ اور کچھ اس قسم کا نتیجہ تکمیل دین والی آیت سے بھی نکالا جا سکتا تھا۔ یعنی

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت	آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا
علیکم نعمتی۔ (المائدہ ع ۱)	اور تم پر پوری کر دی اپنی نعمت۔

اور کہا جا سکتا تھا کہ جب دین کی تکمیل ہر پہلو سے ہوگئی اور اللہ کا انعام ہر طرح پورا ہوگیا، تو اب اولادِ آدم کا کوئی طبقہ اس کے فیض سے باہر کیوں رہے۔ لیکن اب اس بالواسطہ استدلال اور استنباط کی بھی ضرورت نہ رہی بلکہ صاف اور کھلے لفظوں میں ارشاد ہونے لگا کہ پیغام محمدی ملک گیر نہیں بلکہ عالم گیر ہے ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

تبارک الذی نزل الفرقان علیٰ عبدہٖ لیکون للعالمین نذیرا (الفرقان ع ۲)	بابرکت ہے وہ ذات جس نے فیصلہ والی کتاب اپنے بندہ (خاص) پر اتاری تاکہ وہ سارے عالم کو خبردار کرنے والا ہو۔

اور دوسری جگہ ہے۔

ان ھو الا ذکریٰ للعالمین (الانعام ع ۱۰)	یہ (قرآن) نہیں ہے مگر نصیحت سارے عالم کے لئے۔

اور تیسری جگہ براہ راست رسول اللہ کو خطاب کرکے ارشاد ہوا ہے۔

قل یاایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعًا الذی لہ ملک السماوات والارض۔ (الاعراف ع ۲۰)	آپ کہہ دیجئے کہ اے انسانو، میں تم سب کی طرف رسول ہوں اللہ کا جس کی سلطنت آسمانوں اور زمین کی ہے۔

چوتھی آیت بھی ایسی ہی واضح و صریح ہے۔

وما ارسلنٰک الا کافۃ للناس بشیرا ونذیرا (السبا ع ۳)	اور ہم نے نہیں بھیجا آپ کو (اے پیمبر) مگر سارے ہی انسانوں کے لئے بشیر اور نذیر بنا کر۔

غرض یہ کہ آپ کی بعثت و دعوت کا ساری نسل آدم کی طرف ہونا تو ہر طرح ثابت اور یقینی ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ آپ کا سابقہ بہ یک وقت ساری دنیا سے اور دور دراز بسنے والی قوموں سے کیونکر پڑ سکتا تھا۔ قدرۃً براہ راست سابقہ آپ کو انھیں لوگوں سے پیش آیا۔ جو جغرافی اعتبار سے آپ سے متصل تھے۔ یعنی عرب اور خصوصاً اس کے شہروں مکہ و مدینہ یا ان کے حوالی میں آباد تھے۔ تو اب تاریخی سوال یہ رہ جاتا ہے کہ ان اہل ملک نے حضورؐ کے پیام کی پذیرائی کس حد تک اور کیونکر کی؟ —— اور یہیں سے ایک بڑا طویل باب آپ کے معاصرین سے متعلق شروع ہوتا ہے۔

(الف)

مشرکین

ان میں سب سے پہلے نمبر مشرکین کا آتا ہے۔ ان کی اہمیت اسی سے ظاہر ہے کہ مشرکین اور الذین اشرکوا کا ذکر اور شرک کے بابت احکام قرآن مجید میں صدہا آیتوں میں وارد ہوئے ہیں۔ اور ان صریح الفاظ کے علاوہ بالواسطہ بھی جو آیات عبادت غیر اللہ کی ممانعت اور اس پر زجر و ملامت میں وارد ہوئی ہیں ان کی تعداد تو اور بھی زائد ہے۔

محمد صلعم جو پیام لے کر آئے تھے۔ اس کا اہم ترین اور مقدم ترین جزو توحید ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی یکتائی کا اثبات، ذات، صفات، افعال ہر پہلو اور ہر اعتبار سے۔ قرآن نے اسی پیام کو صدہا بار دہرایا ہے۔ مختلف پیرایوں میں۔ اور تاکید سب سے زیادہ اسی کی رکھی ہے۔ کہیں یوں۔

وقال اللہ لا تتخذ وا الٰھین اثنین انما ھو الٰہ واحد (النحل ع ۷)	اور اللہ نے کہا کہ دو خدا نہ بناؤ وہ تو بس ایک ہی خدا ہے۔

اور کہیں یوں۔

قل انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الی انما الٰھکم الٰہ واحد (الکہف ع ۱۲)	آپ کہہ دیجئے کہ میں تو بس بشر ہی ہوں تمہیں جیسا۔ اور مجھ پر وحی یہ آئی ہو کہ تمہارا ایک ہی خدا ہے۔

(وحٰم السجدہ ع ۱)

کہیں مطلق صورت میں ارشاد ہوا ہے کہ

والٰھکم الٰہ واحد لا الٰہ الا ھو (البقرہ ع ۱۹)	اور تمہارا خدا بس اکیلا ہی خدا ہے اس کے سوا کوئی خدا نہیں۔

یا یوں

ھو اللہ الواحد القھار (زمر ع ۱)	وہی اللہ ایک اور زبردست ہے۔

اور کہیں یوں ارشاد فرمایا ہے کہ جیسے یہی معیار اسلام یا انقیاد کا ہے۔

قل انما یوحیٰ الی انما الٰھکم الٰہ واحد فھل انتم مسلمون (الانبیاء ع ۷)	آپ کہہ دیجئے کہ مجھ پر وحی یہ آئی ہے کہ تمہارا خدا بس ایک خدائے واحد ہے، تو اب تم اسلام لاتے ہو؟

اور اس مضمون کی آیتیں ایک دو نہیں، بیسیوں ہیں —— ایک جگہ ایک مختصر جامع سورۃ میں ہر قسم کی توحید کا اثبات اور ہر قسم کے شرک کی نفی کر کے لفظ بھی بجائے "واحد"

کے "احد" لایا گیا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ وہ اللہ ایک ہے اور (سب سے)

قل ھو اللہ احد اللہ الصمد — بے نیاز ہے۔ نہ اس کے کوئی اولاد، نہ وہ کسی

لم یلد و لم یولد و لم یکن لہ کفواً — کی اولاد اور نہ کوئی اس کے جوڑ کا ہے۔

احد (الاخلاص)

اہل لغت اور علماء ادب نے لکھا ہے کہ احد، واحد کی ترقی یافتہ شکل ہو واحد جمع و تعدد کو قبول کر لیتا ہے۔ لیکن 'احد' تعزید میں کامل اور تجرید میں یکتا ہے۔ اور اگر یہ ال کے اضافہ کے ساتھ الاحد کر کے لایا جائے۔ تو یہ اسم ذات کی طرح مخصوص ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے۔ اور ھو اللہ الذی لا الہ الا ھو۔ اور اللہ لا الہ الا ھو، کی قسم کی تو بہ کثرت آیتیں قرآن میں ہیں۔ جن سے خداؤں کے تعدد یا غیر اللہ معبود کے وجود ہی کی سرے سے نفی کی گئی ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ملک میں اس قسم کے شرک جلی کی بڑی گرم بازاری تھی۔ اور سب سے زیادہ یہی لوگ آپ کا پیام سن کر سنی ان سنی کرتے تھے۔ اور چونکہ آپؐ مامور تھے تبلیغ پر جیسا کہ آیات کریمہ

قم فانذر (المدثر ع ۱) — آپ کھڑے ہو جئے اور خبردار کیجئے۔

اور

یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک۔ (المائدہ ع ۱۰) — اے رسول آپ پہنچا دیجئے جو کچھ آپ پر اتارا گیا ہے۔

اور

فانما علیک البلاغ (آل عمران ع ۲) — آپ کے ذمہ تو بس پہنچا دینا ہے۔

اور

فانما علیك البلاغ المبین — آپ کے ذمہ تو بس کھلم کھلا تبلیغ ہی ہے۔
(النحل ع ۱)

اور بہت سی دوسری آیتوں سے ظاہر وثابت ہے۔ اس لئے یہ بات ایک حد تک بالکل قدرتی تھی کہ جو لوگ اپنی وہم پرستیوں میں زیادہ راسخ اور جامد تھے انھوں نے نئی دعوت کو سن کر اس کی مخالفت بھی شدت سے کی۔ اور دعوت و داعی دونوں کے دشمن ہوگئے۔ انھیں حیرت تھی کہ یہ نیا داعی سارے خداؤں کو چھوڑ کر خدائے واحد ویکتا کی طرف کیسے بلا رہا ہے۔ کبھی حیرت اور غصہ کے ساتھ کہتے کہ

هذا ساحر کذاب اجعل الآلهة الٰها واحداً ان هذا لشئی عجاب (ص۔ ع ۱) — یہ شخص ساحر ہے۔ کذاب ہے۔ کیا اس نے تمام خداؤں کو بس ایک خدا بنادیا ہے، یہ بات تو بہت ہی عجیب ہے۔

اور کبھی یہ کہتے کہ۔

ماسمعنا بهذا فی الملته الآخرة ان هذا الا اختلاق (ص ع ۱) — ہم نے تو یہ (کبھی اپنے) پچھلے مذہب میں سنا نہیں ہو نہ ہو یہ گڑھی ہوئی چیز ہے۔

اور اسی طرح قوم نوح نے بھی اپنے نبی کی دعوت توحید پر کہا تھا کہ

ماسمعنا بهذا فی آبائنا الاولین۔ (المومنون ع ۲) — ہم نے اپنے باپ دادوں سے کبھی تو یہ سنا نہیں۔

قدرۃً رسول اسلام کا یہ مطالبہ مخاطبین کو بہت عجیب معلوم ہوتا اور ناگوار بھی گزرتا۔ اور ان کی طرف سے فرمایش طرح طرح معجزات کی ہوتی اور بار بار ہوتی۔

کبھی کہتے۔

لولا یکلمنا اللہ او تاتینا آیۃ (البقرۃ ع ۱۴) — اللہ ہم سے خود بات کیوں نہیں کرتا، یا ہمارے پاس کوئی معجزہ کیوں نہیں آتا۔

اور کبھی پیمبر کی طرف اشارہ کرکے کہتے ہیں کہ

لولا نزل علیہ آیۃ من ربہ (الانعام ع ۱) — ان کے پاس ان کے پروردگار کی طرف سے کوئی معجزہ نہیں آتا۔

یہ مضمون بیسیوں آیتوں میں دہرایا گیا ہے۔ اور کبھی یہ لوگ معجزات کا نام بھی متعین طور پر لے دیتے۔ کہ اگر اپنے دعویٰ رسالت اور تعلق باللہ میں سچے ہو تو فلاں فلاں خارق عادت واقعات کرکے ہمیں دکھا دو۔ چنانچہ کہتے۔

لولا انزل علیہ کنز او جاء معہ ملک (ہود ع ۲) — ان پر کوئی خزانہ کیوں نہ اتار دیا گیا یا ان کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہ آیا۔

اور کبھی یہ کہتے۔

او یلقیٰ الیہ کنز او تکون لہ جنۃ یاکل منہا (الفرقان ع ۱) — ان کی طرف (آسمان سے) کوئی خزانہ ڈال دیا جائے یا ان کے لئے کوئی باغ ہو جس میں سے یہ کھاتے (رہیں)۔

اور کبھی ان فرمائشی خوارق و معجزات کی فہرست خاصی طول طویل ہو جاتی مثلاً یہ کہنے کہ:۔

لن نومن لک حتی تفجر لنا من الارض ینبوعًا او تکون لک — ہم تجھ پر ایمان ہرگز نہ لائیں گے جب تک تم ہمارے لئے زمین سے چشمہ نہ جاری کردو۔

جنۃ من نخیل وعنب فتفجر الانہٰر خلٰلہا تفجیرا او تسقط السماء کما زعمت علینا کسفا او تاتی باللہ والملٰئکۃ قبیلا او یکون لک بیت من زخرف او ترقی فی السماء (بنی اسرائیل ع ۱۰)	یا پھر تیرے لئے ایک باغ کھجوروں اور انگوروں کا ہو۔ اور تو اس کے درمیان نہریں جاری کردے یا آسمان کا کوئی ٹکڑا توڑ کر گرا دے جیسا کہ تیرا دعویٰ ہے یا اللہ اور فرشتوں کو تو ہمارے سامنے لے آئے یا تیرے لئے گھر سونے کا ہو جائے یا تو آسمان پر (ہماری آنکھوں کے سامنے) چڑھ جائے

یہ ساری آیتیں مکی ہیں۔ اور ایسے فرمائشی معجزات کے مطالبے اہل مکہ خصوصاً قریش ہی کی جانب سے زیادہ پیش ہوتے رہتے تھے ——— اور ان کے شرک کے یہ معنی نہ تھے کہ یہ لوگ اللہ کے وجود کے منکر ہوں۔ اور اس کے بجائے اور اور خدا تسلیم کر رہے ہوں۔ نہیں یہ لوگ اللہ کے وجود کے پوری طرح قائل تھے۔ لیکن اسے خدائے واحد یکتا نہیں۔ بلکہ صرف خدائے اعظم تسلیم کرتے تھے۔ یعنی گو سب سے بڑا خدا اللہ ہے۔ تاہم اس کے ساتھ یا شاید اس کے ماتحت اور بھی بہت سے خدا ہیں۔ اور معبودیت وحاجت روائی میں اسی کی طرح ہیں، بلکہ شاید اس سے بھی بڑھ کر۔ اور اس لئے اس مشرکانہ منطق میں تعلق انہیں سے زیادہ رکھنا چاہیئے۔ قرآن مجید نے اس عقیدہ پر سخت جرح کی۔ اور بار بار سوالات کر کے: اہل جاہلیت کو ان کی جہالت پر متنبہ و آگاہ کیا چنانچہ ایک جگہ یہ جرحی سوالات بہت دور تک چلے گئے ہیں،

ءآللہ خیر اما یشرکون امن خلق السماوات والارض وانزل لکم من السماء ماء فانبتنا بہ	(بھلا بتاؤ تو کہ) اللہ بہتر ہے یا وہ جنہیں یہ لوگ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں؟ آیا وہ ذات جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ اور آسمان سے

حدائق ذات بهجة ما كان لكم
ان تنبتوا شجرها ءاله مع الله
بل هم قوم يعدلون امن جعل
الارض قرارا وجعل خلالها
انهارا وجعل لها رواسى
وجعل بين البحرين حاجزا ء
اله مع الله بل اكثرهم لا يعلمون
امن يجيب المضطر اذا دعاه و
يكشف السوء ويجعلكم خلفاء الارض
ءاله مع الله قليلا ما تذكرون امن
يهديكم فى ظلمات البر والبحر
ومن يرسل الريح بشرا بين
يدى رحمته ءاله مع الله تعالى
الله عما يشركون - امن يبدؤا
الخلق ثم يعيده ومن يرزقكم
من السماء والارض ءاله مع الله
قل هاتوا برهانكم ان كنتم
صادقين -

(النمل ع ٥)

اس نے تمہارے لئے پانی برسایا پھر اس کے ذریعہ سے
ہم نے رونق دار باغ اگائے۔ اور تم سے تو ممکن نہ تھا کہ
تم اُن کے درختوں کو اُگا سکو۔ تو کیا اللہ کے ساتھ کوئی
اور خدا بھی ہے؟ یا وہ ذات جس نے زمین کو قرار گاہ
بنایا اور اس کے درمیان درمیان ندیاں بنائیں
اور اس کے لئے پہاڑ بنائے اور دو سمندروں کے
درمیان حد فاصل بنائی۔ تو کیا اللہ کے ساتھ کوئی
اور خدا بھی ہے؟ نہیں بلکہ ان میں سے اکثر تو سمجھتے
ہی نہیں۔ آیا وہ جو بیقرار کی (فریاد) سنتا ہے جب
وہ اس کو پکارتا ہے اور مصیبت کو دور کر دیتا ہے
اور تم کو زمین پر صاحب تصرف بناتا ہے۔ تو کیا اللہ
کے ساتھ کوئی اور خدا بھی ہے؟ بہت ہی کم تم لوگ
یاد رکھتے ہو۔ آیا وہ جو تمہیں خشکی اور سمندر کی تاریکیوں
میں راستہ سجھاتا ہے۔ اور جو ہواؤں کو بارش سے
پہلے بھیجتا ہے۔ جو خوشخبری دیتی ہیں۔ تو کیا اللہ کے
ساتھ کوئی اور خدا بھی ہے؟ اللہ برتر ہے ان لوگوں کے
شرک سے آیا وہ جو مخلوق کو اول بار پیدا کرتا ہے
اور پھر اس کو دوبارہ پیدا کرے گا اور جو تمہیں رزق
دیتا ہے آسمان و زمین سے تو کیا اللہ کے ساتھ کو

اور خدا بھی ہو؟ آپ کہئے کہ تم اپنی دلیل لاؤ
اگر تم (دعوائے شرک میں) سچے ہو۔

ان آیتوں میں مشرکین پر حجت قائم کی ہے۔ کہ جب اللہ ہی خالق وحافظ، رازق ونافع اور ناظم امور ہے۔ اور تم اسے تمامتر تسلیم بھی کرتے ہو تو آخر یہ تمھیں کیا سودا ہے کہ تم اس کے ہوتے ہوئے دوسرے دوسرے خداؤں کی طرف جھکتے ہو۔ اُن سے اپنی حاجتیں عرض کرتے ہو اور انھیں بھی درجہ معبودیت میں رکھتے ہو!

اور اسی طرح کی آیتیں بلکہ ان سے بھی زیادہ واضح ایک دوسری جگہ بھی وارد ہوئی ہیں۔ رسول کو مخاطب کرکے ارشاد ہوا ہے۔

قل لمن الارض ومن فیھا ان کنتم تعلمون۔ سیقولون للہ قل افلا تذکرون قل من رب السماوات السبع ورب العرش العظیم۔ سیقولون للہ قل افلا تتقون قل من بیدہ ملکوت کل شیء وھو یجیر ولا یجار علیہ ان کنتم تعلمون سیقولون للہ قل فانی تسحرون

(المومنون ع ۵)

آپ کہئے کہ یہ زمین اور جو اس پر رہتے ہیں یہ سب کس کے ہیں۔ اگر تم کچھ خبر رکھتے ہو؟ (اس پر) وہ ضرور یہ کہیں گے کہ یہ اللہ کے ہیں۔ ان سے کہئے کہ پھر تم کیوں غور نہیں کرتے۔ آپ یہ بھی کہئے کہ (ان سات) آسمانوں کا مالک اور عالی شان عرش کا مالک کون ہے؟ وہ ضرور یہی کہیں گے کہ یہ بھی اللہ کا ہے۔ آپ کہئے کہ پھر تم کیوں نہیں ڈرتے؟ آپ یہ بھی کہئے کہ وہ کون ہے جس کے ہاتھ میں تمام چیزوں کا اختیار ہے اور وہ پناہ دیتا ہے اور کوئی اس کے مقابلہ میں کسی کو پناہ نہیں دے سکتا۔ اگر تمہیں کچھ بھی خبر ہے؟ اب بھی

وہ ضرور ہی یہ کہیں گے کہ یہ سب اوصاف اللہ
کے ہیں۔ آپ کہئے کہ پھر تمھیں کیا خبط ہو رہا ہے؟
اور اسی طرح ایک جگہ اور انھیں مشرکوں کی زبان سے اقرار کرایا ہے کہ خالق
آسمان و زمین اللہ ہی ہے۔

ولئن سالتھم من خلق السماوات والارض لیقولن اللہ (لقمان ع ۳)
اور اگر آپ اُن سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہو تو یہ بول اٹھیں گے کہ اللہ نے۔

چنانچہ جن آیتوں میں اثبات توحید اور ممانعت شرک پر زور دیا ہے وہاں
اکثر یہ بھی بڑھا دیا ہے کہ عبادت کا حقدار بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

واعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئا۔ (النساء ع ۶)
عبادت اللہ کی کرو اور کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ کرو۔

یا

ولا یشرک بعبادۃ ربہ احدا (الکہف ع ۱۲)
(انسان کو چاہیئے کہ) اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

جن کی عبادتوں میں یہ مشرکین عرب لگے رہتے تھے۔ اُن کا وجود خارج میں
سرے سے تھا ہی کہاں؟ ان لوگوں نے محض ایک خیالی اور ذہنی وجود عطا
کر رکھا تھا۔

ما تعبدون من دونہ الا اسماء سمیتموھا انتم وآباؤکم
اور تم اللہ کے سوا جن کو پوجتے ہو وہ تو بس نام ہی نام ہیں، جو تم نے اور تمھارے باپ

ما نزل اللہ بہا من سلطان   دادوں نے دے رکھے ہیں۔
(یوسف ع ۵)
اس شرک کا ایک خاص مظہر بت پرستی تھی، نام لے کر اس کی ممانعت وارد ہوئی
فاجتنبوا الرجس من   بتوں کی پلیدی سے بچو۔
الاوثان -   (الحج ع ۴)

اور یہ اوثان ہی کا لفظ پرانی مشرک قوموں یعنی قوم نوح (عنکبوت ع ۲) اور قوم ابراہیم (عنکبوت ع ۳) کے حق میں بھی وارد ہو چکا ہے۔ یہ مورتیاں عموماً پتھر کی بنی ہوئی ہوتی تھیں، چنانچہ قرآن مجید میں دو جگہ جو ذکر آتش دوزخ کے سلسلہ میں انسانوں کے ساتھ پتھروں کا آیا ہے۔ ایک جگہ سورۃ البقرۃ کے رکوع ۳ میں وقودھا الناس والحجارۃ۔ اور دوسری جگہ انہیں الفاظ کے ساتھ سورۃ التحریم کے رکوع اول میں تو دونوں جگہ پتھر سے مراد پتھر کی تراشی ہوئی مورتیاں ہی ہیں، اور ان بڑی مورتیوں میں سے تین کا ذکر نام کے ساتھ قرآن مجید میں آیا ہے ایک لات دوسرے عزیٰ اور تیسرے منات۔

افرأیتم اللات والعزیٰ   بھلا تم نے نظر نہیں کی ہے لات پر اور عزیٰ
ومناۃ الثالثۃ الاخریٰ۔   پر اور تیسرے اور منات پر۔
(النجم ع ۱)

تاریخ و سیر کی کتابوں میں آتا ہے کہ یہ تینوں بت عرب کے مشہور و پُر قوت قبیلوں کے تھے۔ اور قرآن مجید نے قوم نوح کے جن دیوتاؤں کے نام سورہ نوح ع ۲ میں گنائے ہیں۔ ود۔ سواع۔ یعوق۔ یغوث۔ نسر۔ تاریخوں میں آتا ہے کہ

یہ بت جاہلی عربوں کے بھی تھے اور عراق سے آکر عرب میں بھی پجنے لگے تھے۔

اہل جاہلیت کا اپنی صفائی میں کہنا یہ تھا کہ ہم ان بتوں کو کہیں خدا تھوڑے ہی سمجھ رہے ہیں۔ ہم تو انھیں بارگاہ خداوندی کے لئے محض ایک وسیلہ گردانتے اور انھیں محض شافع یا سفارش کرنے والے مانتے ہیں۔

ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفیٰ (الزمر ع ۱)	ہم تو انھیں محض اس لئے پوجتے ہیں کہ یہ اللہ سے ہمیں قریب کر دیں۔

اللہ یا خدائے اعظم کے لفظی اعتراف و اعتقاد کے ساتھ عمل میں ان مشرکین عرب کا یہ حال تھا کہ اپنے پیداوار اور اپنے جانوروں میں جو حصے لگاتے، ان میں اللہ کے نام والے حصے تو بتوں کی طرف بے تکلف منتقل کر دیتے لیکن یہ نہ کرتے کہ بتوں والے حصے اللہ کی طرف منتقل کر دیں۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے۔

وجعلوا للہ مما ذرا من الحرث والانعام نصیباً فقالوا ھذا للہ بزعمھم وھذا لشرکائنا فما کان لشرکائھم فلا یصل الی اللہ وما کان للہ فھو یصل الی شرکاءھم ساء ما یحکمون (الانعام ع ۱۶)	اور اللہ تعالیٰ نے جو کھیتی اور مویشی پیدا کئے ہیں ان لوگوں نے اس میں سے کچھ حصہ اللہ کا مقرر کیا ہے اور بزعم خود کہتے ہیں کہ یہ ہمارے معبودوں کا ہے۔ پھر [illegible] ان کے معبودوں کی ہوتی ہے وہ تو اللہ کی طرف نہیں پہنچتی ہے اور جو چیز اللہ کی ہوتی ہے وہ ان کے معبودوں کی طرف پہنچ جاتی ہے کیا بری تجویز ان لوگوں نے نکال رکھی ہے۔

ان مشرکانہ عقائد کا اثر ان مشرکوں کے اعمال اور ساری زندگی پر بھی پڑا تھا اور یہ لوگ طرح طرح کے خرافات و اوہام میں مبتلا ہو گئے تھے۔ ان میں سے ایک بڑی چیز

ان کی عادت اولاد کشی تھی اور کھانے پینے کی چیزوں میں سے فلاں فلاں کا فلاں فلاں طبقہ کے لئے حرام کر لینا تھا۔ قرآن مجید نے اسی سورہ انعام کی اسی آیت کے متصل ان چیزوں کو بھی ذرا تفصیل سے بیان کیا ہے۔ شروع کی آیت ہے۔

وکذالک زین لکثیر من المشرکین قتل اولادھم شرکاؤھم لیردوھم ولیلبسوا علیھم دینھم۔ (الانعام ع ۱۶)

اور اسی طرح کثرت سے مشرکین کے خیال میں اپنی اولاد کے ہلاک کر ڈالنے کو ان کے معبودوں نے اچھا بنا رکھا ہے۔ تاکہ ان کو برباد کر دیں اور ان کے دین کو ان کی نظر میں مخبوط کر دیں۔

اور آخری آیت ہے۔

قد خسر الذین قتلوا اولادھم سفھا بغیر علم وحرموا ما رزقھم اللہ افتراءً علی اللہ قد ضلوا وما کانوا مھتدین (الانعام ع ۱۶)

یقیناً گھاٹے میں آ گئے جنھوں نے ہلاک کر ڈالا اپنی اولاد کو حماقت سے بغیر کسی سند کے اور اللہ نے جو کچھ کھانے پینے کو دیا تھا اسے حرام کر لیا۔ اللہ پر جھوٹ باندھ کر بیشک یہ لوگ گمراہ ہو گئے اور راہ یاب نہ ہوئے۔

بت پرستی کے علاوہ یہ مشرکین ملائکہ پرستی میں بھی مبتلا تھے۔ اور ملائکہ کو انھوں نے خدا کی بیٹیاں یا دیویاں ٹھہرا لیا تھا ارشاد ہوا ہے

وجعلوا لہ من عبادہ جزءاً ان الانسان لکفور مبین ام اتخذ مما یخلق بنات واصفٰکم بالبنین

اور ان مشرکوں نے خدا کے بندوں سے خدا کا ایک جزو ٹھہرا لیا۔ بیشک انسان صریح ناشکرا ہے۔ کیا اللہ نے اپنی مخلوقات میں سے بیٹیاں

(الزخرف ع ۲) اپنے لئے بیں اور بیٹوں سے تمھیں معزز کیا۔

اور دوسری جگہ رسول سے خطاب ہے۔

فاستفتھم الربک البنات ولھم البنون ام خلقنا الملائکۃ اناثاً وھم شاھدون۔ (الصافات ع ۵)

ان مشرکوں سے پوچھیے کہ کیا آپ کے پروردگار کے لئے تو لڑکیاں ہیں اور ان لوگوں کے لئے لڑکے ہیں؟ کیا ہم نے فرشتوں کو لڑکیاں پیدا کیا اور یہ لوگ اس کے گواہ تھے۔

ملائکہ پرستی کے علاوہ جنات پرستی بھی ان کے اندر موجود تھی۔

وجعلوا للہ شرکاء الجن وخلقھم (الانعام ع ۱۲)

اور مشرکوں نے جنات کو اللہ کا شریک بنالیا حالانکہ اللہ ہی نے انھیں پیدا کیا ہے۔

جنات کو وہ اللہ کا قرابت دار سمجھتے تھے۔

وجعلوا بینہ و بین الجنۃ نسبا (الصافات ع ۵)

ان مشرکوں نے اللہ اور جنات کے درمیان رشتہ داری بنالی ہے۔

آفتاب پرستی اور ماہتاب پرستی کی جو صریح ممانعت قرآن مجید میں آئی ہے

لا تسجدوا للشمس ولا للقمر (حم السجدہ ع ۵)

نہ سورج کے آگے جھکو اور نہ چاند کے۔

اس سے اندازہ یہی ہوتا ہے کہ معاصر مشرکین عرب، اجرام فلکی کی پرستش میں بھی بند نہ تھے۔

شراب، جوا، اور قمار کی مختلف قسمیں اتنی شائع تھیں کہ انھیں سختی سے روکنا پڑا۔

انما الخمر والمیسر والانصاب

بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور بتوں کے

والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون ۔ انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمر والمیسر ویصدکم عن ذکر اللہ وعن الصلوٰۃ فھل انتم منتھون ۔

(المائدہ ع ۱۲)

تھان اور قرعہ کے تیر سب گندی باتیں شیطانی کام ہیں، سو ان سے بالکل الگ رہو تاکہ فلاح پاؤ۔ شیطان تو بس یہی چاہتا ہو کہ شراب اور جوے کے ذریعہ سے تمہارے آپس میں عداوت اور بُغض واقع کر دے اور اللہ کی یاد سے اور نماز سے تم کو باز رکھے۔ سو اب بھی تم ان چیزوں سے باز آؤ گے۔

اور سود خواری کو توجس اہتمام بلیغ سے قرآن نے منع کیا ہے۔ وہ دس دلیلوں کی ایک دلیل ہے۔ اس واقعہ تاریخی کی کہ مشرکین عرب کے معاشرہ میں سود خواری خوب رچی بسی ہوئی تھی۔ ایک جگہ ارشاد ہوا۔

اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربوا ان کنتم مومنین

اللہ سے ڈرو اور چھوڑ دو بقیہ سود کو اگر تم (واقعی) مسلمان ہو۔

(البقرہ ع ۳۸)

دوسری جگہ بھی اسی تاکید کے ساتھ ہے۔

لاتاکلوا الربا اضعافاً مضعافاً واتقوا اللہ لعلکم تفلحون

سود نہ کھاؤ دونا چوگنا۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ تاکہ تم فلاح پاجاؤ۔

(آل عمران ع ۱۴)

تیسری جگہ اسی شدت کے ساتھ۔

الذین یاکلون الربا لایقومون

جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قبروں سے) نہیں

الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطان من المس ۔ (البقرع ۳۸) — نہیں ئے مگر اس شخص کی طرح جس کو شیطان نے آسیب پہنچا کر دیوانہ بنا دیا ہو۔

اور پھر سب سے بڑھ کر۔

فان لم تفعلوا فأذنوا بحرب من اللہ ورسولہ (البقرع ۳۸) — اگر تم سود نہیں چھوڑتے ہو تو اشتہار جنگ سن لو اللہ اور اس کے رسول سے۔

اولاد کُشی کا مرض بھی (کچھ آج ہی کے حالات سے ملتا ہوا) معاشی بنیادوں پر خوب پھیلا ہوا تھا۔ اس لئے علاوہ ان آیتوں کے جو پہلے مذکور ہو چکیں۔ اس کی ممانعت اور اس پر وعید خاص طور سے نازل ہوئی۔ مثلاً

ولا تقتلوا اولادکم خشیۃ املاق نحن نرزقھم وایاکم ان قتلھم کان خطأً کبیرا۔ (بنی اسرائیل ع ۴) — اور اپنی اولاد کو ہلاک نہ کر ڈالا کرو ناداری کے اندیشہ سے ہم ہی ان کو بھی روزی دیتے ہیں اور تم کو بھی بیشک ان کا مار ڈالنا بڑا بھاری گناہ ہے۔

اس اولاد کُشی میں بھی خصوصیت کے ساتھ رواج دُختر کُشی کا بعض قبیلوں میں تھا۔ ان کے شرمندہ کرنے کا ذکر حشر میں ان سے سوال کے وقت کا کیا گیا۔

واذا الموؤدۃ سئلت بای ذنب قتلت (التکویر) — اور جب زندہ دفن کی گئی لڑکی سے (حشر میں) سوال ہوگا کہ وہ کس جرم میں مار ڈالی گئی۔

بے حیائی۔ بے حجابی۔ بلکہ بے ستری کے عیب بھی عام تھے۔ چنانچہ فاحشہ وفحش کی ممانعت بار بار آئی ہے۔ اور اس قسم کی آیتیں بھی جا بجا ملتی ہیں۔

* ولا تقربوا الفواحش ما ظھر منھا — اور بےحیائیوں کے پاس بھی نہ جاؤ۔ خواہ

وما بطن (الانعام ع ۱۹) وہ علانیہ ہوں یا پوشیدہ۔

یا مثلاً

قل انما حرم ربی الفواحش آپ کہہ دیجئے کہ میرے پروردگار نے تو بس
ماظھر منھا وما بطن بیحیائیوں کو حرام کر دیا ہے۔ خواہ علانیہ
(الاعراف ع ۴) ہوں یا پوشیدہ۔

اور زنا کے لئے جو ہر جاہلی تمدن کی طرح اس عرب تمدن میں عام تھا۔ یہ تہدیدی حکم نازل ہوا۔

ولا تقربوا الزنا انہ کان فاحشۃ اور زنا کے پاس بھی نہ پھٹکو۔ بیشک وہ
وساء سبیلا (بنی اسرائیل ع ۴) بیحیائی ہے اور ایک بری راہ بھی۔

ایک دستور یہ بھی جاری تھا، کہ خوشحال لوگ اپنی باندیوں کے جسم کو کرایہ پر چلاتے تے۔ وحی محمدی اسے کیسے نظرانداز کر سکتی تھی۔ ارشاد ہوا۔

ولا تکرھوا فتیاتکم علی البغآء اور اپنی باندیوں کو حرامکاری پر مجبور نہ
(النور ع ۴) کرو۔

کہیں کہیں عورتوں کو وراثت کا مال سمجھ کر خود ان پر بھی قبضہ کر لیا جاتا تھا۔ حکم آیا کہ ایسا ہرگز درست نہیں۔

لا یحل لکم ان ترثوا النساء تمھارے لئے جائز نہیں کہ تم زبردستی عورتوں
کرھا (النساء ع ۳) کے مالک بن جاؤ۔

یہ بھی ایک دستور تھا، کہ اپنی حقیقی ماں کے سوا۔ اور جو عورتیں باپ کے عقد میں ہوتی تھیں۔ انھیں مال وراثت سمجھ کر انھیں اپنی بی بی بنا لیا جاتا تھا۔ یہ رسم

بھی حکماً منائی گئی۔

ولا تنکحوا ما نکح آباؤکم من النساء الا ما قد سلف انہ کان فاحشۃ ومقتا وساء سبیلا۔ (نساء ع ۳)	اور تم ان عورتوں سے عقد مت کرو جن سے تمہارے باپ عقد کر چکے ہوں مگر ہاں جو ہو چکا ہو چکا۔ بیشک یہ بڑی بےحیائی اور نفرت کی بات ہے اور بہت بُرا طریقہ ہے۔

عورتوں۔ مردوں کا آزادانہ میل جول اور اختلاط، اور لباس میں بے احتیاطی اور بد نظری۔ آج ہی کل کی تہذیب و تمدن کی طرح عام تھیں۔ ان سب پر طرح طرح کی پابندیاں لگائی گئیں۔ اور حد بندیاں عاید کی گئیں۔ ارشاد ہوا۔

قل للمومنین یغضوا من ابصارھم ویحفظوا فروجھم ذالک ازکی لھم (النور ع ۴)	اے پیمبر مومنوں سے کہد یجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں کہ یہ ان کے لئے زیادہ پاکیزگی کا باعث ہے

اور عورتوں کے حق میں اس سے کہیں زیادہ پابندیاں بڑھا کر ارشاد ہوا، کہ

وقل للمومنات یغضضن من ابصارھن ویحفظن فروجھن ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن ولا یبدین زینتھن الا لبعولتھن (النور ع ۴)	اور مومن عورتوں سے کہد یجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ ہوتے دیں بجز اس کے جو اس میں سے کھلا ہوا ہے اور اپنی چادریں اپنے گریبانوں پر ڈال رکھیں اور اپنی زینت نہ ظاہر ہونے دیں بجز اس کے کہ اپنے شوہروں پر۔

ان قریبی رشتوں کے نام بھی اس آیت میں آگے درج ہیں۔ رسالت محمدی کو جو معاشرہ تیار کرنا تھا۔ اس میں بخلاف معاشرۂ جاہلی کے یہ ساری قیدیں ضروری تھیں۔ چنانچہ آگے پھر ارشاد ہوا ہے کہ:۔

ولا یضربن بارجلھن لیعلم ما یخفین من زینتھن (النور ع ۴) — اور عورتیں زمین پر بھی اپنے پیر نہ ماریں کہ جس سے وہ زینت جسے وہ چھپاتی ہیں ظاہر ہو جائے۔

بلکہ ازواج نبی اور بنات نبی کے علاوہ عام مومنات کے لئے بھی یہ قاعدہ نافذ ہو گیا کہ

یدنین علیھن من جلابیبھن (احزاب ع ۲) — اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکائے رہیں۔

ایک جامع آیت میں آپ کو یہ بتا دیا کہ عورتیں جب آپ کی خدمت میں بیعت اسلام کے لئے حاضر ہوں تو آپ ان سے بیعت فلاں فلاں امور کے لئے لیں

یا ایھا النبی اذا جاءک المومنات یبایعنک علیٰ ان لا یشرکن باللہ شیئا ولا یسرقن ولا یزنین ولا یقتلن اولادھن ولا یاتین ببھتان یفترینہ بین ایدیھن وارجلھن ولا یعصینک فی معروف فبایعھن (الممتحنہ ع ۲) — اے نبی جب مومنات آپ کے پاس ان امور پر بیعت کرنے آئیں کہ وہ اللہ کا شریک کسی شے کو نہ کریں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی۔ اور نہ اپنی اولاد کو ہلاک کر ڈالیں گی اور نہ کوئی بہتان کی ردو ادا لائیں گی جس کو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان بنالائیں اور نہ مشروع باتوں میں آپ کے خلاف کریں گی۔ تو آپ ان کو بیعت کر لیا کیجئے۔

اور عورت کی عام حالت اس جاہلی معاشرہ میں یہ تھی کہ لڑکی کا وجود باپ کے لیے باعث ننگ و کدورت تھا۔ اور اس کے لئے ایسی شرم کی چیز تھی کہ وہ ہر طرف منہ چھپائے چھپائے پھرتا تھا۔

قرآن مجید عربی معاشرہ کا یہ نقشہ یوں کھینچتا ہے۔

واذا بشر احدھم بالانثیٰ ظل وجھه مسودًا وھو کظیم یتوارٰی من القوم من سوء ما بشر به ایمسکه علیٰ ھون ام یدسه فی التراب (نحل ع ۷)	اور جب ان میں سے کسی کو لڑکی کی خوشخبری سنائی جاتی ہے۔ تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے۔ اور غصہ کے گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے وہ اس خبر کے رنج سے لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے اور دل میں سوچتا ہے کہ اسے ذلت کے ساتھ قبول کرے یا زندہ زمین میں دفن کر دے۔

جاہلی عرب کے عقائد اور اخلاق و معاملات کی دنیا میں تو یہ اندھیر مچا ہوا تھا ہی۔ عبادات کے عالم میں بھی سکہ جہالت و جاہلیت ہی کا رواں تھا۔ کعبہ کو واجب التعظیم اور اس کے زائرین کی خدمت کو اپنے لئے باعث فخر و سعادت یہ لوگ بھی اپنے لئے سمجھتے تھے۔

جیسا کہ سورہ توبہ کے رکوع ۲ کی آیت۔ اجعلتم سقایة الحاج وعمارة المسجد الحرام سے ظاہر ہو رہا ہے لیکن ان کی عبادت کا طریقہ کیا تھا؟ خانہ کعبہ کے گرد سیٹیاں بجانا اور تالیاں بجانا!

وما کان صلاتھم عند البیت الا مکاء وتصدیة (انفال ع ۴)	ان مشرکوں نے خانہ کعبہ کا پاس نہیں کیا بجز سیٹیاں بجانے اور تالیاں بجانے کے۔

بلکہ اس عبادت کے وقت تو ان جاہلیوں کو رفع برہنگی اور لباس ساتر کی بھی پروا نہ تھی اور اس لئے قرآن مجید نے تاکید کی کہ

یا بنی آدم خذوا زینتکم عند کل مسجد (الاعراف ع ۳)	اے بنی آدم تم مسجد میں حاضری کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو۔

اور مسلمانوں کی عبادت پر تو یہ لوگ اہل کتاب کے ساتھ مل کر مضحکہ و استہزا ہی کرتے رہتے۔

واذا نادیتم الی الصلوٰۃ اتخذوھا ھزوًا ولعبًا (مائدہ ع ۹)	اور اے مسلمانوں جب تم نماز کے لئے پکارتے ہو تو یہ لوگ اس کے ساتھ ہنسی اور کھیل کرتے ہیں۔

مشرکین عرب کے بنیادی عقائد کے سلسلہ میں ان کی اعتقادی زندگی کے ساتھ ساتھ ان کی عملی۔ معاشری۔ اخلاقی زندگی کا بھی ذکر آگیا۔ لیکن شرک جلی کی یہی ایک قسم ان میں رائج نہ تھی بعض کے عقائد کے ڈانڈے دہریت کی سرحدوں سے چھو جاتے تھے۔ چنانچہ قرآن مجید نے ان کا یہ قول نقل کیا ہے۔

ما ھی الا حیاتنا الدنیا نموت ونحیا وما یھلکنا الا الدھر۔ (الجاثیہ ع ۲)	کوئی اور زندگی نہیں ہو بجز اس دنیوی زندگی کے ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں۔ اور ہمیں کوئی نہیں مارتا ہے۔ بجز زمانہ کے۔

یعنی کوئی خالق بالا رادہ موجود نہیں۔ جو کچھ بھی ہوتا ہے۔ مادی حیثیت سے زمانہ ہی کے الٹ پھیر سے ہوتا رہتا ہے۔ اور آخرت کی جزا و سزا سے انکار تو ان کے ہاں عام تھا۔ اور جو خدا کے کسی درجہ میں قائل بھی تھے وہ بھی اس کے قائل

بہرحال نہ تھے کہ موت کے بعد کسی اور عالم میں جانا اور وہاں کسی حاکم سے سابقہ پڑنا، اور کسی مالک کے حضور میں جانا ہے۔ یہ علانیہ کہتے۔

ان ھی الا حیاتنا الدنیا وما نحن بمبعوثین (الانعام ع ۳) — کہ زندگی تو بس فی الحال کی ہے اور ہم بعد کو اٹھائے جانے کے نہیں۔

انکار آخرت کے اقوال قرآن مجید نے ان لوگوں کی زبان سے اس کثرت سے نقل کئے ہیں کہ معلوم ایسا ہونے لگتا ہے کہ شاید انکار توحید سے بھی بڑھ کر یہ لوگ انکار آخرت میں سخت تھے اور یہ بات ان کی سمجھ میں کسی طرح نہیں آ رہی تھی۔ کہ اس حیات مادی کے بعد ایک اور عالم بھی ہے۔ جہاں اس زندگی کے اعمال کی پرسش ہوگی۔ ان پچاسوں بلکہ شاید سیکڑوں اقوال سے صرف دو چار بہ طور نمونہ نقل ہو جانے کافی ہوں گے۔

یقولون ءانا لمردودون فی الحافرۃ ءاذا کنا عظاما نخرۃ قالوا تلک اذا کرۃ خاسرۃ۔ (النازعات ع ۱) — کہتے ہیں کہ ہم پہلی حالت میں پھر واپس ہوں گے کہ جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے۔ پھر واپس ہوں گے کہتے ہیں کہ اس صورت میں یہ تو ایسی بڑے خسارہ کی ہوگی۔

اور جنات کی زبان سے ہے۔

انھم ظنوا کما ظننتم ان لن یبعث اللہ احدا (الجن ع ۱) — اور جیسا تم جنات نے خیال کر رکھا تھا۔ ویسا ہی ان انسانوں نے بھی خیال کر رکھا تھا کہ اللہ کسی کو دوبارہ زندہ نہیں کریگا۔

اور پھر ایک جگہ منکرین کا قول نقل کیا ہے۔

هٰذا شَیْءٌ عَجِیبٌ، اِذا مِتْنا وَکُنّا تُراباً ذٰلِكَ رَجْعٌ بَعِیدٌ (ق - ع ۱)	یہ تو عجیب بات ہے۔ کیا جب ہم مر گئے اور مٹی ہو گئے (تو دوبارہ زندہ ہوں گے) یہ دوبارہ زندہ ہونا تو بہت ہی بعید ہے۔

پیمبر کی اس تذکیر آخرت پر بڑی حیرت سے یہ لوگ آپس میں کہتے۔

هَلْ نَدُلُّکُمْ عَلٰی رَجُلٍ یُنَبِّئُکُمْ اِذا مُزِّقْتُمْ کُلَّ مُمَزَّقٍ اِنَّکُمْ لَفِی خَلْقٍ جَدِیدٍ اَفْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِباً اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ (السباء ع ۱)	ہم تم کو ایسا آدمی بتائیں نہ، جو تم کو یہ خبر دیتا ہے کہ جب تم ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے تو ضرور ایک نئے جنم میں آؤ گے۔ اس شخص نے یا تو خدا پر جھوٹ باندھ لیا ہے یا اسے کسی طرح کا جنون ہے۔

اتنے ہی قول بالکل کافی ہیں۔ ورنہ اگر سارے قول منکرین آخرت کے نقل ہوں مع ان جوابات کے، جو قرآن مجید نے رسول اللہ صلعم کی زبان سے ادا کر دیئے ہیں۔ تو مقالہ اپنے حدود سے گزر کر ایک مستقل رسالہ کی ضخامت اختیار کر جائے۔

انہیں مشرکین میں ایک بہت بڑا فرقہ ایسا بھی تھا، جو کو خدا اور خدائے اعظم کا قائل کسی حد تک تھا۔ لیکن وحی الٰہی اور نبی کے ذریعہ سلسلۂ ہدایت کا یکسر منکر تھا۔ اس کی سمجھ میں یہ تو آجاتا تھا کہ خدا کے اولاد ہے۔ یا یہ کہ خدا خود انسانی قالب اختیار کرکے دنیا میں آگیا۔ لیکن یہ کسی طرح بھی اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ خدا نے ایک بشر کو ذریعۂ ہدایت بنا کر بھیجا اور اسے مرضیات الٰہی کے تمام نکتے اور طریقے بتلا دیئے یہ لوگ بگڑ کر کہتے۔

اَبَشَرٌ یَّهْدُوْنَنا (التغابن ع ۱)	ہماری ہدایت کو بشر آتے ہیں

اور کبھی یہ کہ۔

أبعث الله بشرا رسولا — کیا خدا نے رسول بنا کر بشر کو بھیجا ہے؟

(بنی اسرائیل ع۱۱)

کبھی آپس میں پیمبر کے حق میں سرگوشیوں میں کہتے۔

هل هذا الا بشر مثلكم — یہ تو بس تم ہی جیسا ایک بشر ہے

(انبیاء ع۱)

اور کبھی آپ کے لوازم بشریت کو آپ کے خلاف بہ طور دلیل کے پیش کرتے۔

مال هذا الرسول يأكل الطعام ويمشي في الاسواق لولا انزل اليه ملك (الفرقان ع۱) — اس پیمبر کو کیا ہوا کہ وہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ اس کی طرف کوئی فرشتہ کیوں نہ اتارا گیا۔

اور چونکہ بشر پر وحی آنا۔ ان لوگوں کے دماغ کوتاہ بیں بشریت کے منافی تھا۔ اس لئے یہ لوگ قدرۃً تکذیب رسول پر مجبور تھے۔ اور کبھی یہ کہتے کہ آپ مجنون ہیں۔

وقالوا يا ايها الذي نزل عليه الذكر انك لمجنون۔ — اور ان لوگوں نے یہ کہا کہ اے وہ شخص جس پر قرآن نازل کیا گیا ہے۔ تم تو مجنون ہو

(الحجر ع۱)

کبھی کہتے۔

ام به جنة (السبا ع۱) — انھیں کیا کچھ جنون ہے۔

قرآن نے خود ان کے متعلق سوال کیا ہے۔

ام يقولون به جنة (المؤمنون ع۴) — کیا یہ لوگ آپ کی نسبت جنون کے قائل ہیں؟

کبھی ان کی تشخیص و تجویز میں آپ خیالی مضمون باندھنے والے اور موثر عبارت میں ادا کرنے والے شاعر ٹھہرتے۔ اور آپ کی وحی قرآنی ایک خواب پریشاں اور آپ کی گڑھی ہوئی. قرار پاتی۔

بل قالوا اضغاث احلام بل افتراہ بل ھو شاعر (الانبیاء ع ۱)	بلکہ یوں کہا کہ یہ تو خیالات پریشاں ہیں۔ بلکہ انھوں نے اسے تراش لیا ہے. بلکہ یہ ایک شاعر شخص ہے۔

دوسری جگہ قرآن نے کہا ہے۔

ام یقولون شاعرٌ نتربص بہٖ ریب المنون ۔ (الطور ع ۲)	کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ تو شاعر ہیں جن کے بارے میں ہم حادثہ موت کا انتظار کر رہے ہیں

اور کبھی شاعری کے ساتھ دیوانگی کا بھی اضافہ کر دیتے۔

ویقولون ائنا لتارکوا آلھتنا لشاعر مجنون (الصافات ع ۲)	اور یہ لوگ کہا کرتے تھے کہ کیا ہم اپنے دیوتاؤں کو ایک شاعر دیوانہ کی خاطر چھوڑ دیں؟

اور کبھی الفاظ بدل کر اسی مضمون کو یوں ادا کرتے۔

وقد جاءھم رسول مبین ثم تولوا عنہ وقالوا معلّم مجنون (الدخان ع ۱۱)	بیشک ان کے پاس ایک کھلا ہوا پیمبر آ چکا پھر بھی یہ لوگ اس سے سرتابی کرتے رہے اور کہتے رہے کہ یہ سکھایا ہوا ہے۔ دیوانہ ہے۔

شاعری اور جنون کے ساتھ ایک تیسری تشخیص سحر زدگی کی بھی تھی۔

قال الظالمون ان تتبعون الا رجلاً مسحوراً (الفرقان ع ۱)	یہ ظالم لوگ (آپس میں) کہتے ہیں کہ تم تو بس ایک سحر زدہ شخص کی پیروی کر رہے ہو۔

اور یہی مضمون ایک دوسری جگہ :۔

اذ ھم نجوی اذ یقول الظالمون ان تتبعون الا رجلاً مسحورًا (بنی اسرائیل ع ۵)

(ہم خوب جانتے ہیں) جس وقت یہ لوگ آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں۔ اور جبکہ یہ ظالم لوگ کہتے ہیں کہ تم لوگ تو بس ایک سحر زدہ شخص کی پیروی کر رہے ہو۔

اور کبھی آپ کی نسبت سحر و کہانت کی جانب کرتے جو ان کی دانست میں دوز بردست اور موثر فن، غیب سے تعلق رکھنے والے تھے۔ قرآن مجید کو اس کی صاف صاف تردید کرنا پڑی۔ اور کہنا پڑا :۔

وما ھو بقول شاعر (الحاقہ ع ۱) یہ کسی شاعر کا کلام نہیں۔

اور

وما ھو بقول کاھن (ایضاً) یہ کسی کاہن کا کلام نہیں۔

یہ باہم خود بھی کبھی کسی ایک بات پر جمتے نہ تھے۔ اور قرآن نے انہیں مخاطب کر کے صاف کہہ دیا کہ۔

انکم لفی قول مختلف یوفک عنہ من افک (الذاریات ع ۱)

تم لوگ مختلف گفتگو میں (پڑے ہوئے ہو) اس سے وہی پھرتا ہے جس کو پھرنا مقدر ہوتا ہو

اور ان کے خرافات کے الگ الگ بھی جوابات دیئے اور ان کی ایک ایک غلط بیانی کی تردید کی۔ مثلاً

وما صاحبکم بمجنون (التکویر) اور یہ تمہارے رفیق دیوانے نہیں ہیں۔

یا

ومآانت بنعمۃ ربک بمجنون (القلم ع ۱)	آپ اپنے پروردگار کے فضل سے دیوانے نہیں ہیں۔

یا پھر

فماانت بنعمۃ ربک بکاھن ولا مجنون۔ (الطور ع ۲)	تو آپ اپنے پروردگار سے فضل سے نہ کاہن ہیں نہ دیوانے۔

قرآن کے اثر سے اِن منکرین ومعاندین کے لئے بھی انکار ممکن نہ تھا۔ مشاہدہ کی چیز تھی۔ قرآنی اثر کی گہرائی اور وسعت دونوں یہ براہ راست مشاہدہ ہی کرتے رہتے تھے۔ اس لئے رائے آخر یہ ہوئی کہ ہو نہ ہو۔ یہ قرآن انھوں نے دل سے گڑھ لیا ہے۔ اور ان کی امداد واعانت پر ایک پوری جماعت بھی ہے۔

ان ھٰذا الا افك افترٰہ واعانہ علیہ قوم آخرون (الفرقان ع ۱)	یہ قرآن تو نری ایک گڑھنت ہو جس کو اس شخص نے گڑھ لیا ہے اور ایک اور جماعت نے اس میں ان کی مدد کی ہے۔

پھر آپ کے وصف اُمّیت سے بھی چونکہ یہ لوگ براہ راست واقفیت رکھتے تھے اس واسطے یہ کہتے کہ یہ اگلوں کی خرافاتی حکایات انھوں نے کسی سے لکھوا رکھی ہیں۔ اور وہ انھیں صبح وشام پڑھ کر سنا دی جاتی ہیں۔

وقالوا اساطیر الاولین اکتتبھا فھی تملیٰ علیہ بکرۃ واصیلا (الفرقان ع ۱)	یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ تو اگلوں کے بے سند قصے ہیں جن کو اس شخص نے (کسی سے) لکھوا لیا۔ اور یہی اس کو صبح وشام پڑھ کر سنا دی جاتی ہیں۔

اور کبھی یہ دُور کی کوڑی لاتے، کہ یہ تو فلاں شخص نے انھیں سکھا پڑھا رکھا ہے

ولقد نعلم انھم یقولون انما یعلمہ بشر (النحل ع ۱۴) | اور ہم خوب جانتے ہیں کہ یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ تو ایک بشر نے انھیں سکھلا دیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ قرآن مجید ان لوگوں کے خیال میں اور آج کے بہت سے روشن خیال نزگیوں کے خیال کے مطابق ایک گڑھا ہوا کلام تھا۔

وقالوا ما ھذا الا افک مفتری (السبا ع ۵) | اور یہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن تو بجز ایک گڑھے ہوئے بہتان کے کچھ نہیں۔

بلکہ ان مشرکوں کے ایک رئیس و سردار نے ایک بار بڑے سوچ بچار کے بعد اپنا فیصلہ یہ سنا دیا تھا کہ

فقال ان ھذا الا سحر یوثر | یہ تو نرا ایک جادو ہے۔ جو قدیم سے چلا آرہا ہو

ان ھذا الا قول البشر (المدثر ع ۲) | اور یہ تو نرا ایک بشر کا کلام ہے۔

قرآن مجید نے شافی جواب ان میں سے ہر خرافت کا دیا ہے۔ یہاں ان جوابات سے بحث نہیں یہاں تو دکھانا صرف یہ ہے کہ جس قوم کی براہ راست اور اصالتہً اصلاح کے لئے رسول اللہ مبعوث ہوئے تھے۔ اس کی اعتقادی، علمی، اخلاقی زندگی کا نفسیاتی پس منظر کیا تھا۔ اور اس نے آپ کے پیام کی پذیرائی کس طرح کی۔

شرک میں ڈوبی ہوئی قوم کی ناخوشی کی اصل بنیاد یہ تھی کہ یہ پیامبر جو کلام سناتے ہیں۔ اس میں ذکر سارے دیوی دیوتاؤں اور چھوٹے بڑے خداؤں کو چھوڑ کر نام صرف اللہ ہی کا کیوں لئے جاتے ہیں اور دعوت اس اکیلے معبود کے ماننے کی کیوں دیتے ہیں۔ قرآن مجید نے انھیں کو مخاطب کرکے فرمایا ہے۔

واذا دعی اللہ وحدہٗ کفرتم وان یشرک بہ تؤمنوا (المومن ع ۲)

جب صرف اللہ کا نام لیا جاتا ہے تو تم انکار کرتے ہو اور اگر اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جاتا ہے تو تم مان لیتے ہو۔

ضد اللہ کے نام سے بہ شمول و شرکت دوسرے معبودوں کے نہ تھی اصل ضد اس سے تھی کہ اس اللہ کی وحدت، وحدانیت پر اصرار کیوں کیا جاتا ہے! اور پھر ارشاد ہوا ہے۔

واذا ذکر اللہ وحدہٗ اشمازت قلوب الذین لا یومنون بالاخرۃ واذا ذکر الذین من دونہٖ اذا ھم یستبشرون (الزمر ع ۵)

اور جب فقط اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو یہ لوگ جو آخرت کا یقین نہیں رکھتے ان کے دل منقبض ہونے لگتے ہیں اور جب اس کے سوا دوسروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو اسی وقت یہ لوگ خوش ہو جاتے ہیں

اور ایک جگہ پھر یہی شہادت قرآن پیش کرتا ہے۔

واذا ذکرت ربک فی القرآن وحدہٗ ولّوا علیٰ ادبارھم نفورًا (بنی اسرائیل ع ۵)

اور آپ جب قرآن میں صرف اپنے پروردگار کا ذکر کرتے ہیں، تو یہ لوگ پشت پھیر کر چل دیتے ہیں۔ نفرت کرتے ہوئے۔

ایسی قوم کو داعیٔ توحید سے نفرت و عداوت ہو جانا لازمی تھا اور قرآن مجید نے اُمت محمدی کو مخاطب کرکے سنا بھی دیا تھا کہ اہل کتاب کے علاوہ ان مشرکوں سے بھی تمہاری بہت کچھ دلآزاری ہونا ہے۔

ولتسمعن من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم ومن الذین اشرکوا اذیً کثیرًا (آل عمران ع ۱۹)

اور تم ضرور سنوگے بہت سی دلآزاری کی باتیں ان سے بھی جنھیں تم سے قبل کتاب مل چکی ہے اور ان سے بھی جو مشرک ہیں۔

(ب)

یہود و نصاریٰ

مکی سورتوں میں ذکر کثرت سے المشرکین کا اور الذین اشرکوا کا، یا مطلق صورت میں الذین کفروا کا یا الکفار کا اور الکافرون کا آتا ہے یا پھر ان سے بھی مطلق تر صورت میں الناس کا آتا ہے۔ لیکن مدنی سورتوں میں یہ مخاطبت و مذاکرت اھل الکتاب یا الذین اوتوا الکتاب سے بدل گئی ہے۔

اہل کتاب سے آپؐ کا سابقہ مدینہ میں آ کر پڑا۔ اور اہل کتاب سے مراد عموماً یہودی ہیں۔ مگر کہیں کہیں نصرانی بھی اس میں شامل ہو گئے ہیں۔ قیام مکہ میں جب تک سابقہ صرف مشرکین یعنی منکرین توحید و آخرت سے رہا۔ اعتراضات کی نوعیت دوسری رہی قیام مدینہ کے بعد دوسری ہو گئی۔ اس لئے کہ یہ لوگ توحید اور سلسلۂ وحی نبوت کے لفظاً قائل تو بہر حال تھے۔ آپؐ نے آتے ہی اہل کتاب کو صلح و آشتی کا پیغام قرآن کی زبان سے اور اس کے حکم کی تعمیل میں دے دیا تھا اور اس قسم کی آیتیں بار بار تلاوت فرما دی تھیں۔

قل یا اھل الکتاب تعالوا الیٰ   آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب ایسے قول کی

کلمۃ سواء بیننا وبینکم الا نعبد	طرف آجاؤ جو ہم میں تم میں مشترک ہے وہ یہ
الا اللہ ولا نشرک بہ شیئًا ولا	کہ ہم بجز اللہ کے اور کسی کی عبادت نہ کریں
یتخذ بعضنا بعضًا اربابًا من	اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور ہم میں
دون اللہ (آل عمران ع ۷)	سے کوئی کسی کو (اپنا) رب بجز اللہ کے نہ ٹھہرائے

اور اس حقیقت کو بار بار دہرایا کہ جو کتاب میں لے کر آیا ہوں یہ تو عین تمہاری کتاب کی تصدیق کرنے والی ہے۔ کہیں اس کتاب کو۔

مصدق لما معھم (بقرہ ع ۱۱) جو کچھ ان کے پاس ہے اس کی تصدیق کرنے والی

ارشاد فرمایا گیا اور کہیں۔

ھوالحق مصدقا لما معھم	یہ تو عین حق ہے (اور) جو کچھ ان کے پاس ہے
(بقرہ ع ۱۱)	اس کی تصدیق کرنے والی۔

اور کہیں۔

مصدقًا لما بین یدیہ	اپنے سے پیش رو کی تصدیق کرنے والی۔
(بقرہ ع ۱۲)	

اور کہیں۔

مصدقًا لما بین یدیہ من الکتاب (المائدہ ع ۷)	اپنے سے پیش رو کتاب کی تصدیق کرنیوالی

اور کہیں

مصدق الذی بین یدیہ (المائدہ ع ۱۱) اپنے پیش رو کی تصدیق کرنے والی۔

دعبر بار اور کہیں بجائے صیغۂ غائب کے صیغۂ مخاطب میں۔

مصدقا لما معکم	جو کچھ تمہارے پاس ہے اس کی تصدیق کرنیوالی

اور کہیں کتاب کے بجائے خود صاحب کتاب یعنی رسول صلعم ہی کو اصالتاً کتب سابقہ کا مصدق کہہ کر پیش فرمایا گیا ہے۔

رسول من عند اللہ مصدق لما معھم (بقرہ ع ۱۲)	یہ خدا کی طرف سے رسول ہیں تصدیق کرنے والے اس کے جو کچھ تمھارے پاس ہے۔

یا

رسولٌ مصدق لما معکم (آل عمران ع ۹)	رسول تصدیق کرنے والے اس کے جو کچھ تمھارے پاس ہے۔

وقس علیٰ ہذا۔ اور کہیں کہیں نام کی صراحت کے ساتھ یہ ذکر فرمایا گیا ہے کہ توریت و انجیل خدا کی کتابیں ہیں۔ قرآن مجید کی پیش رو اور اپنے مخاطبین کے لئے سرمایۂ ہدایت و رحمت۔ مثلاً

وانزل التوراۃ والانجیل من قبل ھدی للناس (آل عمران ع ۱)	اور اللہ نے اتاری توریت و انجیل اس سے قبل لوگوں کی ہدایت کے لئے

یا

وآتینا موسی الکتاب وجعلنا ھدی لبنی اسرائیل (بنی اسرائیل ع ۱)	اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اسے بنی اسرائیل کے لئے ہدایت کا ذریعہ ٹھہرایا۔

یا پھر

انا انزلنا التوراۃ فیھا ھدی و نور (المائدہ ع ۷)	بے شک ہم نے اتاری توریت جس میں ہدایت اور نور تھے۔

اسی طرح مکرر۔

ومن قبلہ کتاب موسیٰ اماماً و رحمۃ (ہود ع ۲- احقاف ع ۲)	اور اس (قرآن) سے پہلے موسیٰ کی کتاب جو رہنما اور ایک رحمت ہے

علیٰ ہذا یہ آیت بھی۔

وآتیناہ الانجیل فیہ ھدی ونور ومصدقاً لما بین یدیہ من التوراۃ وھدی وموعظۃ للمتقین (المائدہ ع ۷)	اور ہم نے (عیسیٰ) کو انجیل عطا کی جس میں ہدایت اور نور ہے اور جو تصدیق کرتی ہے اپنے سے پہلے نازل ہونے والی توریت کی اور جس میں ہدایت ونصیحت ہے پرہیزگاروں کے لیے۔

اور پھر اسی سلسلہ میں یہ آیت بھی۔

ولیحکم اھل الانجیل بما انزل اللہ فیہ (ایضاً)	اور انجیل والوں کو چاہیئے کہ اللہ نے جو کچھ اس میں اتارا ہے۔ فیصلہ اس کے مطابق کریں۔

لیکن اس ساری رواداری اور مصالحت کوشی کے باوجود ان گروہوں کا رویہ غیر دوستانہ اور نامصالحانہ ہی رہا۔ یہ بات بظاہر عجیب سی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن درحقیقت اس رویہ میں کوئی بات خلاف توقع نہ تھی۔ صدیوں کے بگاڑ نے ان کی طبیعتوں کو مسخ کرکے رکھدیا تھا۔ اور عقائد واعمال دونوں ان کے اس قسم کے ہوگئے تھے۔ کہ دعوت اسلامی کی زد ... براہ راست اپنے اوپر محسوس کرتے تھے۔

یہود ایک دینی اور مذہبی اصطلاح ہے۔ قومی اور نسلی نام ان لوگوں کا بنی اسرائیل تھا۔ بڑا اعزہ ان کو اپنی عالی نسبی اور پیمبر زادگی پر تھا۔ گناہ کی جو منزل بھی ان کے سامنے آجاتی بلا تامل اس پر گامزن ہوجاتے اور سمجھتے کہ معاف تو بہرحال ہم

ٹھہری جائیں گے۔ قرآن مجید نے یہ منظر کشی یوں کی ہے۔

یاخذون عرض ھذا الادنیٰ	یہ لوگ مال متاع اس دنیائے دنی کا لیتے
ویقولون سیغفرلنا وان یاتھم	ہیں اور کہتے ہیں کہ ہماری مغفرت ضرور
عرض مثلہ یاخذوہ	ہو جائے گی۔ اور اگر ایسا ہی مال متاع پھر
(الاعراف ع ۲۱)	آجائے تو اسے بھی لے لیں۔

اور کبھی اپنی پیمبرزادگی کے فخر و پندار میں مبتلا ہو کر کہنے لگتے، کہ

لن تمسنا النار الا ایاما معدودۃ	سوا گنتی کے چند روز کے (دوزخ کی) آگ
(البقرۃ ع ۹)	توہمیں چھوئے گی ہی نہیں۔

(ایاما معدودات (آل عمران ع ۲)

اور اس قسم کی ساری خوش خیالیاں اس بنا پر تھیں کہ انھوں نے بنیادی عقیدے بھی خود ہی گڑھ رکھے تھے۔

وغرھم فی دینھم ما	اور دین کے بارہ میں ان کے گڑھے ہوئے
کانوا یفترون	عقیدوں ہی نے تو انھیں دھوکے میں ڈال
(آل عمران ع ۳)	رکھا ہے۔

اپنے علماء و مشائخ کی تعظیم و تکریم میں غلو کر کے گویا انہیں پرستش کا درجہ دے رکھا تھا۔ اور سمجھ رکھا تھا کہ ان سے کسی قسم کی غلطی و لغزش کا امکان ہی نہیں۔

اتخذوا احبارھم ورھبانھم	ان لوگوں نے اللہ کے علاوہ اپنے عالموں
اربابا من دون اللہ (التوبۃ ع ۵)	مشائخوں کو بھی خدا بنا کر کھڑا کیا ہے۔

جنت یا آسمانی بادشاہیت میں داخلہ کو یہ اپنی اپنی قوم کے ساتھ مخصوص سمجھ

چکے تھے۔ قرآن مجید نے اس پر جرح کی اور ان سے حجت طلب کی، تو یہ کوئی معقول جواب نہ دے سکے ارشاد ہوا ہے۔

وقالوا لن یدخل الجنۃ الا من	یہ کہتے ہیں کہ جنت میں یہود یا نصاریٰ کے سوا
کان ھودًا او نصاریٰ تلک	کوئی جانے بھی نہ پائے گا۔ یہ انکی اپنی دل کی
امانیھم قل ھاتوا برھانکم	آرزوئیں ہیں۔ آپ ان سے کہئے کہ اپنی دلیل
ان کنتم صادقین۔ (البقرہ ع ۱۳)	تو پیش کرو۔ اگر اپنے دعوے میں سچے ہو۔

معاصر یہود بہ این ادعائے دینداری دنیا پرستی میں اوپر سے لے کر نیچے تک ڈوبے ہوئے تھے۔ رسول کی زبان سے انھیں کہلا یا گیا۔ کہ عالم آخرت کو اپنے ہی لئے مخصوص سمجھتے ہو۔ تو پھر موت کی تمنا کر دیکھو۔ لیکن یہ تمنا یہ لوگ کرتے تو کیسے کرتے حُبّ دنیا میں سرتاپا غرق جو تھے۔

قل ان کانت لکم الدار الاخرۃ	آپ کہہ دیجئے کہ اگر عالم آخرت مخصوص تمہارے
عند اللہ خالصۃ من دون الناس	ہی لئے ہے بغیر اوروں کی شرکت کے۔ تو تم موت
فتمنوا الموت ان کنتم صادقین	کی تمنا کرکے دکھلا دو اگر تم سچے ہو۔ اور یہ ہرگز
ولن یتمنوہ ابدًا بما قدمت	اس کی تمنا کبھی بھی نہ کریں گے۔ بسبب ان اعمال
ایدیھم واللہ علیم بالظالمین	کے جو اپنے ہاتھوں سمیٹے ہیں، اور اللہ کو خوب
(البقرہ ع ۱۱)	علم ہے ان ظالموں کا۔

قبول حق کی طرف سے ان کی آنکھیں اور ان کے قلب سب بند تھے۔ اور یہ فخریہ کہتے تھے۔

قالوا قلوبنا غلف (البقرہ ع ۱۱)	یہ کہتے ہیں کہ ہمارے قلوب محفوظ ہیں۔

یہود و نصاریٰ دونوں نسلی مفاخرت کے مرض میں بری طرح مبتلا تھے۔ اور خدا کے ساتھ اپنا مخصوص رشتہ سمجھے ہوئے تھے۔

وقالت الیهود والنصاریٰ نحن ابناء الله واحباؤه (المائدہ ع ۳) — یہود و نصاریٰ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم خدا کے خاص فرزند اور اس کے محبوب ہیں۔

رسول کی شناخت میں یہ نہیں کہ انہیں کوئی علمی دھوکا ہوگیا ہو جان بوجھ کر محض اپنی بدنفسی سے رسول کی صداقت کا انکار کر رہے تھے۔

فلما جاءهم ما عرفوا كفروا به فلعنة الله على الكافرين (البقرہ ع ۱۱) — پھر جب ان کے پاس وہ چیز آپہنچی جسے یہ پہچانتے ہیں تو یہ اس کا انکار کر بیٹھے۔ سو اللہ کی مار ہو ایسے منکروں پر۔

علامتوں سے تو یہ رسول اللہ کو اس طرح پہچان چکے تھے جیسے اپنی قوم والوں کو پہچانتے تھے۔ محض ضد اور نفسانیت قبول حق کی راہ میں حائل ہوگئی۔

الذین اتیناهم الكتاب يعرفونه كما يعرفون ابناء هم (البقرہ ع ۱۷) — جن لوگوں کو (پہلے) کتاب آسمانی مل چکی ہے وہ ان (رسول) کو ایسا پہچانتے ہیں۔ جیسا اپنے ہی (قوم کے) فرزندوں کو۔

ان کے اکابر و شیوخ جن کی تقلید و اقتداء میں یہ مٹے جاتے ہیں ان کی خود یہ حالت تھی کہ ہر طرح کی زر اندوزی اور باطل پرستیوں میں مبتلا تھے۔

وان كثيرًا من الاحبار والرهبان لياكلون اموال الناس بالباطل ويصدون عن سبيل الله (التوبہ ع ۵) — بے شک ان (اہل کتاب) کے اکثر علماء و مشائخ لوگوں کے مال ناحق ناروا ڈکوستے اور راہ خدا سے لوگوں کو روکتے رہتے ہیں۔

یہود جس درجہ کی دنیا پرستی میں بتلا تھے، قرآن مجید نے اسے بار بار چیلنج کیا ہے۔ ایک آدھ آیت اس مضمون کی ابھی آپ سن چکے ہیں۔ اب دو ایک آیتیں اور ملاحظہ ہوں۔

قل یا ایہا الذین ھادوا ان زعمتم انکم اولیاء للہ من دون الناس فتمنوا الموت ان کنتم صادقین ولا یتمنونہ ابداً بما قدمت ایدیہم واللہ علیم بالظالمین۔	اے پیمبر آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو جو یہودی ہو چکے ہو اگر تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ تم خدا کے چہیتے ہو دوسرے لوگوں کو چھوڑ کر، تو اگر سچے ہو تو موت کی تمنا کر دکھاؤ۔ لیکن تم یہ تمنا کبھی نہ کر سکو گے بہ سبب ان اعمال کے جو اپنے ہاتھوں سمیٹ چکے ہو۔ اور اللہ خوب واقف ہے (ایسے) ظالموں سے۔
(الجمعہ ع ۱)	

ان آیتوں سے صاف جھلک رہا ہے کہ یہودی ضمیر خود اپنے تئیں مجرم سمجھ رہا تھا اور اس کا رد و انکار نبوت محمدی سے ہرگز کسی اجتہادی غلطی کی بنا پر نہ تھا۔

اور ایک جگہ اور انھیں یہود کے سیاق میں ارشاد ہوتا ہے۔

ولتجدنہم احرص الناس علیٰ حیاۃ ومن الذین اشرکوا یود احدہم لو یعمر الف سنۃ وما ھو بمزحزحہ من العذاب ان یعمر واللہ بصیر بما یعملون	اور آپ انھیں زندگی کا حریص اور آدمیوں سے بڑھ کر پائیں گے مشرکوں سے بھی (بڑھ کر) ان میں سے ہر ایک اس ہوس میں ہے کہ اس کی عمر ہزار سال کی ہو، حالانکہ یہ امر کہ (اتنی) عمر ہو جائے عذاب سے تو بچا سکتا نہیں۔ اور اللہ کے سامنے پیش نظر ہیں۔ ان کے اعمال۔
(البقرہ ع ۱۱)	

اس سے زیادہ تصریح اس حقیقت کی کیا ہوگی کہ معاصر یہود کی دنیا پرستی مشرکین

تک سے بڑھی ہوئی تھی۔ اور اتنا ہی نہیں۔ بلکہ قرآن کی روشنی میں تو یہ صاف نظر آجاتا ہے کہ یہ جو کچھ بھی کر رہے تھے۔ سب بالارادہ اور نفسانیت سے مغلوب ہوکر۔

بئسما اشتروا بہ انفسھم	بُری ہے وہ حالت جس میں پڑکر وہ اپنی جانوں کو
ان یکفروا بما انزل اللہ بغیًا	چھڑانا چاہتے ہیں۔ یعنی انکار کرتے ہیں ایسی چیز کا
ان ینزل اللہ من فضلہ علےٰ	جو اللہ نے نازل فرمائی محض اس ضد پر کہ اللہ
من یشاء من عبادہٖ فبآء وا	اپنے فضل سے جس بندہ پر چاہے اسے نازل
بغضب علیٰ غضب	فرمائے۔ سو یہ لوگ مستحق ہوگئے غضب بالائے
(البقرہ ع ۱۱)	غضب کے۔

اور یہ بغیًا بینھم یعنی آپس کی ضدم ضدا کا لفظ قرآن مجید بار بار ان لوگوں کے لئے لایا ہے اور خود اس آیت میں تو صاف ہے کہ یہ لوگ جو ایمان نہیں لارہے ہیں۔ تو محض رشک وعناد کی بنا پر اور عناد کی بنا کھلی ہوئی یہ تھی کہ یہ لوگ اعزاز نبوت کا مستحق صرف اپنی قوم اسرائیلیوں کو سمجھتے تھے اور انہیں اس کا حسد تھا کہ یہ نعمت ان کی قوم سے نکل کر ایک عرب یا اسمٰعیلی کو کیسے مل گئی۔ قرآن مجید نے حسدًا من عند انفسھم کے علاوہ ان کی اس خاص ذہنیت کی بھی پردہ دری کی ہے۔

ام یحسدون الناس علیٰ ما	کیا یہ لوگ ان لوگوں سے حسد کرتے رہتے ہیں
آتاھم اللہ من فضلہٖ (النساء ع ۸)	جنہیں اللہ نے اپنے فیض سے نوازا ہے؟

یہ اپنی آسمانی کتابوں میں کھلی کھلی تحریف کرچکے تھے۔ اور ان کی جسارتیں اتنی بڑھ گئی تھیں کہ اپنی مرضی و مصلحت کے مطابق جو چاہتے ان خدائی صحیفوں میں

گھٹا بڑھا دیتے۔ قرآن مجید نے یہ جُرم ان پر ایک بار نہیں بار بار عائد کیا ہو۔ چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہے۔

وقد کان فریقٌ منھم یسمعون کلام اللہ ثم یحرفونہ من بعد ما عقلوہ وھم یعلمون۔ (البقرہ ع ۹)

ان ہی میں ایسے لوگ بھی گزرے ہیں کہ جو کلام الٰہی کو سنتے تھے اور پھر اس کے سمجھ لینے کے پیچھے اس میں تحریف کر ڈالتے تھے اور وہ یہ جانتے بھی تھے۔

اور اسی کے چند سطروں بعد ارشاد ہوا ہے۔

فویل للذین یکتبون الکتاب بایدیھم ثم یقولون ھٰذا من عند اللہ لیشتروا بہ ثمنا قلیلاً فویل لھم مما کتبت ایدیھم وویل لھم مما یکسبون۔ (البقرہ ع ۹)

بڑی ہی خرابی ہو ان لوگوں کے لئے جو لکھتے ہیں کتاب کو اپنے ہاتھوں سے۔ پھر کہہ دیتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف سے ہے اور غرض یہ ہوتی ہے کہ اس ذریعہ سے کچھ نقد قدرے قلیل وصول کرلیں۔ سو بڑی ہی خرابی آئے گی ان کو اس کی بدولت جس کو ان کے ہاتھوں نے لکھا تھا۔ اور بڑی خرابی ہوگی ان کو اس کی بدولت جسے وہ وصول کیا کرتے تھے۔

اور یہاں سے یہ بھی صاف ہوگیا کہ اس تحریف سے مقصود تمامتر حصول دنیا ہی ہوتا۔ اسی دنیا کی کوئی مصلحت یا منفعت۔ ایک اور نقشہ ان کی اسی جسارت دنیوی اغراض کے لئے بیباکی کا ملاحظہ ہو:-

وان منھم لفریقا یلوٗن السنتھم

اور ان اہل کتاب میں کچھ ایسے بھی ہیں جو

بالکتاب لتحسبوہ من الکتاب وماھو من الکتاب۔ ویقولون ھو من عند اللہ وماھو من عند اللہ ویقولون علی اللہ الکذب وھم یعلمون

(آل عمران ع ۸)

کج کرتے ہیں اپنی زبانوں کو کتاب (کے پڑھنے) میں۔ تاکہ تم لوگ اس کو کتاب کا جزو سمجھ لو۔ حالانکہ وہ کتاب کا جزو نہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ خدا کے پاس سے ہے حالانکہ وہ خدا کے پاس سے نہیں ہے۔ اور وہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔ درآنحالیکہ اسے جانتے بھی ہیں)

ان کے اس تصرف وتحریف کا ذکر ایک جگہ اور ملاحظہ ہو۔

ومن الذین ھادوا یحرفون الکلم عن مواضعہ

(النساء ع ۷)

یہودیوں میں ایسے لوگ بھی ہیں۔ جو کلام کو اس کے موقعوں سے دوسری طرف پھیر دیتے ہیں۔

اور پھر اس فردجرم کی تاکید وتکرار کے طور پر ایک جگہ اور دیکھئے۔

یحرفون الکلم عن مواضعہ ونسوا حظا مما ذکروا بہ ولا تزال تطلع علی خائنۃ منھم الا قلیلا منھم

(المائدہ ع ۳)

یہ لوگ کلام کو اس کے موقعوں سے دوسری طرف پھیر دیتے ہیں۔ اور یہ لوگ جو کچھ انہیں نصیحت کی گئی تھی۔ اس کا ایک بڑا حصہ بھلا بیٹھے ہیں اور آپ کو آئے دن ان کی کسی نہ کسی خیانت کی اطلاع ہوتی ہی رہتی ہے۔

بجز ان میں سے معدودے چند کے یہیں سے اس حقیقت تاریخی پر بھی روشنی پڑ گئی۔ کہ حضور کے زمانہ میں بداخلاقی اور بددیانتی عام ہو چکی تھی۔ اور ان کی اخلاقی پستی اپنی حد کو پہنچ چکی تھی اور ایک اور ارشاد ملاحظہ ہو۔

یحرفون الکلم من بعد مواضعہ	یہ لوگ کلام کو بعد اس کے وہ اپنے موقع پر ہوتا
یقولون ان اوتیتم ھذا	ہو بدل دیتے ہیں اور دوسروں سے کہتے ہیں
فخذوہ وان لم توتوہ فاحذروا	کہ اگر تم کو یہ حکم ملے تو اس کو قبول کر لینا اور اگر
(المائدہ ع ۶)	تم کو یہ حکم نہ ملے تو اس سے احتیاط رکھنا۔

جس قوم کی جسارت یہاں تک بڑھ جائے کہ وہ اپنی آسمانی کتاب میں بلا تامل تحریف وتصرف کر ڈالے۔ اس کے لئے اس سے اُتر کر دنیا کی عام بداخلاقیاں باقی ہی کیا رہ جاتی ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید نے ان معاصر یہودیوں کی اخلاقی پستیوں کو بار بار کھول کر بیان کیا ہے اس کے کئی حوالہ آپ پہلے سن آئے ہیں۔ اب کچھ اور حاضر ہیں۔

ومن الذین ھادوا سمعون	اور یہود میں سے ایسے بھی ہیں۔ جو جھوٹی
للکذب (المائدہ ع ۶)	باتیں خوب سنتے رہتے ہیں۔

اور جھوٹی باتیں سننے کا چسکا بھی ہے۔ تو دوسروں یعنی منافقین مدینہ کی خاطر

سمعون لقوم آخرین (ایضاً)	جھوٹی باتیں سننے والے بھی دوسروں کی خاطر

اور پھر بلاکسی لاگ لپیٹ کے ارشاد ہوا ہے۔

سمعون للکذب اکالون	خوب سننے والے ہیں جھوٹی باتوں کے اور
للسحت (ایضاً)	بڑے کھانے والے ہیں حرام کے۔

قرآن مجید نے بے دھڑک ان کے لئے حکم لگا دیا کہ باوجود دعویٰ ایمان تم میں سے اکثر ایمان سے خارج ہی ہیں۔

وان اکثرکم لفاسقون	اور بیشک تم میں سے اکثر نافرمان
(المائدہ ع ۹)	ہی ہیں۔

اور سُحت کے اندر رشوت وغیرہ سارے ہی قسمیں حرام کی آگئیں لہ

اور پھر اسی سیاق میں چند سطریں آگے چل کر ارشاد اور زیادہ صراحت وعموم کے ساتھ ملتا ہے۔

وتریٰ کثیرا منھم یسارعون فی الاثم والعدوان واکلھم السحت لبئس ما کانوا یعملون (المائدہ ع ۹)

اور آپ ان میں سے بہتوں کو دیکھتے ہیں جو دوڑ دوڑ کر معصیت اور سرکشی اور حرام خوری پر گرتے ہیں۔ واقعی بہت بُرے ہیں ان کے یہ کرتوت۔

اس عموم کے اندر سب ہی کچھ آگیا ــــ اور معًا بعد اس راز سے ایک اور پردہ اٹھتا ہے۔

لولا ینھاھم الربانیون والاحبار عن قولھم الاثم واکلھم السحت لبئس ما کانوا یصنعون (ایضًا)

آخر ان کو ان کے مشائخ وعلماء گناہ کی بات کہنے سے اور حرام مال کھانے سے کیوں نہیں روکتے؟ واقعی بہت بُرا ہے ان کا یہ کردار

اور یہ اکابر اپنے اصاغر کو روکتے کیسے۔ یہ تو خود ہی اس بلا میں مبتلا اور اسی کشتی میں سوار تھے۔ چند سطر بعد اور آگے بڑھ کر یہود ونصاریٰ دونوں کو ملا کر عام اہل کتاب کے حق میں ارشاد ہوتا ہے۔

وکثیر منھم ساء ما یعملون (ایضًا) ان میں سے بہتوں کے کردار بُرے ہی ہیں

لہ سُحت عام ہے ہر اس حرام خوری کے لئے جو انسان کیلئے باعث ننگ و رسوائی ہو حُکل حرام قبیح الذکر یلزم منہ العار (کلیات ابی البقاء)

اور پھر ان عام اہل کتاب کے تمرد و طغیان کے لئے یہ آیت شاہد و صادق ہے۔

ولیزیدن کثیرا منھم ما انزل الیک من ربک طغیانا وکفرا فلا تاس علی القوم الکافرین (المائدہ ع ۱۰)	اور جو کچھ آپ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے نازل کیا جاتا ہے وہ ضرور ان میں سے بہتوں کی سرکشی اور کفر بڑھا دیتا ہے، تو آپ ان کافر لوگوں پر غم نہ کیا کیجئے۔

اس آخری فقرہ نے ضمناً یہ بھی ظاہر کر دیا کہ حضورؐ غایت شفقت سے ان منکروں، سرکشوں اور معاندوں کی خاطر بھی غمگیں رہا کرتے تھے۔

یہود و نصاریٰ اصلاً دونوں قومیں موحد تھیں۔ بلکہ یہود میں تو آثار توحید زیادہ نمایاں اور بہت عرصہ تک قائم رہے تھے۔ پھر بھی یہ لوگ مشرک قوموں خصوصاً یونانیوں اور رومیوں کے اثرات سے بہت زیادہ متاثر ہو چکے تھے اور یونانی فلسفہ کی راہ سے آیا ہوا شرک ان کے عقیدوں میں اچھی طرح گھر کر چکا تھا۔ چنانچہ خود حضورؐ کو واسطہ بنا کر ان قوموں کو یوں مخاطب کیا گیا ہے۔

قل یا اھل الکتاب لا تغلوا فی دینکم غیر الحق ولا تتبعوا اھواء قوم قد ضلوا من قبل و اضلوا کثیرا وضلوا عن سواء السبیل (ایضاً)	آپ فرما دیجئے کہ اے اہل کتاب تم اپنے دین میں ناحق کا غلو مت کرو، اور ان لوگوں کے خیالات پر مت چلو جو پہلے خود بھی گمراہی میں پڑ چکے ہیں۔ اور بہتوں کو گمراہی میں ڈال چکے ہیں اور وہ لوگ راہ راست سے بہت دور جا پڑے ہیں۔

یہ دین کی باتوں میں خواہ مخواہ غلو کرنا۔ اور اللہ نے جو حدود قائم کی ہیں ان سے

خواہ مخواہ تجاوز کرنا عین گمراہی کے راستہ پر جا پڑتا ہے۔ اور یہود اور نصرانیوں دونوں نے یہ غالیانہ و نیم مشرکانہ بلکہ صریح مشرکانہ عقیدے بحر روم کے گرد رہنے والی قوموں ہی سے لئے تھے۔ یہود نے زیادہ تر یونانیوں سے۔ اور نصرانیوں نے زیادہ تر رومیوں سے۔

کافر قوموں سے دوستی و موالات اس وقت تک گویا ان کے ضمیر میں داخل ہو چکی تھی۔ جیسا کہ ارشاد ہوا ہے۔

تریٰ کثیرًا منھم یتولون الذین کفروا (المائدہ ع ۱۱)	آپ ان میں سے بہتوں کو دیکھیں گے کہ کافروں سے دوستی کر رہے ہیں۔

یہود کو مسلمانوں سے اس درجہ خلش بڑھ گئی تھی، کہ ان پر مشرکوں کو ترجیح دینے لگے تھے۔

الم تر الی الذین اوتو نصیبًا من الکتاب یؤمنون بالجبت والطاغوت ویقولون للذین کفروا ھؤلاء اھدیٰ من الذین آمنوا سبیلًا (النساء ع ۸)	کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھیں کتاب کا حصہ ملا ہے وہ بت اور شیطان کو مان رہے ہیں۔ اور کافروں کی بابت کہتے ہیں کہ مسلمانوں سے زیادہ صحیح راستہ پر تو یہی لوگ ہیں۔

یہود کو عداوت اسلام اور مسلمانوں سے اس درجہ بڑھ گئی تھی کہ قرآن مجید کو آخر اعلان یہ کرنا پڑا کہ اسلام دشمنی کے لحاظ سے تو مشرکین عرب اور یہود ایک سطح پر ہیں

ولتجدن اشد الناس عداوۃ للذین آمنوا الیھود والذین اشرکوا (المائدہ ع ۱۱)	آپ پائیں گے کہ مسلمانوں سے دشمنی رکھنے میں تمام لوگوں سے بڑھ کر یہود اور مشرکین ہی ہیں

بغض و عداوت میں یہ اس درجہ حد سے گزر گئے تھے کہ معاشرہ کے عام آداب تہذیب کی بھی پروا انھیں نہیں رہ گئی تھی۔ اور جب آپ کی مجلس میں حاضر ہوتے تو بدتمیزی کے کلمات بے تکلف زبان پر لے آتے۔ قرآن مجید نے اس خاص جزئیہ کی بھی نشان دہی پوری طرح کر دی۔

ویقولون سمعنا وعصینا واسمع غیر مسمع وراعنا لیا بالسنتھم وطعنا فی الدین ولو انھم قالوا سمعنا واطعنا واسمع وانظرنا لکان خیرا لھم (النساء ع ۷)	اور یہ لوگ سمعنا وعصینا اور اسمع غیر مسمع کہتے ہیں اپنی زبانوں کو مروڑ کر اور دین میں طعن کی راہ سے اور ان کے حق میں بہتر ہوتا اگر یہ سمعنا واطعنا کہتے اور (صرف) اسمع اور انظرنا

اور انھیں میں بعض ایسے "شریف طینت" بھی تھے۔ جو آپس میں بھی اور مشرکوں سے بھی یہ سازش کرتے رہتے۔ کہ چلو صبح کے وقت تم بھی مسلمانوں کے ہم زبان ہو کر اسلام کا اقرار کر لیا کرو اور پھر اس کے بعد انکار کر دیا کرو۔ اس سے مسلمان تو یہ سمجھنے لگیں گے کہ آخر کوئی تو خرابی اس دین میں ایسی ہے کہ لوگ قبول کرتے ہیں۔ اور پھر بعد غور تامل اس کو ترک کر دیتے ہیں۔ اور عجب نہیں کہ اس طرح بے دل اور بدگمان ہو کر خود بھی پھر جائیں۔

وقالت طایفۃ من اھل الکتاب آمنوا بالذی انزل علی الذین آمنوا وجہ النھار واکفروا آخرہ لعلھم یرجعون (آل عمران ع ۸)	اور اہل کتاب میں سے ایک گروہ نے کہا کہ ایمان لے آؤ شروع دن میں اس کتاب پر جو مسلمانوں پر نازل ہوئی ہے اور انکار کر بیٹھو آخر دن میں عجب نہیں کہ وہ بھی پھر جائیں

ان کے رشک و حسد کے سلسلہ میں جو انھیں اسرائیلی ہونے کی حیثیت سے ایک اسمٰعیلی کے مرتبۂ نبوت پر تھا۔ انھیں کو مخاطب کر کے یوں ارشاد ہوا ہے۔

ان یوتیٰ احد مثل ما اوتیتم او یحاجوکم عند ربکم قل ان الفضل بید اللہ یوتیہ من یشاء و اللہ واسع علیم یختص برحمتہ من یشاء و اللہ ذو الفضل العظیم (آل عمران ع ۸)

یہ باتیں تم اس لئے کر رہے ہو کہ کسی اور کو بھی ایسی چیز مل رہی ہے جیسی تم کو ملی تھی۔ یا وہ اور لوگ تم پر غالب آجائیں تمھارے پروردگار کے سامنے (اسی کتاب سے حجت پکڑ کر) اور اللہ بڑی وسعت والا (جس کا فضل کسی ایک نسل کے ساتھ محدود نہیں) اور بڑا علم والا ہے (ہر قوم کی صلاحیتوں سے واقف) جس کو بھی چاہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر دیتا ہے۔ اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

معاصر اہل کتاب کو یہ بھی صاف صاف جتلا دیا گیا کہ یہ نئے رسول جو سلسلۂ انبیاء میں ایک بڑے لمبے وقفہ کے بعد بھیجے جا رہے ہیں۔ تو ان کی بعثت سے ایک غرض یہ بھی ہے کہ معاصر اہل کتاب پر حجت قائم ہو جائے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

یا اھل الکتاب قد جاء کم رسولنا یبین لکم علی فترۃ من الرسل ان تقولوا ما جاء نا من بشیر ولا نذیر فقد جاء کم بشیر و نذیر (المائدہ ع ۳)

اے اہل کتاب تمھارے پاس یہ رسول آپہنچے جو تم کو صاف صاف بتلاتے ہیں۔ ایسے وقت میں کہ رسولوں کا سلسلہ موقوف تھا کہ کہیں تم یہ نہ کہنے لگو کہ ہمارے پاس کوئی بشیر اور نذیر نہیں آیا۔ سو تمھارے پاس تو بشیر و نذیر آچکا اور پھر یہ اس لئے بھی آئے ہیں کہ تم جو اپنی طرف سے اپنی آسمانی کتاب میں کتر بیونت کرتے رہتے ہو۔ وہ چوری سب پر ظاہر کر دیں (اور یہ کہ ان کی صداقت و حقانیت قطعی اور مسلّم ہو)

یا اھل الکتاب قد جاءکم رسولنا یبین لکم کثیراً مما کنتم تخفون من الکتاب و یعفو عن کثیر قد جاءکم من اللہ نور و کتاب مبین (المائدہ ع ۳)	اے اہل کتاب ہمارے یہ رسول تمہارے پاس آپہنچے ہیں، کتاب میں سے جو کچھ تم چھپاتے رہتے ہو اس کا بہت سا حصہ تم سے کھول کر بیان کر دیتے ہیں۔ اور بہت سے امور کو درگزر کر دیتے ہیں بیشک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشنی آگئی اور ایک واضح کتاب۔

اور نصرانیوں سے تو قرآن مجید نے ایک بار رسولؐ اللہ کو مباہلہ کا اذن بھی دے دیا ہے حقیقت مسیحؑ کے وضوح کے بعد ارشاد ہوا ہے۔

فمن حاجک فیہ من بعد ما جاءک من العلم فقل تعالوا ندع ابناءنا و ابناءکم و نساءنا و نساءکم و انفسنا و انفسکم ثم نبتہل فنجعل لعنت اللہ علی الکاذبین (آل عمران ع ۷)	پھر جو کوئی آپ سے اس معاملہ میں حجت کرے بعد اس کے کہ آپ کو علم صحیح پہنچ چکا ہو تو آپ کہہ دیجئے اچھا آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بھی بلائیں اور تمہارے بیٹوں کو بھی اور اپنی عورتوں کو بھی اور تمہاری عورتوں کو بھی۔ اور اپنے آپ کو بھی اور تمہارے تئیں بھی پھر ہم خشوع سے دعا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں۔

تاریخ میں آتا ہے کہ یہ وفد نجران کے پادریوں کا تھا جو ۹ھ ۶۳۰ء میں مدینہ میں حاضر خدمت ہوا تھا۔ ان سے ایک معاہدہ صلح ہو گیا اور مباہلہ کی ہمت مسیحیوں نے نہ کی۔

بہ حیثیت مجموعی۔ اس وقت کے نصرانیوں، خصوصاً ان کے روحانی پیشواؤں

کا رویہ اسلام اور شارع اسلامؐ سے متعلق بڑا ہمدردانہ اور دینی خشوع وخضوع لئے ہوئے تھا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

ولتجدن اقربھم مودۃ للذین آمنوا الذین قالوا انا نصاریٰ ذالک بان منھم قسیسین ورھبانًا وانھم لایستکبرون واذا سمعوا ما انزل الی الرسول تریٰ اعینھم تفیض من الدمع مما عرفوا من الحق یقولون ربنا آمنا فاکتبنا مع الشاھدین

(مائدہ ع ۱۱)

مسلمانوں کے ساتھ دوستی رکھنے میں سب سے زیادہ قریب ان لوگوں کو پائیے گا جو اپنے کو نصاریٰ کہتے ہیں، یہ اس سبب سے کہ ان میں (بہت سے) عالم اور بہت سے تارک دنیا درویش ہیں۔ اور اس سبب سے کہ یہ لوگ متکبر نہیں ہیں۔ اور جب وہ اس کلام کو سنتے ہیں جو رسول پر نازل کیا گیا ہے تو آپ ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ اس لئے کہ انھوں نے حق کو پہچان لیا اور یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لے آئے۔ تو ہم کو بھی تصدیق کرنے والوں کے ساتھ لکھ لیجیے!۔

اور ظاہر ہے کہ یہ سچے نصرانی بعد کو اسلام میں داخل ہوگئے تھے۔ معاصر اہل کتاب کے ان رذائل کے بیان سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہ ہوگا کہ جتنے تھے سب کے سب ایسے ہی تھے قرآن مجید ہی کی شہادت ہے کہ بعض ان میں سے اہل [illegible] اللہ اعتدال پر قائم۔

منھم امۃ مقتصدۃ

(المائدہ ع ۹)

ان میں سے ایک جماعت راہ راست پہ چلنے والی بھی ہے۔

اور ایک اور جگہ ذکر یوں فرمایا گیا۔

لیسوا سواء من اهل الکتاب اُمة قائمة یتلون آیات اللہ آناء اللیل وھم یسجدون (آل عمران ع ۱۲)

یہ سب یکساں نہیں، انھیں اہل کتاب میں ایک جماعت وہ بھی ہے جو قائم ہے. یہ اللہ کی آیتیں اوقات شب میں پڑھتے ہیں. اور نماز بھی پڑھتے ہیں

اور خیر یہ لوگ تو آخر کار دین اسلام میں شامل ہی ہو گئے تھے. لیکن جو لوگ بدستور اپنے دین یہودیت پر تھے. ان کی بھی دو قسمیں دیانت و بددیانتی کے لحاظ سے تھیں۔

ومن اھل الکتاب من ان تامنه بقنطار یؤدہ الیک ومنھم ان تامنه بدینار لا یؤدہ الیک الا ما دمت علیه قائما ذالک بانھم قالوا لیس علینا فی الامیین سبیل ویقولون علی اللہ الکذب وھم یعلمون۔ (آل عمران ع ۸)

اور اہل کتاب میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ اگر تم ان کے پاس ڈھیروں مال بھی امانت رکھدو تو وہ بھی تجھے ادا کردے۔ اور انھیں میں سے ایسے بھی ہیں کہ اگر تم ان کے پاس ایک دینار بھی امانت رکھدو۔ تو وہ بھی تم کو ادا نہ کریں تاوقتیکہ تم ان کے سر پر کھڑے نہ رہو اور یہ اس لئے کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم پر غیر اہل کتاب کے باب میں کوئی ذمہ داری نہیں۔ یہ لوگ اللہ پر جھوٹ باندھ رہے ہیں اور ایسے جانتے بھی ہیں

یہ تھا بے کم و کاست حال ان یہود اور کل اہل کتاب کا جن سے آنحضرت صلعم کو براہ راست سابقہ پڑا تھا. تفصیل سے ظاہر ہو گیا کہ ان میں کتنی کم صلاحیت قبول حق کی باقی رہ گئی تھی۔ اور ان کے انبوہ عظیم میں کتنے کم ایسے رہ گئے تھے جن سے کسی قدر توقع اصلاح کی قائم کی جا سکتی تھی۔

(ج)

منافقین

قرآن کی مکی سورتوں میں کثرت سے ذکر مشرکین کا آتا ہے۔ جو پیمبر اسلام کے پیام اور پیامبری کے کھلے ہوئے منکر تھے۔ اور مکہ میں قرآن کے براہ راست مخاطب تھے۔ مدنی سورتوں میں اس کے برعکس ذکر یہود و نصاریٰ کے ساتھ ساتھ۔ اور ان سے زیادہ کثرت سے ایسے طبقہ کے لوگوں کا آتا ہے۔ جو رسولؐ و رسالت کا کھلا ہوا منکر نہ تھا بلکہ بہ ظاہر معتقد و مطیع تھا۔ لیکن زبانی اقرار پر قلبی انکار غالب تھا۔ اپنے آپ کو شامل گروہ مومنین میں کرانا چاہتا تھا۔ لیکن عقائد مشرکین یا یہود کے رکھتا تھا اور در پردہ سازشیں اسلام اور شارع اسلام کے خلاف کرتا رہتا تھا۔ قرآن کی اصطلاح میں یہ لوگ منافقین کہلاتے ہیں اور قرآن ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہؐ کے مخاطبین کے چار طبقوں میں سے ایک مستقل طبقہ ان لوگوں کا تھا۔

قرآن مجید نے اکثر تو انہیں براہ راست منافقین ہی کہہ کر یاد کیا ہے اور معلوم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس گروہ میں عورتیں بھی خاصی تعداد میں شامل تھیں اس لئے کہ قرآن مجید نے منافقات کا لفظ لاکر ان کی تصریح بھی کم سے کم چار مقامات پر تو کی ہی ہے،

اور کہیں کہیں بجائے اسم کے۔ اس طبقہ کے لئے صیغہ فعل سے خبر دی ہے۔ مثلاً الذین نافقوا اور کہیں اس طبقہ کے لئے الذین فی قلوبھم مرض لایا گیا ہے۔ یعنی وہ لوگ جن کے دلوں کے اندر روگ ہے۔ اس طرح کل ملاکر اس طبقہ کا ذکر قرآن مجید کے مدنی حصہ میں خاصی کثرت سے ملے گا۔

ان کے ذکر کا آغاز کہنا چاہیئے کہ قرآن مجید کے آغاز سے ہوجاتا ہے۔ سورۃ البقرہ کا دوسرا ہی رکوع ہے، کہ پہلے رکوع میں مومنوں اور منکروں دونوں کے تذکرے کے بعد معاً یہ بیان سامنے آجاتا ہے۔

ومن الناس من یقول آمنا باللہ وبالیوم الاخر وما ھم بمومنین (البقرۃ ع ۲)

کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو زبان سے کہتے ہیں کہ ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ اور روز جزا پر حالانکہ وہ ذرا بھی صاحب ایمان نہیں۔

ان کے عمق قلب میں ایمان کا ذرا بھی گزر نہ تھا۔ ان کا کاروبار تمام تر دیدہ و دانستہ دھوکے بازی اور فریب دہی کا تھا۔

یخادعون اللہ والذین آمنوا وما یخدعون الا انفسھم وما یشعرون۔ (ایضاً)

یہ دھوکا دے رہے ہیں (اپنے خیال میں) اللہ کو اور ایمان والوں کو۔ حالانکہ کوئی بھی ان سے دھوکا نہیں کھا رہا ہے۔ سوا ان کے اپنے نفس کے۔ اور یہ اس کا بھی ادراک نہیں رکھتے۔

ان کے قلب کے اندر حسد و نفاق کا مرض تھا۔ اسلام کی ترقی دیکھ دیکھ انھیں اور جلن پیدا ہوتی تھی۔ اور اس مرض کی آگ اور بھڑکتی رہتی تھی۔ انھیں تکذیب رسولؐ کے علاوہ اس نفاق کی خصوصی سزا کی خبر دے دی گئی۔

فی قلوبھم مرض فزادھم اللہ	ان کے دلوں کے اندر بیماری ہے تو اللہ نے
مرضاً ولھم عذاب الیم بما کانوا	ان کے مرض کو اور ترقی دے دی۔ انہیں عذاب
یکذبون (ایضاً)	دردناک ہوتا ہے اپنے اس جھوٹ پر۔

ان کی اس منافقانہ زندگی کا قدرتی نتیجہ یہ تھا کہ اللہ کی زمین پر بگاڑ پھیلے اور جب انہیں ان کے اس رویہ پر نمائش کی جاتی تھی۔ تو اسلئے اس کی تردید و تکذیب کرتے اور اپنے کو پاک صاف ظاہر کرتے۔

واذا قیل لھم لا تفسدوا	اور جب ان سے کہا جاتا ہو کہ زمین پر بگاڑ
فی الارض قالوا انما نحن مصلحون	مت پھیلاؤ تو کہتے ہیں واہ۔ ہم اور بناؤ پیدا
الا انھم ھم المفسدون ولکن	کرنے والے ہیں۔ خوب سن لو کہ مفسد یہی
لا یشعرون (ایضاً)	لوگ ہیں۔ اور یہ اس کی بھی خبر نہیں رکھتے

پھر آگے ان کے اس دوغلے پن کا ذکر ہے کہ جب مسلمانوں سے ملتے ہیں تو ان کی ہاں میں ہاں ملانے لگتے ہیں اور جب شیطان صفت معاندین اسلام کے ساتھ مل بیٹھتے ہیں تو ان کی سی کہنے لگتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہم تو مسلمانوں کو بنا رہے تھے۔ قرآن ان کے جواب میں کہتا ہے کہ یہ بیچارے کسی کو کیا بنائیں گے۔ اسلئے خود ہی بن رہے ہیں اور اپنے عصیان و طغیان کے دلدل میں اور پھنستے ہی جا رہے ہیں! اور ان کو جب عام مومنین کی طرح قبول اسلام کی دعوت دی جاتی ہے۔ تو اکڑ کر اور اترا کر بولتے ہیں کہ کیا ہم بھی ان لوگوں کی طرح کچھ سادہ لوح ہیں! —— اس کے بعد قرآن نے ان کی تہ بہ تہ گمراہیوں اور کج رائیوں کی دو دو تمثیلیں تفصیل سے بیان کی ہیں۔ اور ان کے انجام بخیر ہونے کے بجائے ان کے انجام بہ شر ہونے کی خبر دی ہے۔

ان کی ایک عادت یہ تھی کہ بے تحاشہ کھلے کفر و انکار کے بک جاتے تھے اور جب گرفت ہوتی تو جھٹ مکر جاتے۔ حالانکہ اس کے بعد تو وہ ظاہری اسلام سے بھی نکل جاتے

یحلفون باللہ ما قالوا ولقد قالوا کلمۃ الکفر وکفروا بعد اسلامھم وھموا بما لم ینالوا (التوبہ ع ۱۰)

یہ قسمیں کھا جاتے ہیں کہ ہم نے فلاں بات نہیں کہی تھی۔ حالانکہ انھوں نے یقیناً کفر کی بات کہی تھی۔ اور اپنے اسلام کے بعد کافر ہو گئے اور انھوں نے ایسی بات کا ارادہ کیا تھا۔ جو ان کے ہاتھ نہ لگی۔

اس آخری ٹکڑے وھموا بما لم ینالوا سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی خاص مقصد ان لوگوں کے پیش نظر تھا۔ جو حاصل نہ ہو سکا۔ اور چونکہ آیت ایک غزوہ کے بیان میں ہے۔ اس لئے عجب نہیں کہ ان آستین کے سانپوں کا مقصد لشکر اسلام کے اندر پھوٹ ڈالنا اور رنجشیں پیدا کرا دینا ہو۔ جیسا کہ روایات سے بھی تصدیق ہوتی ہے یہ مسلمانوں کے سامنے آ کر جھوٹی قسمیں کھا کھا کر انھیں اپنے سے راضی کر لینا اور اپنے سے پرچا لینا چاہتے تھے۔ اور چونکہ مسلمانوں سے ملے جلے اور بہ ظاہر انھیں کے گروہ میں شامل رہا کرتے۔ اس لئے اس کوشش میں کامیابی ان کے لئے کچھ دشوار بھی نہ تھی۔ حالانکہ اگر صداقت و دیانت ذرا بھی ہوتی تو کوشش اللہ اور اس کے رسول کی رضا جوئی کی کرتے رہتے۔ ارشاد ہوا ہے۔

یحلفون باللہ لکم لیرضوکم واللہ ورسولہ احق ان یرضوہ (التوبہ ع ۸)

یہ لوگ تم مسلمانوں کے سامنے قسمیں کھاتے ہیں کہ تم کو پرچائیں۔ حالانکہ اللہ اور اسکا رسول ہی اس کے زیادہ حق دار ہیں۔

جھوٹی قسموں میں یہ لوگ منجھے ہوئے تھے۔ لیکن زبان وحی بھی برابر ان کی نقاب کشائی کرتی رہتی۔

یحلفون باللہ انہم لمنکم وما ہم منکم ولکنہم قوم یفرقون (التوبۃ ع ۷)	یہ لوگ اللہ کی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ وہ تمہیں میں سے ہیں حالانکہ وہ تم میں سے نہیں ہیں۔ سبب یہ کہ یہ لوگ بزدلے ہیں۔

صدق دل سے رسول پر ایمان لانا، الگ رہا۔ یہ لوگ رسول کی بدگوئی کرتے رہتے اور طرح طرح آپ کی اذیت قلب کے باعث بنتے۔

ومنہم الذین یؤذون النبی ویقولون ہو اذن۔ (التوبۃ ع ۸)	انھیں میں وہ لوگ بھی ہیں۔ جو نبی کو اذیت پہنچاتے رہتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ آپ کان کے کچے ہیں۔

یہ جھوٹ بولنے، تمسخر کرنے اور بات بنا لینے میں مشاق اور بیباک ہونے کے باوجود قرآن جو ان کی پردہ دری کرتا رہتا۔ اس سے ڈرتے رہتے۔ اور اس کا کچھ بھی علاج ان کے بس میں نہ تھا۔ آسمانی ریکارڈ میں شہادت موجود ہے کہ

یحذر المنافقون ان تنزل علیہم سورۃ تنبئہم بما فی قلوبہم قل استہزءوا ان اللہ مخرج ما تحذرون (التوبۃ ع ۸)	یہ لوگ اس سے اندیشہ کرتے رہتے ہیں کہ مسلمانوں پر کوئی ایسی سورت نہ نازل ہو جائے جو ان کو ان منافقین کے مافی الضمیر پر مطلع کر دے آپ فرما دیجئے کہ اچھا تم استہزاء کرتے رہو۔ بیشک اللہ اس چیز کو ظاہر کر کے رہیگا جس سے تم اندیشہ کرتے تھے۔

جب گرفت ہوتی تو بڑا حیلہ اپنے بچاؤ کا ان کے پاس یہ تھا کہ کہیں واقعی یہ عقائد و خیالات ہمارے تھوڑے ہی ہیں۔ یہ باتیں تو ہم محض خوش طبعی کے طور پر کہہ دیتے ہیں۔

ولئن سالتھم لیقولن انما کنا نخوض ونلعب (ایضاً)

اور اگر آپ ان سے پوچھئے تو کہہ دیں گے کہ یہ تو ہم محض مشغلہ اور خوش طبعی کر رہے ہیں

قرآن نے اس عجیب و غریب عذر گناہ کا جواب دیا، وہ بھی سننے کے قابل ہے۔

قل اباللہ وآیاتہ ورسولہ کنتم تستھزءون لا تعتذروا قد کفرتم بعد ایمانکم ان نعف عن طائفۃ منکم نعذب طائفۃ بانھم کانوا مجرمین۔

(التوبہ ع ۸)

تو آپ ان سے کہئے کہ اچھا تو تمہارا یہ استہزا اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول کے ساتھ تھا؟ اب کوئی عذر پیش مت کرو تم تو اپنے کو مومن کہلانے کے بعد کفر کرنے لگے تم میں سے ایک گروہ کو ہم چھوڑ بھی دیں تو ایک گروہ کو ہم سزا دیں ہی گے۔ اس لئے کہ وہ لوگ مجرم تھے۔

ان کی منافقانہ کارروائیوں کا ذکر اکثر جنگ و غزوات کے سلسلہ میں آیا ہے۔ (جیسا کہ سورۃ التوبہ میں خصوصاً آیا ہے) اس سے اتنا تو بہر حال ظاہر ہوتا ہے کہ فوج میں بد دلی پھیلانا، فوج کے اندر اختلافات و نفاق پیدا کرا دینا، عین وقت پر ہتھیار رکھ دینا، دشمن سے ساز باز کر لینا، اسے اپنے ہاں کے رازوں پر مطلع کر دینا اور اسی قبیل کے وہ جرائم جو فوجی قانون اور میدان جنگ کے ساتھ مخصوص ہیں ان کے مرتکب تو یہ ضرور ہی ہوتے ہوں گے۔ لیکن قرآن مجید نے ان پر فرد جرم جو لگائی

ہو۔ وہ اس سے زیادہ وسعت وعموم رکھتی ہے۔ اور ظاہر یہ ہوتا ہے کہ ان کا پھیلایا ہوا بگاڑ ساری ہی اجتماعی زندگی تک محیط ہو چکا تھا۔

المنافقون والمنافقات بعضھم من بعض یامرون بالمنکر وینھون عن المعروف ویقبضون ایدیھم (التوبہ ع ۸)

یہ منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک سے ہیں تعلیم دیتے ہیں بُری باتوں کی اور باز رکھتے ہیں اچھی باتوں سے اور اپنے ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں۔

یقبضون ایدیھم سے صاف اشارہ ان کی ترویج بخل کی طرف نکلتا ہے۔ اور اس کے اوپر ذکر ان کی عام بداخلاقی و بدکرداری کا ہے نتیجہ جو نکلنا تھا۔ وہ بھی قرآن نے ظاہر کر دیا ہے۔

نسوا اللہ فنسیھم ان المنافقین ھم الفاسقون (ایضاً)

یہ اللہ کو بھلا بیٹھے۔ تو اللہ نے بھی انھیں بھلا دیا۔ فاسق لوگ یہی منافق ہی تو ہیں۔

اس صورت حال کا ایک قدرتی نتیجہ یہ بھی نکلا کہ اس طبقہ کا ذکر بار بار کافروں اور مشرکوں پر علاوہ ہو کر آیا ہے۔ اور اُن کے انجام کا شریک ان کو بھی بتایا گیا ہے مثلاً

وَعَدَ اللہ المنافقین والمنافقات والکفار نار جھنم خالدین فیھا ھی حسبھم ولعنھم اللہ ولھم عذابٌ مقیم (ایضاً)

اللہ نے عہد کر رکھا ہے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کافروں سے دوزخ کی آگ کا۔ جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے وہی ان کے لئے کافی ہے اور اللہ ان کو اپنی رحمت سے دور رکھے گا اور ان کا عذاب دائمی ہے۔

اسی طرح پیمبر کو ایک جگہ جہاں ایک ہدایت کی ہے وہاں بھی منافقوں کا عطف

کافروں پر ہے۔

ولا تطع الکافرین والمنافقین ودع اذاھم (الاحزاب ع ۹)	اے پیغمبر کافروں اور منافقوں کا کہا نہ کیجئے، اور ان کی طرف سے جو اذیت پہونچے اس التفات نہ کیجئے۔

ودع اذاھم کا تعلق جتنا کافروں سے ہے اتنا ہی منافقوں سے بھی ہے۔ گویا یہ صاف ہو گیا کہ جتنی اذیت آپ کو منافقوں یعنی اُن نام کے مسلمانوں کی طرف سے پہونچتی تھی۔ وہ اس سے کچھ کم نہ تھی۔ جو کھلے ہوئے منکروں کی طرف سے پہونچتا رہتی تھی۔

ایک جگہ ذکر ہو کہ اللہ کے ساتھ بدگمانی رکھنے کی سزا ان کو اور اُن کو دونوں کو ملے گی۔ وہاں بھی منافقوں کو مشرکوں کے ساتھ عطف کرکے بیان کیا ہے۔

ویعذب المنافقین والمنافقات والمشرکین والمشرکات الظانین باللہ ظن السوء (الفتح ع ۱)	تاکہ اللہ عذاب دے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو جو اللہ کے ساتھ بڑے بڑے گمان رکھتے ہیں۔

اور تقریباً یہی الفاظ ایک جگہ اور دہرائے ہوئے ملتے ہیں۔

یعذب اللہ المنافقین والمنافقات والمشرکین والمشرکات (الاحزاب ع ۹)	انجام یہ ہوا کہ اللہ عذاب دے گا منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو۔

ان منافقین کا اصلی جرم تو ان کا یہی نفاق تھا، یعنی دل میں کچھ زبان پر

یعنی دل سے خالص انکار اور زبان پر محض اقرار۔ قرآن مجید نے ان کی فرد جرم میں نمبر اول پر اس کو رکھا ہے۔

یقولون بالسنتھم مالیس فی قلوبھم (الفتح ع ۲)	اپنی زبانوں سے وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں بالکل نہیں ہیں۔

لیکن اس بنیادی اور اعتقادی جرم کے علاوہ اُن کے عملی اور اجتماعی جرائم بھی کچھ کم قابل مواخذہ و تعزیر نہ تھے۔ مدینہ میں رہ کر عفیفہ و پاکدامن مسلمان عورتوں کو تنگ کرنا، مسلمان باشندگان شہر کی بدخواہی اور دشمنی میں لگے رہنا۔ ان پر آج کل کی اصطلاح میں سرد جنگ جاری رکھنا۔ یعنی شہر میں دہشت انگیز افواہیں پھیلاتے رہنا۔ ان لوگوں کا مستقل شعار بن گیا تھا۔ قرآن مجید نے اس سیاق میں اُن کا ذکر کر کے ان کے لئے سزائیں بھی انتہائی اور عبرت انگیز تجویز کر دی ہیں۔

لئن لم ینتہ المنافقون والذین فی قلوبھم مرض والمرجفون فی المدینۃ لنغرینک بھم ثم لا یجاورونک فیھا الا قلیلا ملعونین اینما ثقفوا اخذوا وقتلوا تقتیلا (الاحزاب ع ۸)	اگر نہ باز آئیں یہ منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہو اور مدینہ میں افواہ اڑاتے رہتے ہیں۔ تو ہم آپ کو ان پر ضرور مسلط کر دیں گے پھر یہ لوگ شہر میں آپ کے پاس پھٹکنے بھی نہ پائیں گے مگر ہاں بہت ہی کم اور وہ بھی لعنت زدہ بس جہاں کہیں مل گئے انہیں پکڑا اور مار کے ٹکڑے اڑا دیئے۔

ان کی اخلاقی پلیدی اور روحانی گندگی کا لازمی نتیجہ یہ ہونا تھا کہ آخرت میں اُن کا انجام سب سے بدتر قرار پایا۔ کہ ایک تو قبول اسلام سے انکار اور مسلک کفر و شرک

بد جود۔ اور اس پر اضافہ اس ریا و مکر کا کہ ہم تو مسلم و مطیع ہیں ارشاد ہوا ہے ۔

انّ المنافقین فی الدرک	بیشک منافقین دوزخ کے سب سے نیچے طبقہ میں
الاسفل من النار ولن تجد لھم	ہوں گے اور تو ہرگز ان کا کوئی مدد گار نہ
نصیرا (النساء ع ۲۱)	پائے گا۔

اور ان کے جرائم کے پاداش میں ان کا انجام اُخروی یاد دلاکر دنیا میں بھی اُن کے ساتھ معاملہ سختی کا رکھا گیا ہے اور انھیں کافروں ہی کی صف میں رکھ کر پیمبر کو حکم ان کے خلاف بھی "جہاد" کا ہوا ہے ۔

یاایھا النبی جاھد الکفار	اے نبی! جہاد کافروں اور منافقوں سے کیجئے
والمنافقین واغلظ علیھم ومأواھم	اور ان پر سختی کیجئے. ان کا ٹھکانا دوزخ ہے
جھنم وبئس المصیر (التحریم ع ۲)	اور وہ بڑی بُری چیز ہے ۔

یہ آیت ابھی سورۂ تحریم کی تلاوت ہوئی ۔ اور بعینہٖ یہی آیت سورۃ التوبہ کوع ۸ میں بھی وارد ہو چکی ہے ۔ البتہ یہ خیال رہے کہ یہاں لفظ جہاد اپنے لغوی معنی میں یعنی سخت کوشش کے مرادف ہو کر آیا ہے ۔ جہاد فقہی کے معنی میں نہیں. جو بہت بعد کی اصطلاح ہے ۔ اور قرآن مجید میں اس کے لئے لفظ قتال ہے ۔ اور لفظ جہاد میں حضور صلعم کے لئے پوری گنجایش باقی رہی ۔ کہ آپ اپنے اجتہاد کی رو سے جیسا مناسب سمجھیں جہادی معاملہ کافروں اور منافقوں کے ساتھ ان کے اور اُن کے حسب حال رکھیں۔

مکہ میں کھلا ہوا کفر و شرک تھا ۔ اس مرض نفاق کا مقابلہ تو آنحضرت صلعم کو مدینہ ہی میں آکر کرنا پڑا ۔ اکثر منافق یہیں آکر ملے ۔ اور اُن میں وہ چالاک اور سخن ساز

طبقہ بھی تھا۔ جو حضور کی نظر سے حضور کے کمال فراست و دانائی کے باوجود اپنے کو مخفی رکھنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ قرآن مجید نے صراحت کردی ہے۔

ومن اھل المدینۃ مردوا علی النفاق لا تعلمھم نحن نعلمھم (التوبہ ع ۱۳)

اور مدینہ والوں میں سے نفاق کی حد کمال پر پہنچے ہوئے ہیں۔ آپ ان کو نہیں جانتے ہم اُن کو جانتے ہیں۔

اور اس کے مًابعد اُن کے انجام دنیوی و اُخروی سے بھی خبر دے دی گئی

سنعذبھم مرتین ثم یردون الی عذاب عظیم (ایضًا)

ہم اُن کو دو دو بار سزائیں دیں گے۔ اور انہیں بھیجیں گے عذاب عظیم کی طرف۔

یہ منافقین شہر مدینہ کے علاوہ دیہات و حوالیٔ مدینہ میں بھی آباد تھے۔

وممن حولکم من الاعراب منافقون (ایضًا)

اور یہ جو تمہارے گرد و پیش دیہاتی ہیں ان میں بھی کچھ منافق ہیں

اور دیہاتیوں کے مزاج میں یوں بھی سختی زیادہ ہوتی ہے۔ شاید اسی کا نتیجہ تھا کہ یہ دیہاتی کفر و نفاق دونوں میں بہت بڑھے ہوئے تھے۔

الاعراب اشد کفرًا ونفاقًا (التوبہ ع ۱۲)

یہ دیہاتی لوگ کفر و نفاق میں بہت ہی سخت ہیں۔

غریب و تہی دست مسلمانوں پر یہ تنگ دل مسخرے منافقین برابر طنز و تمسخر کرتے رہتے تھے۔ ان مفلسوں کی طرف سے جواب خود حق تعالیٰ نے دیا۔ ارشاد ہوتا ہے

فیسخرون منھم سخر اللہ منھم ولھم عذاب الیم

یہ ان (مفلس مسلمانوں) سے مسخرہ پن کرتے ہیں اللہ ان کے مسخرہ پن کو اُن پر الٹ دے گا۔ اور ان کے

(التوبہ ع ۱۰) لئے عذاب دردناک رکھا ہوا ہے۔

ان میں کے بعض بدبخت ایسے بھی تھے۔ جن پر یہ نفاق کی لعنت بطور ان کی سزا یا پاداش عمل کے مسلّط کر دی گئی ہے۔ قرآن مجید نے ان کی نفسیت پر یوں روشنی ڈالی ہے۔

ومنھم من عاھد اللہ لئن آتانا من فضلہ لنصدقن ولنکونن من الصالحین فلما آتاھم من فضلہ بخلوا بہ وتولوا وھم معرضون فاعقبھم نفاقاً فی قلوبھم الیٰ یوم یلقونہ بما اخلفوا اللہ ما وعدوہ وبما کانوا یکذبون۔

(التوبہ ع ۱۰)

ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں کہ جنھوں نے عہد کیا تھا کہ اگر اللہ نے اپنے فضل وکرم سے ہم کو عطا کر دیا تو ہم خوب خیر خیرات کریں گے۔ اور خوب نیک نیک کام کریں گے۔ پھر جب اللہ نے ان کو اپنے فضل سے عطا کر دیا تو لگے وہ اس میں بخل کرنے اور روگردانی کرنے، اور وہ تھے ہی بات سے پھر جانے والے سو اللہ نے اس کی سزا میں اُن کے دلوں میں نفاق پیدا کر دیا۔ جو اللہ کے یہاں جانے کے دن تک ان میں رکھے گا۔ اس لئے کہ انھوں نے اللہ سے وعدہ خلافی کی۔ اور اس لئے کہ جھوٹ بولتے رہے تھے

انھیں بڑا ناز اپنی چالاکی اور رازداری پر تھا۔ سمجھتے تھے کہ اُن کے راز چھپے کے چھپے رہ جائیں گے۔ قرآن مجید نے بار بار اُن کے اس زعم باطل کو توڑا ہے اور انھیں یاد دلایا ہے کہ ان کا سابقہ تو خدائے دانند ۂ اسرار و خفایا سے ہے

الم یعلموا ان اللہ یعلم سرّھم کیا انھیں اس کی خبر نہیں ہے کہ اللہ کو اُن کے

ونجواهم وان الله علام الغيوب (ايضاً)

دل کا راز اور سرگوشی ان کی سب معلوم ہو اور اللہ غیب کی ساری باتوں کو جانتا ہے۔

ان کی ریاکاری و منافقت کا یہ کمال تھا کہ انھوں نے اپنی ایک مسجد کھڑی کر لی تھی۔ بظاہر تمامتر عبادت و ذکر الہی کے لئے۔ لیکن دل میں مقصد یہ کہ اس میں جمع ہو کر مسلمانوں کے خلاف سازشیں کی جائیں۔ اور اسلام و اُمت اسلامی کی بربادی کے منصوبے تیار کیے جائیں۔ قرآن مجید نے اس کا بھی پول کھول دیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صاف حکم دیا کہ آپ ہرگز اس کی طرف رخ نہ کریں۔

والذين اتخذوا مسجداً ضراراً وكفراً وتفريقاً بين المؤمنين وارصاداً لمن حارب الله ورسوله من قبل وليحلفن ان اردنا الا الحسنى والله يشهد انهم لكذبون لا تقم فيه ابداً (التوبہ ع ۱۳)

اور ایسے لوگ بھی ہیں جنھوں نے مسجد اس غرض سے بنا کھڑی کی ہے کہ (اس کے ذریعہ سے) ضرر پہونچائیں۔ اور کفر پھیلائیں اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈال دیں۔ اور اس شخص کو اس میں پناہ دیں جو اس کے قبل بھی اللہ اور اس کے رسول سے لڑ چکا ہو۔ اور یہ قسمیں کھا کر کہیں گے کہ ہم تو بجز بھلائی اور کوئی نیت ہی نہیں رکھتے اللہ گواہ ہے کہ یہ بالکل جھوٹے ہیں آپ اس مسجد میں کبھی کھڑے بھی نہ ہوں۔

اور یہ تو اُن کے لیے ایک معمولی سی بات تھی۔ کہ ایک بار جب ایک جہاد گرمیوں کے موسم میں پڑا تو یہ لوگ لگے مسلمانوں کو مشورہ دینے۔ کہ اس سخت موسم میں کہاں نکلو گے ـــــ گویا جہاد بھی اُن کے خیال میں کوئی سیر و تفریح کی چیز پکنک۔

کے قسم کی تھی۔ قرآن نے اُن کا قول نقل کرکے جواب بھی کتنا سخت دیا ہے۔

قالوا لا تنفروا فی الحر	کہنے لگے کہ تم لوگ گرمی میں نہ نکلو۔ آپؐ کہہ دیجئے
قل نار جہنم اشد حرا لو کانوا	کہ جہنم کی آگ اس سے کہیں بڑھ کر گرم ہے۔
یفقھون فلیضحکوا قلیلا	کاش یہ اتنا سمجھتے! یہ لوگ تھوڑے دن ہنس
ولیبکوا کثیرا جزاء بما کانوا	لیں۔ اور بہت دن روتے رہیں اپنے کرتوتوں
یکسبون (التوبہ ع ۱۱)	کے بدلے۔

پیغمبر کی سفارش اور دعائے مغفرت جس درجہ موثر اور زوردار ہوتی ہے۔ ہر مسلمان کو معلوم ہے۔ اور قرآن مجید خود اس کی اہمیت بار بار جتا چکا ہے۔ لیکن منافقین کے قلب چونکہ شمۂ ایمان بھی نہیں رکھتے۔ اس لئے قرآن مجید نے براہ راست حضور کو مخاطب کرکے تصریح کر دی، کہ ایسوں کے حق میں آپ تک کی دعائے مغفرت کام نہ دیگی خواہ آپ کتنی ہی کرتے رہیں۔

استغفر لھم اولا تستغفر لھم	آپ اُن کے حق میں استغفار کریں۔ یا اُن کے
ان تستغفر لھم سبعین مرۃ فلن	حق میں نہ کریں۔ آپ اُن کے حق میں استغفار اگر
یغفر اللہ لھم	ستر بار بھی کریں۔ تو بھی اللہ اُن کی مغفرت نہ
(التوبہ ع ۱۰)	کرے گا۔

روایتوں میں آتا ہے کہ آپؐ نے اپنی نہایت رحمدلی کی بناء پر اس آیت کے باوجود ایک رئیس المنافقین کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اور لفظ ستر کے عدد سے فائدہ اٹھا کر یہ کہا کہ میں استغفار ستر سے زیادہ بار کر دوں گا۔ (حالانکہ آپ جیسے فصیح اللسان سے بڑھ کر کون اس نکتہ سے واقف ہو سکتا تھا، کہ محاورۂ زبان میں ستر سے مراد کثرت

استغفار ہے نہ کوئی معین عدد) اس پر یہ حکم قطعی طور پر نازل ہو گیا کہ ایسوں کی نہ کبھی نماز پڑھیے اور نہ اُن کی قبر پر کھڑے ہی ہو جیے۔

لا تصل علی احد منهم مات	اور اُن میں کوئی مر جائے تو اس پر کبھی نماز نہ
ابدا ولا تقم علی قبره (التوبہ ع ۱۱)	پڑھئے اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہو جیے۔

بڑی چڑھ ان لوگوں کو آیات احکام سے رہتی۔ اور جہاد و قتال کے احکام سن کر تو اُن کی جان ہی سوکھ جاتی۔ قرآن مجید نے اس منظر کی یوں عکس کشی کی ہے۔

فاذا انزلت سورة محكمة	جب کوئی سورت صاف صاف نازل ہوتی ہے
و ذکر فیها القتال رایت الذین	اور اس میں ذکر جہاد کا بھی ہوتا ہو تو جن لوگوں
فی قلوبهم مرض ینظرون الیک	کے دلوں میں بیماری ہے۔ آپ اُن کو دیکھتے ہیں کہ
نظر المغشی علیه من الموت	وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھتے ہیں کہ جیسے کسی
فاولیٰ لهم (محمد ع ۳)	پر بیہوشی طاری ہو گئی ہو سو عنقریب ان کی کمبختی آنے والی ہے۔

بڑے جزبزیہ اس وقت ہوتے تھے۔ جب اُن کے اسرار فاش ہو جاتے تھے اور قرآن مجید خود یا رسول اللہ ہی کی زبان سے انھیں اس قسم کی آتیں سنوا دیا تھا۔

واللہ یعلم اسرارهم (ایضاً)	اللہ (خوب) جانتا ہے اُن کی خفیہ باتوں کو۔

اور انتہائی تکلیف اور بد حواسی ان پر اُس وقت طاری ہوتی۔ جب رسول ہی کی زبان سے انھیں اس قسم کے تنبیہی پروانے وصول ہوتے۔

ام حسب الذین فی قلوبهم مرض ان لن یخرج اللہ اضغانهم	جن لوگوں کے دلوں میں مرض ہے کیا یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ اللہ کبھی اُن کی دلی عداوتوں کو ظاہر

ولونشاء لاریناکھم فلعرفتھم بسیماھم ولتعرفنھم فی لحن القول۔ (محمد ع ۴)

نہ کرے گا اور اگر ہماری مشیت یہ ہوتی تو ہم آپ کو ان کا پورا پتہ بھی بتا دیتے اور آپ اُن کو ان کے حلیے سے پہچان لیتے اور آپ اُن کو طرزِ کلام سے ضرور پہچان لیں گے۔

اپنی مادی دنیوی زندگی میں یہ کسی سے دبے پچے ہوئے نہ تھے۔ بلکہ ان کی معاشرت معلوم ہوتا ہے۔ خاصی بلند و ممتاز تھی۔ اور ان کے ظاہر میں ایک طرح کی کشش یا دلکشی بھی تھی۔ قرآن مجید کی شہادت ہے۔

واذا رایتھم تعجبک اجسامھم وان یقولو اتسمع لقولھم (المنافقون ع ۱)

آپ ان کو دیکھیں تو اُن کے قد و قامت آپ کو خوشنما معلوم ہوں۔ اور اگر یہ باتیں کرنے لگیں تو آپ ان کی سننے لگیں۔

ان کی ظاہری خوشحالی اور خوش اقبالی بھی خاصی دھوکے میں ڈالنے والی تھی رسول اللہ کو خاص طور پر اس خطرے سے آگاہی دے دی گئی۔ اور حقیقت حال سے پردہ اٹھا دیا گیا۔

ولا تعجبک اموالھم واولادھم انما یرید اللہ ان یعذبھم بھا فی الدنیا وتزھق انفسھم وھم کافرون (التوبہ ع ۱۱)

ان کے مال اور ان کی اولاد آپ کو حیرت میں نہ ڈالیں۔ اللہ کو تو بس یہ منظور ہے کہ اُن چیزوں کے واسطے سے انہیں دنیا میں بھی مبتلائے عذاب رکھے۔ اور ان کا دم بھی ایسی حالت میں نکلے کہ یہ کافر ہوں۔

ایک پوری سورۃ انہیں کے نام پر المنافقون پارہ ۲۸ میں موجود ہے۔ جس کی

ایک آیت چند منٹ قبل پیش ہو چکی ہے لیکن درحقیقت اس سورۃ میں پورا عکس اس طبقہ کی زندگی کا آ گیا ہے۔ یہ لوگ رسولؐ اللہ کے سامنے آکر اپنی اسلامیت بگھارتے اور اپنے ایمان و اطاعت کا ڈھنڈورا پیٹتے۔ جو تمامتر باطل ہوتا۔ ارشاد ہوا ہے

اذا جاءك المنافقون قالوا نشهد انك لرسول الله والله يعلم انك لرسوله والله يشهد ان المنافقون لكاذبون۔ (المنافقون ع ۱)	جب آپ کے پاس یہ منافقین آتے ہیں۔ تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ بیشک اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ جانتا ہے کہ بیشک آپ اس کے رسول ہیں۔ لیکن اللہ اس کی بھی گواہی دیتا ہے کہ یہ منافقین بیچ جھوٹے ہیں۔ ان کا حاصل عمران کی ساری کمائی ان کی جھوٹی قسمیں ہیں۔
اتخذوا ايمانهم جنة فصدوا عن سبيل الله انهم ساء ما كانوا يعملون (ایضاً)	ان لوگوں نے اپنی قسموں کو سپر بنا رکھا ہے تو یہ لوگ اللہ کی راہ سے روکتے رہتے ہیں۔ بیشک بہت ہی برے ہیں ان کے اعمال جو یہ کر رہے ہیں۔

اسی سے ملتی ہوئی آیت سورۂ مجادلہ میں بھی آ چکی ہے وہ بھی ملاحظہ ہو۔

اتخذوا ايمانهم جنة فصدوا عن سبيل الله فلهم عذاب مهين (مجادلہ ع ۳)	ان لوگوں نے اپنی قسموں کو سپر بنا رکھا ہے پھر اللہ کی راہ سے روکتے رہتے ہیں تو ان کے لئے عذاب ہے ذلت والا۔

اس آیت سے متّصلاً پہلے اس طبقہ کا تعارف اس کی یہود دوستی کی حیثیت سے کرا کے اس کا انجام یوں پیش کیا ہے :۔

الم تر الى الذين تولوا قوماً	کیا آپ نے ایسے لوگوں پر نظر نہیں کی یعنی انہیں منافقین

غضب اللہ علیہم ما ھم منکم ولا منھم ویحلفون علی الکذب وھم یعلمون۔ اعد اللہ لھم عذاباً شدیداً انھم ساء ما کانوا یعملون۔	جو ایسی قوم سے دوستی کئے ہوئے ہیں جس پر اللہ کا غضب ہے (یعنی قوم یہود سے) ایسے لوگ نہ تمہیں میں ہیں نہ انہیں میں جھوٹی بات پر قسمیں کھا جاتے ہیں۔ اور اسے جانتے بھی ہوتے ہیں اللہ نے ان کے لئے عذاب شدید تیار کر رکھا ہے۔ بیشک بہت ہی برے ہیں جو (اعمال) وہ کیا کرتے ہیں۔
(المجادلہ ع ۳)	

ان کی ظاہری خوشحالی اور خوش اقبالی سے دھوکا کھانے پر ایک بار پھر تنبیہ کر دی ہے۔

لن تغنی عنھم اموالھم ولا اولادھم من اللہ شیئاً اولٰئک اصحاب النار ھم فیھا خالدون (ایضاً)	اُن کے مال اور ان کی اولاد انہیں اللہ سے ذرا نہ بچا سکیں گے یہ لوگ دوزخ والے ہیں یہ لوگ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

اب پھر اسی صورت منافقون کی طرف آ جائیے جس کے بیان کا سلسلہ چل رہا تھا۔ انھوں نے ایمان کا اظہار کیا۔ مگر معاً کفر کو اپنے دل میں جگہ دے لی۔ اس کا وبال یہ پڑا کہ ان کے دلوں پر قبول حق کی طرف سے مہر سی لگ گئی اور سمجھ بوجھ کا گویا مادہ ہی اُن سے چھن گیا۔

ذالك بانھم آمنوا ثم کفروا فطبع علی قلوبھم فھم لا یفقھون	یہ سب اس سبب سے ہے کہ یہ لوگ ایمان لائے پھر کافر ہو گئے سو ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی۔ تو یہ سمجھتے بوجھتے نہیں۔
(المنافقون ع ۱)	

ان کے دل چور ہیں اور یہ طبیعت کے بزدلے ہیں۔ اس لئے کہیں سے

کوئی آواز بلند ہوئی۔ اور یہ اُسے اپنے ہی اوپر سمجھے۔

یحسبون کل صیحۃ علیھم (ایضاً) ہر غل پکار کو اپنے ہی اوپر خیال کرتے ہیں۔

انابت و خشیت کا گذر ان کے قلب میں کہاں۔ زعم دینداری میں مبتلا یہ رسول کی خدمت میں اپنے استغفار کے لئے حاضر ہونے کے بجائے اور اور بھی اکڑے اکڑے پھرتے ہیں۔

واذا قیل لھم تعالوا یستغفر لکم رسول اللہ لووا رؤسھم ورایتھم یصدون وھم مستکبرون (ایضاً)	اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ تمھارے لئے رسول اللہ استغفار کریں، تو وہ اپنا سر پھیر لیتے ہیں اور آپ اُن کو دیکھیں گے کہ تکبر کرتے ہوئے بے رخی کرتے ہیں۔

یہ بھی صراحۃً بتا دیا گیا۔ جیسا کہ سورہ توبہ کی ایک آیت کے ذیل میں پہلے بھی گذر چکا ہے۔ کہ رسول اللہ صلعم جیسے زبردست مستغفر کی دعائے مغفرت بھی ایسے شامت زدوں کے حق میں قبول نہ ہو گی۔

سواء علیھم استغفرت لھم ام لم تستغفر لھم لن یغفر اللہ لھم (ایضاً)	ان کے حق میں سب برابر ہو۔ خواہ آپ ان کے لئے استغفار کریں۔ یا آپ استغفار نہ کریں۔ اللہ ان کی ہرگز مغفرت نہ کرے گا۔

عملی حالت ان کی یہ تھی کہ خود صاحب ثروت مسلمانوں کو ترغیب دیتے رہتے تھے۔ کہ رسول کے ساتھیوں پر کچھ خرچ نہ کرو۔ مالی امداد کی طرف سے مایوس ہوکر یہ بھیڑ خود ہی چھنٹ جائے گی۔ گویا رسولؐ دین حق کی تبلیغ کے لئے بندوں کی امداد کے تمام تر محتاج تھے۔ قرآن مجید نے ان کے اس حمق کی پردہ دریوں کی ہے۔

هم الذین یقولون لا تنفقوا	یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول خدا کے
علی من عند رسول اللہ حتی	گرد و پیش ہیں ان پر کچھ خرچ نہ کرو۔ یہاں تک
ینفضوا و للہ خزائن السماوات	کہ یہ آپ ہی منتشر ہو جائیں گے حالانکہ اللہ ہی
والارض ولکن المنافقین لا	کے ہیں سارے خزانے آسمانوں اور زمینوں کے
یفقهون (ایضاً)	البتہ منافقین اسے سمجھتے نہیں۔

اور پھر منافقین کے جو یہ دم دا عیئے تھے کہ میدان جنگ سے واپسی کے بعد مسلمانوں کو تہس نہس کر ڈالیں گے۔ ان کی اس بدفہمی کا پردہ بھی قرآن نے یوں چاک کیا ہے۔

یقولون لئن رجعنا الی	یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم اب مدینہ واپس گئے
المدینة لیخرجن الاعز منها	تو عزت والا وہاں سے ذلت والے کو نکال
الاذل. وللہ العزة ولرسوله	دے گا۔ حالانکہ عزت اللہ کی ہے اور اس کے
ولکن المنافقین لا یعلمون	رسول کی اور مومنین کی البتہ منافقین نے جانتے
(ایضاً)	بوجھتے نہیں۔

سب سے بڑھ کر جامع و اکمل اور ساتھ ہی عبرت انگیز مرقع اس طبقہ کا سورۃ الحدید میں نظر آتا ہے گو ذرا طویل ہے۔ لیکن رسول اللہ صلعم کی زندگی میں آپ کے اس حاضر طبقہ کی ذہنیت کو پوری طرح سمجھنے کے لئے اس کا مطالعہ ضروری ہے سیاق یوم حشر کا ہے۔ اب آگے سنیئے۔

یوم یقول المنافقون والمنافقات	جس روز منافق مرد اور منافق عورتیں مسلمانوں سے
للذین آمنوا انظرونا نقتبس	کہیں گے (جس وقت وہ جنت کو جا رہے ہوں گے

من نوركم قيل ارجعوا وراءكم فالتمسوا نورا۔ فضرب بينهم بسور له باب باطنه فيه الرحمة وظاهره من قبله العذاب ينادونهم ألم نكن معكم قالوا بلى ولكنكم فتنتم أنفسكم وتربصتم وارتبتم وغرتكم الأماني حتى جاء أمر الله وغركم بالله الغرور فاليوم لا يؤخذ منكم فدية ولا من الذين كفروا مأواكم النار هي مولاكم وبئس المصير

اور اُن کے ارد گرد نور ہوگا) ہمارا انتظار کرو کہ ہم بھی تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کرلیں انہیں جواب ملے گا کہ لوٹ جاؤ اپنے پیچھے کی طرف پھر روشنی تلاش کرو اس کے بعد ان کے اور انکے درمیان ایک دیوار قائم کردی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا اس کے اندرونی طرف رحمت ہوگی اور بیرونی طرف عذاب منافقین (اب) مسلمانوں کو پکاریں گے کیا ہم تمہارے ساتھ (دنیا میں) نہ تھے وہ (جواب میں) کہیں گے کہ تھے تو بیشک، مگر تم نے خود ہی اپنے کو گمراہی میں پھنسالیا تھا۔ اور تم منتظر رہتے تھے، اور تمہاری بیہودہ آرزوؤں نے تمہیں دھوکے میں ڈال رکھا تھا یہاں تک کہ تم پر اللہ کا حکم آپہونچا۔ اور تم کو اس بڑے فریبی نے اللہ کے باب میں دھوکے میں ڈال رکھا تھا۔ غرض آج تم سے کوئی فدیہ نہ قبول کیا جائیگا۔ اور نہ کافروں سے۔ تم سب کا ٹھکانا دوزخ ہے وہی تمہاری رفیق ہے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے

انکشاف حقائق کے وقت کی یہ صحیح اور من وعن نقاشی کرکے دنیا میں بھی اُن کی صحیح حالت کا چربہ پیش کیا۔ تو یہ تھا آپ کے معاصرین کا وہ دوسرا طبقہ جس سے پیغمبر اسلام[۳] کو سابقہ علاوہ منکرین ومشرکین، دہریین، منافقین، یہود اور نصرانیوں کے اپنی زندگی میں پڑا تھا

(د)

مؤمنین

چوتھا طبقہ آپ کے اُن معاصرین مخاطبین کا ہے، جنھوں نے آپ کے دعوئے نبوت کی تصدیق کی، اور آپ کی زبان سے آپ کا پیام سن، کلام الٰہی پر ایمان لائے۔ اصطلاح میں انھیں صحابۂ رسول یا اصحاب رسولؐ کہتے ہیں۔ یہ اپنے اعمال و اطوار، اخلاق و عادات میں، اپنے مرشد اعظم ہی کے ڈھرے پر چلے اور بہ حیثیت مجموعی ایسے نقل مطابق اصل ثابت ہوئے کہ خود دوسروں کے لئے حجت و معیار بن گئے۔ اکبر الہ آبادی نے بھی تاریخی حقیقت اپنی شاعرانہ زبان میں یوں ادا کی ہے ؎

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے

کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا!

لیکن اوّل تو سب ایک درجہ و مرتبہ کے نہ تھے، اور نہ ہو سکتے تھے۔ فرق مراتب لازمۂ بشریت ہے پھر جن کو جو مرتبے حاصل ہوئے، وہ رفتہ رفتہ صحبت ہی کی برکت سے حاصل ہوئے۔ اوّل دن سے کوئی بھی اُن میں کامل نہ تھا، اور پھر بڑی بات یہ کہ عصمت کامل جس کا نام ہے۔ وہ تو صرف انبیاء کرام کا حصۂ خصوصی ہے۔

خدائی معیار سے جب گرفتیں حضرات انبیا تک پر ہوتی رہیں اور غویٰ اور عصیٰ تک کے فعل بے تکلف اُن کے لئے قرآن مجید میں آتے رہے۔ تو یہ غیر معصومین کی ساری یا کیا زجماعت کب روک ٹوک کے دائرہ سے باہر رہ سکتی تھی۔ قرآن اِن مخلصین پر گرفتیں جا بجا کرتا گیا ہے۔ کہیں اشارۃً اور کہیں صراحۃً۔

بعض نو آموزان میں ایسے تھے۔ جو بارگاہ نبوت کے ادب آداب سے پوری طرح واقف نہ تھے۔ اور اپنی طبعی سادہ دلی سے کبھی کبھی حضور کے تکدر وانقباض کا باعث ہو جاتے تھے۔ چنانچہ جب کاشانۂ مبارک پر حاضر ہوتے تو بجائے اسکے کہ حضورؐ کے برآمد ہونے کا انتظار کریں دروازہ سے ہی بے تحاشا آپؐ کو چیخ کر پکارا شروع کر دیتے تھے۔ قرآن مجید میں یہ ذکر مہذب و شائستہ سلاست کے ساتھ یوں کیا ہے:۔

ان الذین ینادونک من وراء الحجرات اکثرھم لا یعقلون	جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے رہتے ہیں۔ ان میں سے اکثر عقل سے کام نہیں لیتے۔
(الحجرات ع ۱)	

لفظ حجرات بہ صیغۂ جمع خود اس پر دلالت کر رہا ہے کہ بیان زمانۂ قیام مدینہ کا ہو رہا ہے۔ بعض ایسے بھی تھے (غالباً اہل بادیہ ہوں گے) جو مجلس مبارک میں آکر چیخ چیخ کر بولتے اور ذرا احترام ملحوظ نہ رکھتے۔ انہیں ادب سکھایا گیا کہ دھیمی آواز سے بولیں۔ اور قرآن مجید نے ایسی ہدایات کو بالکل ہی نذر اجمال نہیں کیا ہے۔ بلکہ خلاف بسط و تفصیل سے کام لیا ہے۔ کہ آیندہ نسلوں کو بھی سمجھ میں کوئی الجھاؤ نہ باقی رہ جائے۔

یا ایها الذین آمنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجهروا له بالقول کجهر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون (ایضاً)

اے ایمان والو! اپنی آوازیں پیمبر کی آواز سے بلند نہ کرو، اور نہ ان سے ایسے کھل کر بولو، جیسا آپس میں ایک دوسرے سے کھل کر بولتے ہو کہیں تمہارے اعمال برباد نہ ہو جائیں۔ اور تمہیں خبر تک نہ ہو

ظاہر ہے کہ یہ ہدایت خاص مومنین کو کی جا رہی ہے، جن کے ذہن میں رسولؐ اللہ کی ادنیٰ بے حرمتی کا شائبہ تک نہیں آ سکتا تھا۔ اب اس نفی کے ساتھ اثبات کا، سلبیہ کے ساتھ ایجاب کا۔ اور نہی کے ساتھ امر کا پہلو بھی ملاحظہ ہو۔

ان الذین یغضون اصواتهم عند رسول الله اولئک الذین امتحن الله قلوبهم للتقویٰ لهم مغفرة واجر عظیم (ایضاً)

بیشک جو لوگ پست رکھتے ہیں اپنی آوازوں کو رسول اللہ کے سامنے۔ تو یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لئے خاص کر دیا ہے ان کے لئے مغفرت ہے اور اجر عظیم۔

یہ تو آداب مجلسی و معاشرتی پر توجہ دلانی کی ایک مثال ہوئی۔ اسی طرح کوتاہیاں کبھی عبادات کے دائرہ میں ہو جاتی تھیں۔ چنانچہ ایک بار حضورؐ خطبۂ جمعہ دے رہے تھے، کہ مسجد کے باہر سے کسی تجارتی قافلہ یا تماشہ کے گزرنے کی آئی اور سامعین خطبہ چھوڑ ادھر لپک گئے۔ اس پر بھی صراحت کے ساتھ ٹوکا گیا۔

واذا رأوا تجارة او لهوا انفضوا الیها وترکوک قائما قل ما عند الله خیر من اللهو ومن التجارة (الجمعة ع ۱)

اور یہ جب تجارت یا تماشہ دیکھ پاتے ہیں تو ادھر لپک جاتے ہیں اور آپ کو (خطبہ میں) کھڑا ہوا چھوڑ جاتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کے پاس جو (درجہ) ہے وہ تماشہ اور تجارت سے کہیں بڑھ کر ہے

کوئی کوئی ان میں سے ایسے بھی نکلے جو جہاد کے موقع پر کچھا گئے، لیکن اپنی وقتی غفلت کا کفارہ انھوں نے جان و دل سے ادا کیا۔ اور اللہ تعالیٰ کو آخر رضامند بھی کر لیا۔ قرآن مجید نے ایسوں کی تعداد کل تین بتائی ہے اور اُن کا تذکرہ خود پیمبر اور اصحاب مہاجرین و انصار کے مدحیہ تذکرہ پر عطف کر کے ان الفاظ میں کیا ہے۔

.... وعلى الثلثة الذين خلفوا حتى اذا ضاقت عليهم الارض بما رحبت وضاقت عليهم انفسهم وظنوا ان لا ملجا من الله الا اليه ثم تاب عليهم ليتوبوا ان الله هو التواب الرحيم (التوبہ ع ۱۴)

اور اللہ نے ان تینوں کے حال پر بھی توجہ فرمائی جن کا معاملہ ملتوی چھوڑ دیا گیا تھا، یہاں تک کہ زمین جب باوجود اپنی فراخی کے ان پر تنگی کرنے لگی اور وہ خود اپنی جان سے تنگ آ گئے اور انھوں نے سمجھ لیا کہ اللہ سے کہیں پناہ نہیں مل سکتی بجز اللہ ہی کے ہاں کے تو اللہ نے ان کے حال پر توجہ فرمائی تاکہ وہ آئندہ بھی رجوع رہا کریں، بیشک اللہ بڑا توجہ فرمانے والا رحیم ہے

کچھ ایسے بھی نکلے جن سے آئی سلسلہ جہاد و قتال میں کچھ کوتاہیاں ہو گئی تھیں اور ان کے اعمال کی حالت میں بھی ملی جلی پائی گئی، لیکن آخرکار انھیں بھی پروانۂ معافی مل جانے کی خوشخبری سنا دی گئی۔

واخرون اعترفوا بذنوبهم خلطوا عملا صالحا واخر سيئا عسى الله ان يتوب عليهم ان الله غفور رحيم (ایضاً)

کچھ اور لوگ ہیں جو اپنی خطاؤں کے معترف ہو گئے انھوں نے ملے جلے عمل کئے تھے۔ کچھ بھلے کچھ برے اللہ عجب نہیں کہ ان پر رحمت سے توجہ فرمائے بیشک اللہ بڑا مغفرت والا بڑا رحمت والا ہے۔

لیکن جیسا کہ ابھی عرض کیا جا چکا ہے۔ اس قسم کی خال خال بشری کمزوریوں سے قطع نظر کر لینے کے بعد غیر معصوم مخلص رفیقوں کی یہ جماعت تمام تر پاکبازوں راست کرداروں اور قدوسیوں ہی کی ایک جماعت تھی۔ ان کی ایمان دوستی کفر دشمنی فسق بیزاری اور پاکیزہ قلبی کا اعلان قرآن مجید انہیں کو مخاطب کرکے یوں کرتا ہے۔

ولٰکن اللہ حبب الیکم الایمان
وزینہ فی قلوبکم وکرہ الیکم الکفر والفسوق
والعصیان اولٰئک ھم الراشدون
فضلاً من اللہ ونعمۃ (الحجرات ع ۱)

... لیکن اللہ نے تمہیں ایمان کی محبت دے دی
اور اس کو تمہارے دلوں میں رچا دیا۔ اور کفر اور
فسق اور معصیت سے تمہیں بیزار کر دیا۔ یہی لوگ
راہ یاب ہیں اللہ کے فضل و انعام سے۔

کسی جماعت کی پختہ ایمانی ردِ کفر ہی نہیں، فسق و معصیت سے بھی دوری اور پاکی کی شہادت اس سے بڑھ کر اور اس سے واضح تر لفظوں میں اور کیا ہو سکتی ہے؟ لیکن ٹھہرئے ایک ربانی صداقت نامہ اس جماعت کے انہماک عبادات اور طلب رضائے الٰہی کا اور بھی موجود ہے۔ ملاحظہ ہو۔

والذین معہ اشداء علی الکفار
رحماء بینھم تراھم رکعا سجدا
یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا
سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود
(الفتح۔ ع ۴)

اور جو لوگ (پیغمبر) کے ہمراہ ہیں وہ سخت ہیں
کافروں کے معاملہ میں اور نرم دل ہیں آپس میں
(اے مخاطب) تو انہیں دیکھے گا رکوع کرتے ہوئے
سجدہ کرتے ہوئے۔ اللہ کی فضل و رضا کی تلاش
میں رہتے ہیں۔ ان کے آثار ان کے چہروں
پر تاثیر سجدہ سے نمایاں ہیں۔

ایک جگہ اور جہاں ذکر جنتیوں کا ہے۔ وہاں الفاظ گو عام ہیں۔ اور ہر دور کے

اہل ایمان ان کے تحت میں داخل ہو سکتے ہیں۔ لیکن اشارۂ خصوصی اسی جماعت صحابہ کی جانب ہے۔

انھم کانوا قبل ذالک محسنین	یہ لوگ اس کے قبل (یعنی دنیوی زندگی میں)
کانوا قلیلا من اللیل مایھجعون	بڑے نیک کار تھے۔ رات کو بہت کم سوتے تھے
وبالاسحارھم یستغفرون وفی	اور اخیر شب میں استغفار کیا کرتے تھے۔ اور ان
اموالھم حق للسائل والمحروم	کے مال میں سوالی اور غیر سوالی (سب) کا
(الذاریات ع ۱)	حق تھا۔

اُن کی عبادتی شب بیداریوں اور استغفاری سحر خیزیوں کی شہادت ایک اور سلسلہ میں بھی ملاحظہ ہو۔

ان ربک یعلم انک تقوم	آپ کا پروردگار واقف ہے (اے پیغمبر) کہ
ادنیٰ من ثلثی اللیل ونصفہٗ وثلثہٗ	آپ رات میں کھڑے رہتے ہیں قریب دو تہائی
وطائفۃ من الذین معک	یا آدھی رات یا تہائی رات کے اور آپ کے
(المزمل ع ۲)	ساتھیوں کا ایک گروہ بھی۔

رفاقت معیت اور صحابیت کے معنی بھی یہی تھے کہ عبادتوں ریاضتوں اور مشقتوں میں بھی اپنے آقا یا صاحبؐ کے نقش قدم پر چلا جائے۔

اور ایک نقشہ بھی انھیں پاکبازوں کی روزانہ زندگی کا قرآن مجید نے پیش کیا ہے (گو الفاظ یہاں عام و وسیع ہیں) جس میں اُن کے معمولات، اخلاق عبادات، معاملات، سب کے خط وخال صاف نظر آ سکتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

وعباد الرحمان الذین یمشون	رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر سکنت سے

على الارض هوناً واذا خاطبهم الجاهلون قالوا سلاما۔ والذين يبيتون لربهم سجداً وقياما۔ والذين يقولون ربنا اصرف عنا عذاب جهنم۔ ان عذابها كان غراما انها ساءت مستقراً ومقاما والذين اذا انفقوا لم يسرفوا ولم يقتروا وكان بين ذالك قواما۔ والذين لا يدعون مع الله الٰها آخر ولا يقتلون النفس التي حرم الله الا بالحق ولا يزنون ومن يفعل ذالك يلق اثاما

(الفرقان ۔ ع ۶)

ساتھ چلتے ہیں۔ اور جب اُن سے جاہل لوگ بات کرتے ہیں تو دفع شر کی بات کہدیتے ہیں اور جو راتوں کو اپنے پروردگار کے آگے سجدہ اور قیام میں لگے رہتے ہیں اور جو دعائیں مانگتے ہیں۔ کہ اے ہمارے پروردگار ہم سے عذاب جہنم کو دور رکھ بیشک جہنم بُرا ٹھکانا اور بُرا مقام ہے اور وہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف سے کام لیتے ہیں اور نہ بخل سے اور ان کا خرچ کرنا اس کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے اور اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے۔ اور جس جان کو اللہ نے قابل حرمت رکھا ہے۔ اُسے ہلاک نہیں کرتے۔ ہاں مگر حق پر اور زنا نہیں کرتے۔ اور جو شخص ایسے کام کرے گا۔ اسے سابقہ سزا سے پڑیگا

صحابہ کے معتبر حالات پر کتابیں اردو میں بھی حدیث و سیر سے ماخوذ ہو کر شائع ہو چکی ہیں۔ اور عربی میں تو خیر موجود ہی ہیں۔ ان کی دی ہوئی تفصیلات کو سامنے رکھ کر دیکھئے کہ قرآن مجید نے کس اعجاز کے ساتھ اُن کی تصویر کشی کر دی ہے یہ قرآنی بیان ابھی ختم نہیں ہوا۔ اسی رکوع کی چند اور سطریں بھی قابل مطالعہ ہیں۔

والذين لا يشهدون الزور واذا مروا باللغو مروا كراما۔ والذين

اور یہ لوگ ناجائز مجمعوں میں شامل نہیں ہوتے اور اگر بیہودہ مشغلوں کے پاس سے گذرتے

اذا ذکروا بآیات ربھم لم یخروا علیھا صمًّا وعمیانا۔ والذین یقولون ربنا ھب لنا من ازواجنا وذریتنا قرۃ اعین واجعلنا للمتقین اماما۔ اُولئک یجزون الغرفۃ بما صبروا ویلقون فیھا تحیۃ وسلاما۔ خالدین فیھا حسنت مستقرًا ومقاما۔ (ایضاً)

بھی ہیں تو سلامت روی کے ساتھ گذر جاتے ہیں۔ اور جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے ان کے پروردگار کے احکام کے ذریعہ سے تو یہ ان پر بہرے اندھے ہو کر نہیں گرتے۔ اور یہ لوگ دعا مانگتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما۔ اور ہم کو پرہیزگاروں کا پیشوا بنا دے ایسوں کو بالاخانے عطا ہوں گے بہ سبب اُن کے ثابت قدم رہنے کے اور ان کو اس میں دعا اور سلام ملے گا اس میں ہمیشہ رہیں گے وہ کیسا اچھا ٹھکانا اور مقام ہے۔

قدسیوں کی جماعت کا اطلاق اگر اس جماعت پر بھی نہ ہوگا۔ تو اور کس پر ہوگا؟ اللہ کے ہاں اس جماعت کے شرف وعظمت کا اندازہ اس سے فرمائیے۔ کہ جس طرح حضور انورؐ کی آمد وظہور کی پیش خبریاں اگلی آسمانی کتابوں میں درج تھیں اسی طرح اس جماعت کا نقشہ بھی توریت اور انجیل جیسے گرامی صحیفوں میں درج رہ چکا ہے۔

سورۃ الفتح کی ایک آیت ابھی کچھ ہی دیر ہوئی آپ کے سامنے پیش ہو چکی ہے۔ والذین معہ اشداءُ علی الکفار۔الخ اس سے متصل اور اس کے مابعد قرآن مجید ہی میں ہے۔

ذالک مثلھم فی التوراۃ　　　　اُن کے اوصاف توریت میں درج ہیں

اعجاز قرآنی کا کرشمہ ملاحظہ ہو، کہ بے شمار تحریفات و تصرفات کے بعد بھی توریت موجودہ میں یہ الفاظ آج تک کھلے چلے آرہے ہیں۔

"فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا"

(استثنا، ۳۳:۲)

اور یہ ایک معلوم و معروف حقیقت ہے کہ فاران مکہ معظمہ ہی کی ایک پہاڑی کا نام ہے اور پھر یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ فتح مکہ کے بعد جتنے صحابیوں یا "قدوسیوں" کا ساتھ ہوا تھا۔ ان کی تعداد بھی دس ہی ہزار تھی۔

توریت میں اس کے بعد ہے۔

"اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشیں شریعت اُن کے لئے تھی"

قرآن مجید کے الفاظ اشداءُ علی الکفار آپ سن چکے ہیں۔ اس کی مطابقت "آتشیں شریعت" سے دینے میں دشواری کسی کو نہیں پیش آسکتی۔ آگے توریت میں ہے

"ہاں وہ اپنی قوم سے بڑی محبت رکھتا ہے"

قرآن مجید کے الفاظ رحماء بینھم ابھی آپ کے کان میں گونج ہی رہے ہوں گے اور ان کی کسی شرح کی ضرورت نہیں ہے۔ اور آخر میں توریت میں اس سلسلے میں ہے۔

"اس کے سارے مقدس تیرے ہاتھ میں ہیں اور وہ تیرے قدموں کے نزدیک بیٹھے ہیں۔ اور تیری باتوں کو مانیں گے"

اسے پڑھ کر قرآن مجید کے بھی یہ الفاظ اپنے ذہن میں تازہ کر لیجئے۔

رکعا سجدا یبتغون من فضل اللہ ورضوانا۔ توریت کا بیان آپ نے سن لیا۔ اب انجیلی مدح صحابہ بھی سماعت فرمائیں۔ اس لئے کہ قرآن مجید نے توریت کے مقابعد انجیل کا نام بھی لیا ہے۔ اور کہا ہے۔

ومثلھم فی الانجیل کزرع اخرج شطأہ فآزرہ فاستغلظ فاستوی علی سوقہ یعجب الزراع (ایضاً)

اور انجیل میں ان کا وصف یہ ہے کہ وہ جیسے کھیتی ہیں کہ اس نے اپنی سوئی نکالی پھر اس نے اپنی سوئی کو قوی کیا پھر وہ اور موٹی ہوئی پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوگئی کہ کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگی۔

موجودہ محرف انجیلوں سے بھلا اس عبارت کی کسی درجہ میں بھی تصدیق و توثیق کی امید ہوسکتی تھی؟ لیکن نہیں۔ مماثل عبارتیں اب بھی انجیلوں میں باقی رہ گئی ہیں انجیل متی باب ۱۳ کی آیات ۳۱، ۳۲ جب چاہے پڑھ کر دیکھ لیجئے اور اس وقت تو سن ہی لیجئے۔

"آسمان کی بادشاہت اس رائی کے دانے کے مانند ہے جسے کسی آدمی نے لے کر اپنے کھیت میں بو دیا وہ سب بیجوں سے چھوٹا ہوتا ہے مگر جب بڑھ جاتا ہے تو سب ترکاریوں سے بڑا ہوتا ہے۔ اور ایسا درخت ہو جاتا ہے کہ ہوا کے پرندے اس کی ڈالیوں پر آکر بسیرا لیتے ہیں۔"

اور آپ چاہیں تو ایسی ہی عبارتیں انجیل مرقس باب ۴ آیات ۳۰ تا ۳۲ میں نیز انجیل لوقا باب ۱۳ آیات ۱۸، ۱۹ میں نکال کر پڑھ سکتے ہیں۔

ان مخلص شاگردوں اور جانباز رفیقوں نے رسول کا ساتھ ہجرت و ترک وطن

میں دیا۔ جہاد و قتال میں دیا۔ اور رسولؐ کے دین کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔ اپنی جان تک کی بازی لگا دی۔ صحیفۂ ربانی اپنے کمال ذرہ نوازی اور بندہ پروری سے اپنے ان بندوں کی روداد اخلاص اپنے اوراق میں برابر درج کرتا گیا ہے چنانچہ ایک جگہ ہے :-

لکن الرسول والذین اٰمنوا معہٗ جاھدوا باموالھم وانفسھم و اُولٰئک لھم الخیرات و اولٰئک ھم المفلحون (توبہ ع ۱۱)	لیکن رسول اور جو لوگ آپ کے ساتھ (ہو کر) ایمان لائے انھوں نے جہاد کیا اور اپنی جان سے اور اپنے مال سے۔ انھیں کیلئے تو بھلائیاں ہیں اور یہی لوگ تو فلاح یاب ہیں۔

رضائے الٰہی کے اس معزز تمغہ کے بعد اگر اس طبقہ کے ہر فرد کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ کہنے اور لکھنے کا دستور ہم مسلمانوں میں پڑ گیا تو اس میں حیرت کی کوئی بات ہی نہیں ـــــ ایک دوسرا پروانہ مغفرت و مغفوریت اُن باعمل پیروانِ رسولؐ کے حق میں اور ملاحظہ ہو۔

والذین اٰمنوا وھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللہ والذین اٰووا ونصروا اُولٰئک ھم المومنون حقا لھم مغفرۃ ورزق کریم (انفال ع ۱۰)	اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا نیز جن لوگوں نے (انھیں) اپنے یہاں ٹھہرایا اور اُن کی مدد کی یہی (سب) لوگ تو ایمان کا پورا حق ادا کرنیوالے ہیں انھیں کے لئے مغفرت ہے اور بہترین روزی۔

صحابیانِ رسول کی جو دو بڑی تقسیمیں، مہاجرین اور انصار کی ہیں قرآن مجید نے یہاں اس تقسیم کو قبول ہی نہیں کیا، بلکہ دونوں گروہوں کی مدح کامل اس ایک آیت کے اندر کر دی۔ ایک گروہ وہ تھا جو اپنے مقتضیات ایمان کی تکمیل کی خاطر ہر طرح سے

خطرے برداشت کیے اور کڑی سے کڑی مصیبتیں جھیل کے اپنے وطن مالوف مکہ معظمہ سے ہجرت کرکے اور بے خانماں ہو کر دارالہجرۃ مدینہ منورہ کو آیا تھا۔ اور دوسرا طبقہ مدینہ ہی کے باشندوں کا تھا۔ انھوں نے بھی اپنے مقتضیات ایمان ہی کی تکمیل کی خاطر ان مصیبت زدوں کی پذیرائی کی تھی۔ ان بے گھروں کو نئے سرے سے گھربار والا بنایا اور ان کی خدمت اور مہمان داری میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ ایمان کا حق ادا کرنے والے، قرآن یہاں صاف شہادت دیتا ہے کہ یہ دونوں ہی گروہ ہیں نہ یہاں جہاں دوسری جگہ ان دونوں گروہوں کو ان کے اصطلاحی ناموں "مہاجرین" و "انصار" سے یاد کیا ہے اور مدح صحابہ کا قرآنی نمونہ پیش کر دیا ہے۔

لقد تاب اللہ علی النبی	اللہ نے توجہ فرمائی پیمبر کے حال پر اور ان مہاجرین
والمھاجرین والانصار الذین	و انصار کے حال پر بھی جنھوں نے پیمبر کا ساتھ
اتبعوہ فی ساعۃ العسرۃ	ایسی تنگی کے وقت میں دیا۔ بعد اس کے کہ ان
من بعد ما کاد یزیغ قلوب	میں سے ایک گروہ کے دل میں کچھ تزلزل
فریق منھم ثم تاب علیھم	پیدا ہو چلا تھا پھر اللہ نے ان کے حال پر
انہ بھم رءوف رحیم	رحمت سے توجہ فرما دی۔ بیشک وہ ان پر
(توبہ۔ ع ۱۴)	بہت شفیق بہت مہربان ہے۔

ساعۃ العسرۃ کے لفظ میں عموم ہے۔ مہاجرین و انصار دونوں نے حضورؐ کا ساتھ تنگی کے وقت میں دیا۔ لیکن اہل تفسیر و اہل تاریخ نے اشارہ خصوصی یہاں غزوہ تبوک کی جانب سمجھا ہے جس کی تیاریوں کے وقت سامنا غیر معمولی دشواریوں کا کرنا پڑا تھا ـــــ مبارک ہیں وہ امتی جن کا ذکر خیر صحیفۂ ربانی میں ذکر رسولؐ کے

ساتھ عطف ہو کر آئے۔ مہاجرین و انصار کے نام کی تصریح کے ساتھ ایک جگہ اور اُن کی مدح و تحسین اسی طرح کھل کر آئی ہے۔

والسابقون الاولون	اور جو مہاجر اور انصار سابق و مقدم ہیں نیز
من المهاجرين والانصار والذين	وہ جنھوں نے ان کی پیروی کی نیک کرداری میں
اتبعوهم باحسان رضی اللّٰه عنهم	اللّٰہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس سے
ورضوا عنه واعد لهم جنت	راضی ہوئے۔ اللّٰہ نے ان کے لئے ایسے باغ تیار
تجری تحتها الانهار خالدين	کر رکھے ہیں جن کے نیچے ندیاں جاری ہوں گی۔
فيها ابدا۔ ذالك الفوز العظيم	اُن میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے بہت بڑی
(توبہ ع ۱۳)	کامیابی یہ ہے۔

رضی اللّٰہ عنہم۔ کا فقرہ اب تو کھل کر اُن قدسیوں کے حق میں وارد ہو گیا۔ اور خیر صحابۂ مہاجرین و انصار تو ممدوح الٰہی تھے ہی، آیت نے یہ بھی صاف کر دیا کہ بعد والے جو ان کی پیروی کریں گے۔ وہ بھی حق تعالیٰ کی طرف سے سزاوار مدح و ستائش ٹھہر جائیں گے۔ اور باحسان کی قید نے ایک اور نکتہ کی طرف بھی اشارہ کر دیا۔ یعنی تابعین کا اتباع معتبر وہی شمار کیا جائے گا جو احسان یا حُسن عمل میں ہو۔ محض معاصرت یا ہم صحبتی کافی نہیں [1]

صحابہ سب کے سب شہری ہی نہ تھے اُن کا ایک حصہ دیہاتیوں پر بھی شامل تھا۔

---

[1] محققین نے خلیفہ یزید بن معاویہ کو "تابعین" کے زمرہ میں شامل کرنے سے اسی لئے احتراز کیا ہے کہ یہاں اتباع احسان میں نہ تھا۔

یہ لوگ بیچارے اپنے کمال بےنفسی سے اپنا مال لئے خدمت دین کے لئے حاضر رہتے تھے۔ کہ اسی ذریعہ سے انھیں قرب خداوندی اور التفات رسولؐ حاصل ہو۔ شرف قبول اُن کے عقیدت کے نذرانوں کو حاصل ہوا۔ اور کیسے نہ حاصل ہوتا ارشاد ہوا

ومن الاعراب من یومن باللہ والیوم الاٰخر۔ ویتخذ ما ینفق قربات عند اللہ وصلوٰت الرسول الا انھا قربۃ لھم سیدخلھم اللہ فی رحمتہ ان اللہ غفور رحیم (توبہ ع ۱۲)

دیہاتیوں میں ایسے بھی ہیں جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں۔ اسے قرب عنداللہ کا اور رسول کی دعاؤں کا ذریعہ بناتے ہیں۔ بیشک ان کا یہ خرچ کرنا باعث قربت ہے۔ ضرور ان کو اللہ اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ اللہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے۔

انھیں اعراب یا دیہاتیوں کے کفر و نفاق کا ذکر بھی قرآن مجید میں شد و مد سے آیا ہے۔ لیکن انھیں اہل بادیہ میں کیسے کیسے مخلصین و مقبولین بھی پیدا ہوئے ایسی آیت سے ظاہر ہو رہا ہے۔

مسجد نبوی میں آکر جو صحابہؓ نماز پڑھا کرتے تھے۔ اُن کی پاکیزہ طینتی پاکیزہ سیرتی کی شہادت پر قرآن مجید نے اپنی مہر یوں لگا دی ہے گو مقصود اس سیاق میں اصلاً صرف مسجد کی تقدیس کا اظہار تھا۔

لمسجد اسس علی التقوٰی من اول یوم احق ان تقوم فیہ فیہ رجال یحبون ان یتطھروا واللہ

جس مسجد کی بنیاد اول دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہو وہ اس لائق ہو کہ آپ اس میں کھڑے ہوں اس میں ایسے آدمی (آتے) ہیں جو پسند

يحب المطهرين — کرتے ہیں اس کو کہ خوب پاک صاف رہیں..
(توبہ ع ۱۳) — اور اللہ پسند کرتا ہے خوب پاک صاف رہنے والوں کو

ہجرت یعنی دین کی خاطر اپنے وطن مالوف کو چھوڑ دینا بذات خود ایک اتنا بڑا مجاہدہ تھا کہ اسی ایک عمل نے صحابۂ مہاجرین کو بلندیٔ مرتبہ میں کہاں سے کہاں پہونچا دیا تھا۔

والذین ھاجروا فی اللہ — اور جن لوگوں نے اللہ کے واسطے اپنا وطن چھوڑا
من بعد ما ظلموا لنبوئنھم فی الدنیا — بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہوا، ہم انہیں دنیا میں
حسنۃ ولاجر الاخرۃ اکبر — اچھا ٹھکانا دیں گے اور آخرت کا اجر تو اس سے
لو کانوا یعلمون (النحل، ع ۶) — کہیں بڑھ کر ہے۔ کاش کہ وہ یہ جانتے!

انہیں مہاجرین مظلوم اور مجاہدین صحابہ کی داد ایک جگہ یوں آئی ہے کہ ان کے ہاتھ اگر حکومت آ گئی۔ تو یہ ملک کو فسق و فجور سے نہیں، ظلم و ستم سے نہیں عدل سے بھر دیں گے۔ اور سکہ شراب و زنا کا نہیں، سود و قمار کا نہیں، خیر و صلاح تقویٰ و طاعت کا چلا دیں گے۔

الذین ان مکنٰھم فی الارض — یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم انہیں دنیا میں حکومت
اقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکاۃ وامروا — دے دیں تو یہ نماز کی پابندی کریں اور زکات
بالمعروف ونھوا عن المنکر — دیں۔ حکم نیک کرداری کا دیں اور روک تھام
(الحج ع ۶) — بدکرداری کی کر دیں۔

قرآن مجید کی اس سچی پیش خبری کی تصدیق دور خلافت راشدہ نے جس طرح کی اس کی روداد تاریخ کی زبان سے جب چاہے سُن لیجئے اور آخر یہی تو تاریخ

کا وہ مثالی دور ہے جسے گاندھی جی ہمارے اپنے زمانے تک بطور مثالی حکومت کے پیش کرتے رہے ہیں۔

جنگ احزاب کا دن مدینہ کے دس سالہ دور محمدی میں ایک سخت ترین دن ہوا ہے۔ قریش خود ہی کیا کم تھے کہ اس روز اپنے ساتھ ملک کے سارے پُر قوت قبیلوں کو مدینہ پر چڑھا لائے تھے تاکہ ہر طرف سے گھیر کے اور دھاوا بول کے اس موحد مسلم نو آبادی کا خاتمہ ہی کر دیں۔ اور ظاہری سامان اور مادی آثار سب اسی کے نظر بھی آرہے تھے، لیکن مخلصین کی یہ جماعت اس ہولناک صورت حال اور مخالف ماحول سے ذرا بھی متاثر نہ ہوئی۔ نہ بددل ہوئی نہ ہراساں بلکہ سکون قلب و انشراح خاطر کے ساتھ ثابت قدمی و جانبازی کا ثبوت دیتی رہی کلام پاک کی شہادت ملاحظہ ہو

ولما را المومنون الاحزاب	اور جب مومنین (صادقین) نے احزاب کو دیکھا
قالوا هذا ما وعدنا الله ورسوله	تو بولے کہ یہ وہی ہے جس کی ہم کو اللہ اور اس کے
وصدق الله ورسوله وما زادهم	رسول خبر دے چکے تھے اور اللہ اور اس کے رسول
الا ایمانا وتسلیما	نے سچ ہی فرمایا تھا اور اس سے ان کے ایمان و
(الاحزاب ع ۳)	اطاعت میں اور ترقی ہی ہوئی۔

احزاب ہی کی طرح ایک دوسرے اہم و نازک موقع صلح حدیبیہ کے سلسلے میں بھی دین داروں کی اس جماعت کی مدح تصریح کے ساتھ آئی ہے۔ حالت اندیشہ ناک ہو چکی تھی۔ اور نظر آرہا تھا کہ جنگ (جس کے لئے مسلمان تیار ہو کر بالکل ہی نہیں آئے تھے) اب چھڑی اور جب چھڑی۔ عین اس وقت ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر ان جان نثاروں نے حضورؐ کے ہاتھ پر بیعت آخر دم تک لڑنے مرنے کی کی تھی۔ اصل عبارت ملاحظہ ہو

خطاب رسول کریمؐ سے ہے۔

لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ فعلم ما فی قلوبہم فانزل السکینۃ علیہم واثابہم فتحا قریبا ومغانم کثیرۃ یاخذونہا (الفتح ع ۳)	یقیناً اللہ ان مومنین سے خوش ہو گیا جبکہ یہ لوگ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے اور ان کے دلوں میں جو کچھ تھا وہ اللہ کو بھی معلوم تھا اور اس نے ان کو قریب ہی میں ایک فتح دے دی اور بہت سی غنیمتیں بھی جنھیں وہ لے رہے ہیں۔

آیت میں ان کو نوید آجل یا مژدۂ اخروی کے ساتھ ایک بشارت عاجل فتح قریب کی بھی مل گئی۔ اور اس سے متصل اور بھی بشارتوں پر بشارتیں ہیں مستقبل قریب ہی سے متعلق:۔

وعدکم اللہ مغانم کثیرۃ تاخذونہا فعجل لکم ھذہ وکف ایدی الناس عنکم ولتکون آیۃ للمومنین ویہدیکم صراطا مستقیما واخری لم تقدروا علیہا قد احاط اللہ بہا وکان اللہ علی کل شیء قدیرا (ایضاً)	اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کر رکھا ہے جن کو تم لوگے۔ سو سر دست یہ تم کو دے ہی دی ہے اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک رکھے۔ تاکہ یہ مومنین کے لئے ایک نمونہ ہو جائے اور تاکہ تم کو ایک سیدھی سڑک پر ڈال دے اور ایک فتح اور بھی ہے۔ جو تمھارے قابو میں ابھی نہیں آئی ہو۔ اللہ اس کو احاطہ میں لئے ہوئے ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

یہ حضرات صحابہ اخلاق و روحانیت کی جن بلندیوں تک پہونچ چکے تھے،

اس کا تذکرہ قرآن مجید نے بکمال اعجاز خود اپنے صفحات میں محفوظ کر دیا ہو۔ جیسا کہ آپ اب تک سن بھی چکے ہیں۔ حدیث، سیرت، اور طبقات کے مجلدات میں فضائل صحابہ کی جو طویل و ضخیم روئداد نظر آتی ہے وہ سب اسی متن قرآنی کی شرح و تفسیر ہے۔

فے۔ یعنی کافروں سے جو مال بلا لڑے بھڑے وصول ہو جائے۔ اس کا مصرف مہاجرین اور انصار، دونوں کے لئے کتاب اللہ نے رکھا ہے لیکن دونوں کا ذکر الگ الگ عنوان سے کیا ہے اور دونوں کے مرتبہ و منزلت پر اپنے بیان کی سطور بین السطور دونوں سے روشنی ڈالا گیا ہے۔

للفقراء المهاجرين الذين	(یعنی) حق ہو ان حاجتمند مہاجرین کا جو اپنے
أخرجوا من ديارهم واموالهم	گھروں اور اپنے مال سے بے دخل کر دیئے گئے۔
يبتغون فضلا من الله ورضوانا	وہ تلاش میں لگے رہتے ہیں۔ اللہ کے فضل و
وينصرون الله ورسوله أولئك	خوشنودی کے اور نصرت کرتے رہتے ہیں۔
هم الصادقون (الحشر ع ۱)	اللہ اور اسکے رسول کی۔ یہی لوگ تو ہیں راستباز

یہ نقشہ تو مہاجرین کا ہوا۔ انصار کے جوہر جو اللہ کی نظر میں تھے۔ ان کے لئے اسی آیت سے متصل دوسری آیت تلاوت فرمایئے۔

والذين تبوؤ الدار والايمان	(اور یعنی) ان لوگوں کا بھی حق ہو جو دارالاسلام
من قبلهم يحبون من هاجر اليهم	میں اور ایمان میں ان سے قبل ہی قرار پکڑے
ولا يجدون في صدورهم حاجة	ہوئے ہیں۔ محبت کرتے ہیں۔ اس سے جو ان کے
مما اوتوا ويؤثرون على انفسهم	پاس ہجرت کر کے آتا ہو اور مہاجرین کو جو کچھ

ولو کان بھم خصاصہ ومن یوق شح نفسہ فاولئک ھم المفلحون (ایضاً)	ملتا ہو اس سے یہ اپنے دلوں میں کوئی رشک نہیں پاتے اور (انھیں) اپنے سے مقدم رکھتے ہیں۔ اگرچہ (خود) ان پر فاقہ ہو اور جو شخص (اپنی) طبیعت کے بخل سے محفوظ ہوگیا۔ تو بس یہی ہیں فلاح پاب

طبعی بخل نفس پر فتح پا لینے کے بعد بندوں کے معاملات میں پھر کون سا درجہ مجاہدہ باقی بھی رہ جاتا ہے؟ فرق مراتب سے کوئی طبقہ خالی نہیں ہوسکتا۔ انصار۔ مہاجرین سارے طبقات صحابہ ظاہر ہے کہ افراد کے لحاظ سے ایک سطح پر نہ تھے۔ نہ ہوسکتے تھے۔ کوئی کامل تھا۔ کوئی کامل تر۔ لیکن بہرحال مرتبہ خیریت اور درجہ مقبولیت پر فائز سب ہی تھے۔ قرآن مجید نے کتنا صحیح فیصلہ اور وہ بھی خود گروہ صحابہ ہی کو مخاطب کرکے اس باب میں سنا دیا ہے۔

لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولئک اعظم درجۃ من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا وکلاً وعد اللہ الحسنیٰ واللہ بما تعملون خبیر (الحدید ع ۱)	تم میں سے جو لوگ فتح (مکہ) سے قبل مال خرچ کر چکے اور قتال کر چکے۔ وہ برابر نہیں۔ وہ مرتبہ میں ان لوگوں سے بڑھ کر ہیں جنھوں نے خرچ اور قتال بعد میں کیا اور اللہ نے بھلائی کا وعدہ (ان) سب ہی سے کر رکھا ہے اور اللہ کو تمھارے سب اعمال کی پوری خبر ہے۔

انبیاء سابقین کے رفیقوں، مریدوں، شاگردوں کے حالات تفصیل کے ساتھ تو معلوم نہیں لیکن حضرت نوحؑ۔ حضرت لوطؑ۔ حضرت موسیٰؑ و حضرت عیسیٰؑ کے صحابیوں کے جتنے بھی حالات قرآن مجید یا توریت و انجیل میں درج ملتے ہیں

ان کا مقابلہ ذرا قرآن ہی کی روشنی میں ہمارے رسول اکرمؐ کے جان نثار صحابیوں سے کر کے دیکھئے تو ایک قدرت خدا نظر آتی ہے۔ اور بے اختیار کہنا پڑتا ہے۔ کہ آنحضورؐ کی شخصیت جس طرح اپنے ذاتی فضائل و کمالات کے ساتھ نوع بشری میں مثالی ہوئی ہے اسی طرح اپنے صحابیوں کے اخلاص ایثار اور فدائیت کے لحاظ سے تاریخ عالم میں ایک بالکل امتیازی حیثیت رکھتی ہے۔

خطبہ (۸)

معجزات و دلائل

معجزہ یا تائید و نصرت حق کے لئے خارق عادت شاید ہر پیمبر کی زندگی کا ایک لازمی جزو رہا ہے اور اکثر انبیاء مثلاً حضرت نوحؑ حضرت ابراہیمؑ۔ حضرت ہودؑ حضرت صالحؑ۔ حضرت یونسؑ حضرت شعیبؑ۔ حضرت لوطؑ۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ علیہم السلام کے معجزے تو قرآن مجید میں بہ صراحت مذکور ہیں، ایسی صورت میں یہ کیونکر باور کیا جائے کہ جو انبیاء و رسل کا سردار و سردار ہوا ہے اس سے کوئی معجزہ سرے سے صادر ہی نہ ہوا ہو؟ —— لفظ معجزہ ایک علمی اور کلامی اصطلاح بہت بعد کی ہے قرآن مجید نے ایک بڑا جامع لفظ "آیت" یعنی نشان استعمال کیا ہے۔ اس کے تحت میں خارجی خوارق اور معنوی دلائل دونوں آجاتے ہیں۔

محمد مصطفیٰؐ کا سب سے بڑا اور سب سے نمایاں معجزہ وہ کتاب ہے۔ جسے لے کر آپ آئے اور جو دوسرے معجزات و خوارق کی طرح وقتی اور ہنگامی نہیں۔ بلکہ مستقل اور دائمی ہے۔ اس کتاب نے خود اپنے آپ کو بار بار اس دعویٰ اور

تحدّی کے ساتھ پیش کیا کہ یہ کلام بشر نہیں۔ کلام اللہ ہوں جس کی مثال اور نظیر ممکن نہیں اور اگر رسول کے منکرین یہ سمجھتے ہیں کہ یہ کلام رسولؐ کا گڑھا ہوا ہے تو وہ اس کی ساری سورتوں کا نہ سہی۔ کل دس سورتوں کا۔ اور اسے بھی جانے دیں۔ کل ایک ہی سورت کا جواب ذرا تیار کر لائیں۔ اور اس کے لئے انہیں مہلت قیامت تک کی ہے۔ چیلنج وقتی نہیں۔ وہ اور ان کے سارے حامی جب بھی چاہیں اپنا پورا زور لگا کر دیکھ لیں کامیاب نہ ہو سکیں گے۔

جاہل قومیں معجزہ کے معنی صرف مادی خرق عادت یا خارجی اعجوبہ کے سمجھتی رہی ہیں۔ اہل جاہلیت عرب نے بھی رشد و ہدایت کے سردار سے یہی مطالبہ پیش کیا جواب میں ارشاد ہوا۔

اولم یکفھم انا انزلنا علیک الکتاب یتلیٰ علیھم (العنکبوت ع ۵)	کیا ان لوگوں کے لئے یہ نشانی کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر یہ کتاب اتاری جو انہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہے؟

گویا بتا یہ دیا کہ اگر اعجاز ہی کی طلب و تلاش ہے تو اس کتاب سے بڑھ کر اعجاز رکھنے والی چیز دنیا و مافیہا میں اور کون ہو سکتی ہے!

اہل علم میں یہ بحث شروع سے چلی آرہی ہے۔ کہ قرآن مجید کا اعجاز کس لحاظ سے اور کس اعتبار سے ہے؟ کسی نے کہا کہ فصاحت و بلاغت کے معیار سے۔ کسی نے کہا کہ نظم کلام کے لحاظ سے۔ ایک گروہ کا قول ہے کہ پیشین گوئیوں اور غیبی خبروں کے پہلو سے۔ ایک اور گروہ قائل ہے کہ اپنے احکام کی جامعیت اور اپنی تعلیمات کی بلندی کے اعتبار سے۔ اسی طرح اور پہلو بھی اختیار کئے گئے ہیں

لیکن خود قرآن کے الفاظ عام ہیں اور ان کا عموم ان تمام پہلوؤں پر حاوی ہے۔ گویا قرآن ایک معجزہ رسول کریمؐ کا ان سارے ہی مفہوموں کے اعتبار سے ہے۔ اور اس لئے چیلنج کے لہجہ میں اعلان کر دیا ہے۔ کہ سارے جن و بشر مل کر بھی زور لگا دیکھیں۔ دوسرا قرآن ان کی طاقت سے باہر ہے۔

قل لئن اجتمعت الانس والجن علیٰ ان یاتوا بمثل ھذا القرآن لا یاتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا (بنی اسرائیل ع)	آپ کہہ دیجئے (اے پیغمبرؐ) کہ اگر سارے جنات اور انسان مل کر بھی چاہیں کہ اس جیسا قرآن لے آئیں تو نہ لا سکیں گے۔ خواہ ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہو جائیں۔

اس آیت میں تو ذکر دوسرے قرآن کا تھا۔ یعنی اس سارے قرآن کے مثل کوئی دوسری کتاب۔ لیکن دوسری جگہ تحدی کا معیار گھٹا کر دس سورتوں تک لے آیا گیا ہے۔ یعنی اگر پورا قرآن نہیں لا سکتے ہو۔ تو اس کا کوئی معمولی حصہ دس ہی سورتوں کی مقدار کا بنا دیکھو!

ام یقولون افتراہ قل فاتوا بعشر سور مثلہ مفتریات وادعوا من استطعتم من دون اللہ ان کنتم صادقین۔ (ہود۔ ع ۲)	کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ان پیغمبر نے یہ (قرآن) خود گڑھ لیا ہے؟ تو آپ کہہ دیجئے کہ تم اس کی سی دس ہی سورتیں گڑھ کر لے آؤ۔ اور اگر اپنے دعوے میں سچے ہو۔ تو اللہ کے سوا جس کو بھی چاہو اپنی مدد کے لئے بلا لو۔

ہوتے ہوتے چیلنج اتنا سخت ہو گیا۔ کہ مقدار گھٹا کر کل ایک سورت کی کر دی گئی۔ (اور معلوم ہے کہ قرآن مجید کی ایک سورت کل تین آیتوں کی بھی ہو سکتی ہے)

اور ارشاد ہوا کہ اگر کھرے ہو۔ تو اپنے سارے حمایتیوں کو بلا کر کل ایک ہی سورت بنا لاؤ۔

وان کنتم فی ریب مما نزلنا علیٰ عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شھداءکم من دون اللہ ان کنتم صادقین (البقرۃ ع ۳)

اور اگر تم کو اس (کتاب) کے بارے میں شک ہو۔ جو ہم نے اپنے بندۂ (خاص) پر اتاری ہے تو اس کی سی ایک ہی سورت بنا لاؤ اور اللہ کے سوا اپنے تمہارے گواہوں کو بلاؤ، اگر اپنے دعوی میں سچے ہو۔

اور تقریباً یہی مضمون ایک دوسری جگہ بھی وارد ہوا ہے:-

ام یقولون افتراہ قل فاتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا من استطعتم من دون اللہ ان کنتم صادقین۔ (یونس ع ۴)

کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ان (پیغمبر) نے یہ (قرآن) گڑھ لیا ہے؟ آپ کہہ دیجئے کہ تم ایک ہی سورۃ اس کی سی لے آؤ۔ اور اللہ کے سوا جو کوئی بھی تمھارے بس میں ہے اسے بلا لاؤ اگر اپنے دعوی میں سچے ہو۔

ہوتے ہوتے قید ایک چھوٹی سورت کی بھی نہ رہی۔ اور تحدّی کی نوبت شاید ایک آیت یا ایک آدھ فقرہ تک کے لئے پہونچ گئی:-

ام یقولون تقولہ بل لا یومنون فلیاتوا بحدیث مثلہ ان کانوا صادقین۔ (الطور ع ۲)

کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ قرآن (پیغمبر) نے اپنی طرف سے [illegible] ہے۔ بات یہ ہے کہ انھیں ایمان ہی نہیں یہ اس کی سی ایک بات بھی تو بنا لے آئیں۔ اگر یہ اپنے دعوی میں سچے ہیں!

یہ تحدّی نہ صرف حضورؐ کی زندگی میں سالہا سال قائم رہی۔ بلکہ اس وقت سے لے کر آج تک ہر ملک ہر زمانہ کے مقابلہ میں قائم چلی آرہی ہے۔ تیرہ صدیاں تو یہی چیلنج پر گذر ہی چکیں۔ اور اب چودھویں بھی ختم پر آرہی ہے۔ آج تک قرآن کے بڑے بڑے مخالفین ومعاندین دوسرا قرآن کیا معنی اس کا کوئی حصہ بھی نہ پیش کرسکے! منکرین کی غیرت کو مہمیز کرنے کے لئے قرآن نے یہاں تک کہہ دیا ہے۔

فان لم تفعلوا ولن تفعلوا	تو اگر تم یہ نہ کرسکے اور ہرگز نہ کرسکوگے تو اس
فاتقوا النار التی وقودھا الناس	آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی ہیں اور
والحجارۃ اعدت للکافرین۔	(پوجے جانے والے) پتھر بھی۔ جو کافروں کے
(البقرہ ع ۳)	لیے تیار موجود ہے۔

اتنا مستقل۔ پائدار۔ زوردار معجزہ کسی اور پیغمبر کو کیوں عنایت ہوا ہوگا۔ اتنا بڑا دعویٰ کسی اور داعی کی زبان سے کب دہرایا گیا ہوگا؟ جس کا جی چاہے آج بھی امتحان کی کسوٹی پر اس معجزہ کو جانچ لے۔ پرکھ لے۔ کسی دوسری آسمانی کتاب کے لئے یہ دعویٰ کب کسی دوسرے صاحب کتاب کی زبان سے نکلا؟

ہاں ایک جگہ خود قرآن ہی نے جو ہر نبی کی عزت کا محافظ ہے اپنے ساتھ توریت کو بھی شامل کرلیا ہے اور یوں کہا ہے کہ کوئی کتاب آسمانی لاکر پیش کرو جو ہدایت نامہ کی حیثیت سے ان دونوں سے بڑھ کر ہو۔

قل فاتوا بکتاب من عند اللہ	آپ کہہ دیجیے کہ کوئی کتاب اللہ کے یہاں سے
ھو اھدیٰ منھما اتبعہ ان کنتم	ایسی لے آؤ، جو ہدایت میں ان دونوں سے بہتر
صادقین فان لم یستجیبوا لک فاعلم	ہو، تو میں اس کی پیروی کروں۔ اگر تم اپنے وعدہ

انما یتبعون اھواءھم (القصص ع ۵) | میں سچے ہو۔ اور اگر یہ لوگ آپ کی یہ بات نہ کر دکھا سکیں۔ تو آپ جان لیجئے کہ یہ صرف اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں

اعجاز قرآنی کے یہ دعوے قرآن کی زبان سے کلی وعمومی رنگ میں تھے۔ لیکن کہیں کہیں ایسا بھی ہے کہ قرآن مجید نے ان متعدد وجوہ اعجاز میں سے کسی ایک ہی پہلو کو نمایاں کیا ہے۔ مثلاً کہیں بلسان عربی مبین یا قرآنا عربیا غیر ذی عوج کہہ کر اس کی بے نظیر فصاحت وبلاغت کی طرف اشارہ کر دیا ہے اور کہیں نور وکتاب مبین یا ھدی للمتقین یا یھدی للتی ھی اقوم لاکر اس کے رشد وہدایت کے پہلو پر زور دیا ہے اور اس کی معنویت کو ابھارا ہے اور کہیں بل ھو شاعر یا ان ھذا الا سحر مبین لاکر اس کی تاثیر اور قوت تسخیر کا اعتراف منکروں کی زبان سے کرایا ہے۔ غرض یہ کہ یہ کتاب کا معجزہ صاحب کتاب کی زندگی کا سب سے بڑا معجزہ ہے بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ ساری تاریخ انبیاء میں اس سے بڑھ کر کسی دوسرے معجزے کی مثال نہیں ملتی۔ اور حق یہ ہو کہ اتنے صریح وواضح اور مستقل ومستمر معجزہ کے بعد رسول اللہ صلعم کو ضرورت ہی کسی دوسرے وقتی اور ہنگامی معجزہ کی نہ تھی۔ لیکن واقعہ یہ نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ حضورؐ کی زندگی میں ایک دو نہیں متعدد معجزے ایسے اور ملتے ہیں۔ جن کا ذکر قرآن مجید نے اپنے صفحات میں محفوظ کر لیا ہے اور قرآن ان کی گواہی رہتی دنیا تک دیتا رہے گا۔

اور ان میں سے ایک بیّن معجزہ یہ ہے کہ آپ جب اللہ کی راہ میں قتال

کے لئے نکلے۔ اور اپنے سے کہیں قوی تر دشمن کے مقابل صف آرا ہوئے تو آپ کی امداد فرشتوں کے لشکر سے کی گئی۔ اور یہ ماجرا ایک سے زائد بار پیش آیا اس لشکر غیبی کے لئے کہیں تو الفاظ مبہم استعمال ہوئے ہیں مثلاً غزوۂ حنین کے سلسلہ میں. یہاں ارشاد صرف اس قدر ہوا ہے۔

انزل الله سكينته على رسوله	اللہ نے اپنی تسکین اتاری اپنے رسول پر
وعلى المومنين وانزل جنودا	اور مومنوں پر اور وہ فوجیں بھی جن کو تم
لم تروها (التوبہ ع ۴)	لوگ نہ دیکھ سکے

اور ایسا ہی ایک مجمل بیان غزوۂ احزاب کے سلسلہ میں ارشاد ہوا ہے۔

اذ جاءتكم جنود فارسلنا	جب دشمن کی فوجیں تم پر آ پڑیں تو ہم نے
عليهم ريحا وجنودا لم تروها	ان پر تیز ہوا بھیجی اور فوجیں جنہیں تم لوگ
(الاحزاب ع ۲)	نہ دیکھ سکے۔

ان دونوں واقعات میں فرشتوں کی تصریح نہیں ہے۔ گو غیر مرئی لشکروں سے مراد فرشتے ہی لئے گئے ہیں۔ لیکن غزوۂ بدر کے سلسلہ میں یہ پردہ بھی اٹھ جاتا ہے۔ اور فرشتوں کی نہ صرف تصریح ہوتی ہے بلکہ ان کی تعداد بھی معرض بیان میں آجاتی ہے۔

فاستجاب لكم انى ممدكم	تمہارے پروردگار نے تم لوگوں کی سن لی
بالف من الملئكة مردفين	اور کہا کہ میں تمہاری مدد آتے رہنے والے
(الانفال ع ۱)	ایک ہزار فرشتوں سے کروں گا۔

غزوۂ احد کے سلسلہ میں تو نوبت تصریح در تصریح کی آ گئی ہے۔

اذ تقول للمومنین الن یکفیکم ان یمدکم ربکم بثلثة الاف من الملائکة منزلین بلیٰ ان تصبروا وتتقوا یاتوکم من فورھم ھذا یمددکم ربکم بخمسة الاف من الملائکة مسومین (آل عمران ع ۱۳)

اور جب آپ مسلمانوں سے کہہ رہے تھے کہ کیا تمہارے لئے یہ کافی نہیں کہ تمہارا پروردگار تمہاری مدد تین ہزار اتارے ہوئے فرشتوں سے کرے گا ہاں کیوں نہیں بشرطیکہ تم نے صبر وتقویٰ کو قائم رکھا اور اگر وہ لیعنی دشمنوں کے لشکر تم پر اچانک آپڑیں گے تو تمہارا پروردگار تمہاری مدد پانچ ہزار نشان کئے ہوئے فرشتوں سے کریگا

انھیں محاربات وغزوات کے سلسلہ میں علاوہ نزول ملائکہ کے اور بھی جن غیبی اور خدائی طریقوں سے رسول برحق کی امداد ہوتی رہی ہے ۔ مثلاً دلوں میں القائے سکینت، دشمن پر ہوائے مخالف کا چلنا، بارش ہو جانے سے لشکر اسلام کو نفع پہونچ جانا، تھکے ہوئے مسلمان فوجیوں کا غنودگی سے تازہ دم ہوجانا یہ ساری چیزیں قرآن مجید کے اوراق میں محفوظ ہیں۔ اور ان سب کا شمار اگر معجزات نبوی میں نہ کیجئے تو آخر اور کیا کیجئے۔

اور ان غیبی امدادوں اور اس قسم کے معجزات کا دائرہ غزوات ومحاربات ہی تک محدود نہیں ۔ بلکہ ہجرت مدینہ کے وقت بھی اس رسول برحق کی نصرت کچھ ایسی ہی عجائب کاروبار سے ہوئی تھی —— سرداران قریش کی دشمنی اس وقت شباب پر تھی اور چالیں ہر طرح کی آپ کی قید اور جلاوطنی اور قتل کے لئے چلی جا رہی تھیں۔

واذ یمکربك الذین کفروا

اور جبکہ یہ لوگ آپ کی نسبت چالیں چل رہے تھے

یثبتوك او یقتلوك او یخرجوك — کہ آپ کو قید کردیں یا آپ کو قتل کر ڈالیں یا
(الانفال ع ۴) — آپ کو جلا وطن کر دیں۔

اس وقت کا منظر یوں دکھایا گیا ہے ۔

یمکرون و یمکر اللہ — وہ اپنی چالیں چل رہے تھے اور اللہ اپنی
(ایضاً) — تدبیر کر رہا تھا۔

غرض یہ کہ ہجرت کا دشوار مرحلہ اعجازی ہی رنگ میں رسول کے لئے آسان کر دیا گیا۔ اور ان جزئی اور متفرق واقعات سے بھی بڑھ کر حیرت انگیز یہ قرآنی وعدہ ہے کہ شدید ہجوم اعداء کے باوجود اللہ آپ کو محفوظ اور صحیح وسالم بھی رکھے گا ۔

واللہ یعصمك من الناس — اللہ آپ کو محفوظ رکھے گا لوگوں سے
(المائدہ ع ۱۰)

اور یہ سورۃ تو مدنی ہے اس سے قبل ایک مکی سورۃ میں جانی دشمنوں کے نرغہ کے وقت کچھ اسی قسم کی تسکین دی جا چکی تھی ۔

فاصبر لحکم ربك فانك — آپ اپنے پروردگار کے حکم کے انتظار میں
باعیننا (الطور ع ۲) — صبر کئے رہئے آپ تو ہمارے آنکھوں کے سامنے ہیں

گویا ساری زندگی آپ کی بحفاظت اعجازی رنگ میں گزرتی رہی تا آنکہ آپ نے اپنے مقصد وجود کو پورا کر لیا اور حق تبلیغ رسالت کا ادا کر دیا۔

ہمارے رسول کے خوارق و معجزات میں سے ایک بہت ممتاز آپ کا وصف اُمیّت ہے ۔ جو شخص ایران ہندوستان مصر عراق، یونان و روم کے

عروج و حکمت و دانش کے ہر دور کے بعد آیا وہ رسمی و اصطلاحی معنی میں علوم عصری کا فاضل اجل ہونا الگ رہا، معمولی طور پر بھی پڑھا لکھا نہ تھا۔ اور وہ اپنی لائی ہوئی کتاب سے اور اپنے قول و عمل سے دنیا کے بڑے سے بڑے حکیموں اور دانشوروں کو بھی درس ہدایت دے گیا، کوئی اعجوبہ اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا؟ — قرآن مجید نے آپ کے اس معجزۂ امیت کا بیان بہ تکرار بھی کیا ہے — اور بہ صراحت بھی — ایک جگہ آپ کے تعارف کے سلسلہ میں ہے

الذین یتبعون الرسول النبی الامی (الاعراف ع ۱۹) — (مومنین) پیروی کرتے ہیں امی رسول و نبی کی۔

اور پھر تھوڑی ہی دور آگے چل کر حکم دیتے ہوئے بھی اسی وصف کو دہرایا ہے

فامنوا باللہ ورسولہ النبی الامی (الاعراف ع ۲۰) — ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے امی رسول و نبی پر۔

تیسری جگہ اہل عرب کے لئے محل امتنان و انعام میں ہے۔

ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم (الجمعۃ ع ۱) — وہ اللہ ہی ہے جس نے امیوں کے درمیان انھیں میں سے ایک رسول بھیجا۔

حقیقۃً یہ وصف امیت جس طرح رسول کی ذات کے لئے ایک اعجاز ہے اسی طرح اعجاز قرآن کی مزید تقویت کے لئے بھی ہے۔ ایسا کلام جس کے مثل و نظیر سے بڑے بڑے حکیم و ادیب مل کر بھی عاجز رہیں، اس کی تصنیف پر کسی امی محض کا قادر ہو جانا بھلا کسی عقل کے لئے بھی قابل قبول ہو سکتا ہے؟ — چنانچہ چوتھی جگہ قرآن جہاں آپ کے وصف امیت کا اثبات کرتا ہے وہیں

اس کی مزید صراحت کے ساتھ اس کی اس حکمت و مصلحت کا بھی اضافہ کر دیتا ہے،

وماکنت تتلوا من قبلہ من کتاب	اور آپ نہ جانتے تھے کہ کتاب ہے کیا چیز۔ اور نہ
ولا تخطہ بیمینک اذا لارتاب	اپنے ہاتھ سے اسے لکھ ہی سکتے تھے اگر ایسا ہوتا
المبطلون (العنکبوت ع ۵)	تو اہل باطل کچھ شک کر بھی سکتے تھے۔

یعنی اس وقت ان باطل پرستوں کو یہ کہنے کی گنجایش کچھ نکل بھی سکتی تھی کہ آدمی پڑھے لکھے ہیں۔ کہیں سے لے لوا کر ایسی تصنیف کر ڈالی۔

یہ سب انکار صریح تو آپ کی کتابی اور ظاہری تعلیم سے ہوا۔ ایک جگہ آپ کی قبل نبوت کی معنوی تعلیم کی بھی نفی کی ہے۔

وماکنت تدری ما الکتاب	آپ تو یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا چیز
ولا الایمان (الشوریٰ ع ۵)	ہے اور ایمان کیا۔ [1]

اسی امیت ہی کے اعجاز کو نمایاں تر کرنے کے لئے ایک جگہ تاریخ قدیم کے واقعات کو بیان کرکے ارشاد ہوا ہے۔

ماکنت تعلمہا انت ولا قومک	ان کا علم نہ آپ کو تھا نہ آپ کی قوم کو اس
من قبل ھذا۔ (سورہ ہود ع ۴)	(نزول قرآن) سے قبل

سلسلہ معجزات میں حدیث و سیر کی کتابوں میں دو واقعات کا ذکر شد و مد سے آیا ہے۔ ایک ان میں سے معجزۂ شق القمر ہے۔ قرآن مجید کی جس آیت میں

---

[1] اور اگر کہیں کوئی بات دینی حقایق و معارف کی آپ کے کان میں محض اتفاق سے کبھی پڑ گئی ہو۔ مثلاً نسطوری راہب بحیرا کی زبان سے آپ کے سفر شام کے دوران میں تو یہ بیان قرآن کے منافی نہیں۔

یہ ذکر ہے۔ گو اس کی تعبیر و تفسیر مختلف طریقوں سے کی جا سکتی ہے اور یہ لازمی نہیں کہ اس کے متعین طور پر یہی معنی لیے جائیں۔ پھر بھی اگر اس کو حیات نبوی کا ایک مسلم واقعہ سمجھا جائے تو قرآن مجید اس کی تائید کے لیے موجود ہے۔

اقتربت الساعۃ وانشق القمر	قیامت کی گھڑی قریب آ گئی ہے اور چاند
وان یروا آیۃ یعرضوا ویقولوا	شق ہو گیا اور یہ کافر لوگ تو کوئی سا بھی
سحر مستمر	نشان دیکھیں اس سے اعراض ہی کرتے رہیں
(القمر۔ع ۱)	اور کہیں کہ یہ تو جادو ہی جو سدا سے ہوتا آیا ہے

اہل سیر کے نزدیک یہ ابتدائی مکی زندگی میں پیش آیا تھا۔

اور دوسرا مشہور واقعہ شق صدر کا ہے جو حضور کے بچپن میں پیش آیا تھا۔ جزئیات و تفصیلات کے ساتھ تو نہیں البتہ اجمالاً اس کی طرف اشارہ اس مشہور آیت میں مل سکتا ہے۔

الم نشرح لک صدرک	کیا ہم نے آپ کے لیے آپ کا سینہ کھول
(الانشراح)	نہیں دیا؟

سوانح نبوی کا ایک بڑا معرکۃ الآرا واقعہ معراج نبوی ہے۔ اور عام امت کے ذہن میں اس کا شمار اہم ترین معجزات نبوی ہے۔ اور حدیث و سیر کی کتابیں اس کی تفصیلات سے بھری ہوئی ہیں ــــ بنیادی حیثیت سے دو بالکل الگ الگ جز اس واقعہ عظیم کے ہیں۔ اور قرآن مجید نے بھی دونوں کو الگ الگ بیان کیا ہے۔ گو ہر جز کی تفسیر و تعبیر متعدد پہلوؤں کی حامل ہے۔ پہلا جز حرم مکہ سے بیت المقدس تک راتی رات سفر سے متعلق ہے۔

سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ	پاک ہے وہ ذات جو راتی رات لے گئی اپنے بندۂ خاص
لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد	کو مسجد حرام (کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس)
الاقصیٰ الذی بارکنا حولہ لنریہٗ	تک جس کے گرد و پیش ہم نے برکت دے رکھی ہے
من اٰیاتنا	تاکہ ہم اپنے اس (بندہ) کو اپنی کچھ نشانیاں
(بنی اسرائیل ع ۱)	دکھائیں۔

مکہ معظمہ سے یروشلم کا فاصلہ سیکڑوں میل ہے۔ طے کرنے میں اس وقت ہفتوں نہیں مہینوں کی مدت لگ جاتی تھی اتنا لمبا فاصلہ ایک رات کے اندر ہی اندر طے کر لینا یقیناً ایک اعجوبہ اور بہت بڑا اعجوبہ تھا۔ قرآن مجید نے معجزہ کے اس جزو کی تصدیق ہی نہیں کی خود اس کی روایت کی!

معجزہ کا دوسرا جزو پہلے سے بھی اہم تر و عجیب تر ہے، اور وہ سیر آسمانی سے متعلق ہے۔ قرآن مجید نے اس کا ذکر ہی نہیں کیا بلکہ اس کی خاصی تفصیلات بھی بیان کر دیں۔ گو زبان تمام تر رمز و کنایہ کی رکھی۔ ارشاد ہوتا ہے۔

علمہ شدید القویٰ ذو مرۃٍ	(اُن (پیغمبر) کو سکھلاتا ہے بڑی قوت والا (فرشتہ)
فاستویٰ وھو بالافق الاعلیٰ	پیدائشی طاقتور پھر وہ اصلی صورت پر ظاہر ہوا اس حال
ثم دنیٰ فتدلیٰ فکان قاب قوسین	میں کہ وہ آسمان کے بلند کنارے پر تھا پھر وہ نزدیک ہوا
اوادنیٰ۔ فاوحیٰ الی عبدہٖ ما اوحیٰ	اور زیادہ نزدیک ہوا سو دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا
ماکذب الفؤاد ما رایٰ۔ افتمارونہ	بلکہ اور بھی کم۔ پھر اللہ نے اپنے بندے پر وحی نازل کی
علیٰ ما یریٰ	(انکے) قلب نے کوئی غلطی نہیں کی دیکھی ہوئی چیز میں
(النجم ع ۱)	تو کیا تم ان سے نزاع کرتے ہو ان چیزوں میں جو

اُن کی دیکھی بھالی ہیں۔

بیان ابھی ختم نہیں ہوا ہے آگے ارشاد ہوتا ہے۔

ولقد راٰہ نزلۃ اُخریٰ عند	اور انھوں نے اس (فرشتہ) کو ایک بار اور بھی دیکھا ہے
سدرۃ المنتھیٰ عند ھا جنۃ	سدرۃ المنتہیٰ کے قریب کہ اس کے قریب جنت الماویٰ
الماویٰ اذ یغشی السدرۃ ما یغشیٰ	ہے جبکہ اس سدرہ کو لپٹ رہی تھیں جو چیزیں کہ
مازاغ البصر وما طغیٰ لقد راٰی	لپٹ رہی تھیں۔ اُن (پیغمبر) کی نگاہ نہ تو ہٹی نہ بڑھی
من اٰیات ربہ الکبریٰ	یقیناً انھوں نے اپنے پرودگار (کی قدرت) کے بڑے
(النجم)	عجائبات دیکھے۔

مفہومی ترجمہ آیتوں کا آپ کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ رہی ان مشاہدات و کیفیات کی جزئی تحقیق تو اس کے لئے موزوں دوسری جگہیں ہو سکتی ہیں۔ سیرتِ نبویؐ قرآنی سے ان دقائق کا تعلق نہیں۔

قرآن مجید کے صفحات کے اندر متعدد واقعات سے متعلق جو اس وقت تک معرضِ وقوع میں نہیں آئے تھے۔ پیشین گوئیاں موجود ہیں۔ کہیں جلی اور کہیں خفی، جو آگے چل کر تمام تر صحیح ثابت ہوئیں۔ مثلاً فتح خیبر۔ فتح مکہ۔ عہدِ رسالت کے بعد کی فتحمندیاں۔ وقس علیٰ ہذا۔ یہ اخبار بالغیب براہِ راست قرآن سے متعلق ہے۔ اور ایسی چیزوں کا شمار معجزاتِ قرآنی ہی کے ماتحت ہو سکتا ہے۔ لیکن چونکہ یہ سارے دعوئے نبیؐ ہی کی زبان وحی ترجمان سے ادا ہوئے تھے۔ اس لئے اگر انھیں معجزات نبویؐ سے تعبیر کیا جائے جب بھی کچھ بے جا نہ ہوگا۔ ان سبھی اور حیرت انگیز پیشین گوئیوں میں سب سے بڑھ کر غلبۂ روم کی پیشین گوئی نکلی وقت کی سب سے بڑی سلطنتیں یعنی شہنشاہ

مشرق میں ایران اور مغرب میں روم کی تھیں۔

ایران سنہ ۶۱۶ء میں اپنے حریف روم کو زبردست اور کامل شکست دے چکا تھا اور مادی ظاہری اسباب کے لحاظ سے اس کی مطلق توقع نہ تھی کہ رومی مستقل قریب میں کچھ بھی عوض اپنی شکست فاش کا لے سکیں لیکن قرآن مجید نے اسی وقت بیدھڑک خبر دیدی اور مخالفین کے جم غفیر کو سنا دیا کہ رومی چند ہی سال کے اندر از سر نو فتح مند ہو جائیں گے۔

غلبت الروم فی ادنی الارض	رومی قریب تر سرزمین میں مغلوب ہو گئے ہیں
وہم من بعد غلبہم سیغلبون	لیکن وہ مغلوب ہونے کے بعد چند ہی سال
فی بضع سنین للہ الامر من قبل	کے اندر پھر غالب آجائیں گے۔ اللہ ہی کے
ومن بعد یومئذ یفرح المومنون	ہاتھ میں اختیار ہے پہلے بھی اور پیچھے بھی اور
بنصر اللہ ینصر من یشاء وھو	اس روز مسلمان اللہ کی مدد سے خوش ہونگے
العزیز الرحیم وعد اللہ	وہ جسے چاہے مدد دے وہ غالب ہے رحیم ہے
لا یخلف اللہ وعدہ	اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ اپنے وعدے کو کبھی
(الروم ع ۱)	نہیں توڑتا۔

دس سال بھی نہیں گذرنے پائے تھے تاریخ کا بیان ہے کہ ابھی کل نواں سال تھا یعنی سنہ ۶۲۵ء کہ روم کو نہ صرف فتح کامل ایران پر حاصل ہو گئی! اور یہ یاد بھی تازہ کر لیجیے کہ قرآن مجید نے لفظ فی بضع سنین (چند سال کے اندر) کا استعمال کیا تھا۔ اور زبان عربی میں بضع کا اطلاق نو ہی سال تک کے ہر تال بھی ہے۔ مشہور انگریز مورخ گبن نے صدیوں بعد گواہی دی کہ پیشین گوئی کے

وقت اس پیشین گوئی سے بڑھ کر کوئی چیز بعید از قیاس نہ تھی۔

معجزات اجل کا ذکر آچکا۔ معجزات نبوی کی ایک نوعیت یہ بھی تھی کہ کبھی کسی واقعہ مخفی سے حضور کو غیب سے اطلاع ہو جاتی تھی۔ اور آپ کے قریب والے تک آپ کی اس غیب دانی سے حیران رہ جانے تھے ایک بار ایک بیوی صاحبہ سے آپ نے کوئی بات راز میں فرمائی انھوں نے رازداری کے اس اہتمام کے ساتھ وہ بات دوسری بیوی تک پہونچادی یہ راز شکنی کا راز آپ پر غیب سے ظاہر ہو گیا۔ آپ نے ان پہلی بیوی صاحبہ سے سوال کیا ان بیچاری نے حیران ہو کر پوچھا کہ آپ کو یہ خبر کیسے لگ گئی۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے یہ خبر میرے خدائے دانا و بینا نے پہونچادی۔

فلما نبأها به قالت من	جب آپ نے ان پہلی بیوی کو جتایا تو انھوں
انبأك هذا قال نبأني العليم	نے (حیرت سے) پوچھا کہ آپ کو یہ خبر کس نے
الخبير (التحریم ع ۱)	دی۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے خبر دی خدائے علیم خبیر نے

اور تفحص و استقصا سے کام لیا جائے تو اس طرح کے اور بھی اتفاقات کے اشارے قرآن مجید میں مل جائیں گے۔

خطبہ (۹)

خانگی اور ازدواجی زندگی

دوسرے مذہبوں کی تعلیم جو کچھ بھی ہو۔ اسلام نے پیمبروں کو راہبوں اور سنیاسیو کی شکل میں نہیں۔ بلکہ بیوی بچے رکھنے والے، اولاد و خاندان والے۔ گھر گرہستوں کے قالب میں پیش کیا ہے۔ اور اللہ کے خاص بندوں، عباد الرحمن کا ایک صفت یہ بھی بتایا گیا ہے۔ کہ وہ اللہ سے دعا کرتے رہتے ہیں کہ اللہ انکے ازداج و اولاد کو اُن کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنا دے۔

والذین یقولون ربنا ھب لنا	اور یہ ایسے ہیں کہ دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے
من ازواجنا وذریاتنا قرۃ اعین	ہمارے پروردگار ہم کو ہماری بیویوں اور ہماری
واجعلنا للمتقین اماما۔	اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا
(الفرقان ع ۶)	فرما۔ اور ہم کو متقیوں کا سردار کردے۔

پیمبروں نے اولاد کی تمنائیں کی ہیں دعائیں کی ہیں چنانچہ حضرت زکریا کی زبان سے۔

رب لاتذرنی فرداً وانت	اے میرے پروردگار مجھے لاوارث نہ رکھیو

خیر الوارثین (الانبیاء ع ۶) اور یوں سب سے بڑا وارث تو تو ہی ہے۔

اور دوسری جگہ یہ دعا تفصیل سے نقل فرمائی گئی ہے۔ پیرانہ سالی کے باوجود اولاد صالح کے لئے آپ کس للک کے ساتھ دعا و مناجات کرتے ہیں۔

وانی خفت الموالی من ورائی	اپنے بعد مجھے اپنی برادری والوں سے اندیشہ ہے
وکانت امراتی عاقراً فھب لی	اور میری بیوی عقیم ہے سو تو مجھے خاص اپنے
من لدنک ولیا یرثنی ویرث	پاس سے ایک وارث عطا فرما، کہ وہ میرا بھی
من آل یعقوب. واجعلہ رب	وارث بنے اور آل یعقوب کا بھی وارث بنے
رضیا۔ (مریم ع ۱)	اور اسکو اے میرے رب پسندیدہ بنائیے۔

قرآن مجید نے پیمبروں میں سے ذکر ایک کا نہیں بہتوں کا کیا ہے اور اُن میں سے اکثر کے ساتھ تذکرہ ان کے اہل یا عیال کا بھی آ گیا ہے۔ عموماً مدح و امتنان کے موقع پر۔ پیمبروں کی اس عام سنت کے بعد رسول صلعم کا عیالدار ہونا بالکل اغلب تھا لیکن ضرورت ظن و قیاس کی نہیں۔ رسول کے اہل بیت کا تذکرہ صراحت کے ساتھ موجود ہے۔ اور آپؐ کی خانہ داری اور زدواجی زندگی اس حد تک تو قرآن مجید سے صاف نکل ہی رہی ہے۔ رسولؐ اللہ کی اہلی زندگی کے سلسلہ میں قرآن مجید میں ازواج اور نساء دو لفظ آئے ہیں اور دونوں بصیغۂ جمع اس سے یہ تو ظاہر ہی ہو گیا کہ آپ کی بیویاں متعدد تھیں۔ ایک جگہ ہے:۔

یا ایھا النبی لم تحرم ما	اے نبی آپ اپنی بیویوں کی خوشی کے لئے اپنے
احل اللہ لک تبتغی مرضات	اوپر وہ کیوں حرام کئے لیتے ہیں، جو اللہ نے

ازواجك (التحریم ع ۱) آپ کے لیے جائز رکھا ہے۔

ازواج بصیغہ جمع اور کئی جگہ بھی قرآن میں حضور کی بیویوں کے لیے آیا ہے

اور یہی حال لفظ نساء (بہ صیغۂ جمع) کا ہے۔

یا نساء النبی لستن کاحدٍ اے نبی کی بیویو تم معمولی عورتوں کی طرح

من النساء (الاحزاب ع ۴) نہیں ہو۔

اور اس رکوع میں بار بار ذکر انہیں بیویوں کا بہ صیغہ جمع آیا ہے۔ تو نفس تعدد کو قرآن مجید نے واضح طور پر ظاہر کر دیا ہے۔ اب یہ کہ ان کی تعداد کتنی تھی اس پر چونکہ کوئی فقہی، اخلاقی، روحانی مسئلہ مبنی نہ تھا۔ اس لیے قرآن مجید نے اسی غیر ضروری جزیہ کا ذکر نہ کیا۔ تعداد کی تصریح حدیث و سیر کی کتابوں میں ملتی ہے

ان ازواج مطہرات کا مرتبہ بھی عام مومنات سے بلند تر تھا۔ اور ساتھ ہی ان کی ذمہ داریاں بھی کہیں بڑھی ہوئی تھیں۔ جو آیت آپ نے ابھی سنی تھی اسے ایک بار پھر سماعت فرمالیں۔

یا نساء النبی لستن کاحدٍ اے نبی کی بیویو تم معمولی عورتوں کی طرح

من النساء ان اتقیتن (ایضًا) نہیں ہو۔ اگر تقویٰ اختیار کئے رہو۔

اور چونکہ یہ جادۂ تقویٰ سے نہیں ہٹیں بلکہ اس پر قائم و مستقیم رہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید کی سطور و بین السطور دونوں سے معلوم ہوتا ہے۔ اسی لئے لازمی طور پر ان کی قدر و منزلت بھی بہت اونچی رہی۔

ایک جگہ ان کے فضل و منزلت اور ان کی ذمہ داریوں دونوں کو کس طرح سمو کر بیان فرمادیا گیا ہے۔

یانساء النبی من یات منکن بفاحشۃ مبینۃ یضاعف لھا العذاب ضعفین (الاحزاب ع ۴)

اے نبی کی بیویو تم میں سے جو کوئی کھلی ہوئی بیہودگی کرے گی۔ اس کو سزا بھی دُہری ملے گی۔

اور اسی کے متصل

ومن یقنت منکن للہ ورسولہ وتعمل صالحاً نوتھا اجرھا مرتین (ایضاً)

اور تم میں سے جو کوئی اللہ اور اس کے پیمبر کی فرمانبرداری کرے گی۔ اور نیک عمل کرتی رہے گی۔ ہم اسے اس کا اجر بھی دُہرا دیں گے۔

ان کے لئے شریعت کے عام قانونوں کی پابندی ضروری تھی۔ اور اُن کے لئے کچھ احکام خصوصی بھی تھے۔ ایک طویل آیت میں ان میں سے اکثر کو ایک جا کر دیا گیا ہے:۔

فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبہ مرض وقلن قولا معروفاً وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولیٰ واقمن الصلوٰۃ وآتین الزکوٰۃ واطعن اللہ ورسولہ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا۔ واذکرن مایتلیٰ فی

تو تم بولنے میں نزاکت نہ اختیار کرو کہ اس سے ایسے شخص کو کہ جس کے دل میں کھوٹ ہے توقعات قائم ہونے لگیں گی اور بات کھری کہا کرو اور اپنے گھروں کے اندر قرار سے رہا کرو اور زمانہ جاہلیت قدیم کی طرح اپنا بناؤ سنگار دکھاتی نہ پھرو اور نمازوں کی پابندی رکھو اور زکات دیتی رہو اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو اور

بیوتکن من آیات اللہ والحکمۃ ان اللہ کان لطیفاً خبیراً (ایضاً)	اللہ کو یہ منظور ہو ا ہے نبی کے گھر والو کہ تم سے آلودگی کو دور رکھے اور تمہیں خوب پاک صاف رکھے اور عنایات الٰہی اور اس علم کو یاد رکھو جس کا تمہارے گھروں میں چرچا رہتا ہے۔ بیشک اللہ رازداں ہے اور پورا خبردار ہے۔

"اہل البیت" کے لغوی معنی میں گو وسعت و تعمیم ہو لیکن یہاں جس سیاق میں یہ لفظ آیا ہے اس سے کھلی ہوئی مراد ازواج مطہرات ہی ہیں۔ یہ آیت اور جو آیت اس کے ماقبل تلاوت ہو چکی ہے دونوں کے ملانے سے اتنے امور پوری طرح روشنی میں آجاتے ہیں۔

اول یہ کہ۔ قانون شریعت جو ساری اُمت کے لئے تھا وہی ان پاک بیویوں کے لئے بھی تھا۔ یہ نہ تھا کہ شرف زوجیت رسولؐ کی بنا پر یہ شریعت کی کسی دفعہ سے مستثنیٰ ہو جاتیں۔ یا یہ کہ تعمیل احکام سے کسی جز میں بھی معاف ہو جاتیں۔ یہ استثنا، اور یہ معافی جب خود حضرات انبیاء کی ذات تک کے لئے نہ تھی تو ان کے ازواج و اولاد کے لئے کیونکر ممکن تھی

دوسرے یہ کہ پاکبازی اور طہارت نفس کا معیار ان پاک بیویوں کے لئے کچھ اور بڑھا کر رکھا گیا۔

تیسری بات یہ کہ گھروں کے اندر رہنے اور بلا ضرورت باہر چل پھر کرنے سے باز رہنے کی تاکید ان کے لئے ہوئی۔

چوتھے نمبر پر یہ کہ ازواج نبیؐ کے لئے یہ خصوصی درجہ شرف و احترام کا مقرر کر دیا گیا۔ ان کے حسن عمل پر اجر بھی زائد اور ان کی خطاؤں لغزشوں پر گرفت بھی زیادہ سخت۔

پانچویں بات یہ کہ اس کی شہادت کہ ان بیویوں کے گھروں میں چرچا قرآن و حکمت ربانی کا خوب رہا کرتا تھا فی بیوتکن کا لفظ بہت قابل لحاظ ہے قابیوت النبی نہیں فرمایا۔ بلکہ گھروں کی نسبت خود انہیں محترمات کی جانب کی ہے۔

یہ بھی خیال کر لیا جائے کہ چھٹی صدی عیسوی اور ساتویں صدی کے شروع کا عرب تمدن بیسویں صدی کا فرنگی تمدن نہ تھا کہ مکان میں کئی کئی کمرے بیڈ روم اور ڈرائینگ روم اور ڈائیننگ روم وغیرہ ہوں۔ رسول اعظمؐ کی بھی سکونت کے لئے بس ایک حجرہ ہی تھا۔ اور حجرہ کا ترجمہ آج کے معیار سے بجائے کمرے کے کوٹھری ہی سے کرنا قرین صحت ہوگا۔ چونکہ ازواج مبارک متعدد تھیں۔ حجرے بھی قدرۃً متعدد ہی تھے۔ اور آپؐ کا قیام کبھی ایک حجرہ میں رہتا، کبھی دوسرے میں۔ اور اوقات مقررہ پر مجلس باہر مسجد میں ہوتی قرآن مجید نے اسی لئے حجرات بہ صیغۂ جمع استعمال فرمایا ہے اور عرب کے گنواروں کو اس شائستگی کی تعلیم دی ہے کہ آپ کو باہر سے پکارنا نہ شروع کر دیا کریں۔ بلکہ آپ کے باہر برآمد ہونے کا انتظار کیا کریں۔

ان الذین ینادونک من وراء   جو لوگ آپ کے حجروں کے باہر سے آپ کو

الحجرات اکثرھم لایعقلون ولو انھم صبروا حتیٰ تخرج الیھم لکان خیرًا لھم واللہ غفورٌ رحیم
(الحجرات ع ۱)

آواز دیتے ہیں، ان میں سے اکثر ایسے ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے۔ اور اگر یہ اتنا ٹھہر جاتے، کہ آپ ان کے لئے باہر نکل آتے تو یہ ان کے حق میں بہتر ہوتا، بےشک اللہ بخشنے والا ہے، مہربان ہے۔

خیر یہ تو ایک جملۂ معترضہ سا درمیان میں آ گیا۔ اب پھر متوجہ ازواجِ مطہرات کے ذکر کی طرف ہو جایئے۔ انھیں کی معاشرت اور منزلی زندگی کے سلسلہ میں یہ آیت بھی بہت پُرمعنی ہے۔

یاایھا النبی قل لازواجک ان کنتن تردن الحیاۃ الدنیا وزینتھا فتعالین امتعکن واسرحکن سراحًا جمیلًا۔ وان کنتن تردن اللہ ورسولہ والدار الاٰخرۃ فان اللہ اعد للمحسنات منکن اجرًا عظیمًا
(ایضًا)

اے نبی آپ اپنی بیویوں سے فرما دیجئے کہ اگر تم دنیوی زندگی اور اس کی بہار چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ دے دلا دوں، اور خوبی کے ساتھ تمہیں رخصت کر دوں، اور اگر تم اللہ کو چاہتی ہو اور اس کے رسول کو اور عالم آخرت کو تو اللہ نے تم سے نیک کاروں کے لئے اجر عظیم مہیا کر رکھا ہے۔

لیکن نیک کار (محسنات) تو یہ سب ہی تھیں جیسا کہ قرآن مجید کے سکوت سے اور تاریخ وسیر کی تصریحات سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور استثنا کسی ایک کا بھی کہیں سے ثابت نہیں اس لئے اجر عظیم کی حصہ دار یہ سب ہی قرار پائیں۔
ایک بات اور بھی آیت سے نکل آئی۔ جب آنحضرت صلعم نے (تعمیل ارشاد الٰہی میں)

سب ہی بیوی صاحبوں کو اس کی اجازت دیدی تھی کہ دنیا کی خوشحالی کی اگر بہار دیکھنا چاہتی ہو تو میں تم کو ہنسی خوشی اپنے سے الگ کر دینے کو تیار ہوں اور اس اجازت و رعایت سے فائدہ کسی ایک نے بھی نہ اٹھایا۔ تو اس سے ظاہر ہو گیا کہ اُن سب کی زندگی تقویٰ و طہارت کے کس بلند مرتبہ پر تھی ــــــ اور پھر ایک بات اور بطور رشاخ در شاخ کے یہ بھی نکل آئی کہ آپس میں سارے طبعی اختلافات کے باوجود جب مال دنیا سے یہ بے رغبتی اور نفع اخروی کی طرف رغبت ان سب ہی میں مشترک رہی تو یہ نتیجہ صرف زوجیت رسولؐ ہی کا ہو سکتا ہے اور اس سے خود رسولؐ کی نظر کیمیا اثر پر بھی پوری روشنی پڑ جاتی ہے۔

اب ذرا ایک اور زاویے سے آیت پر نظر کیجئے تو یہ حقیقت بھی فاش و بر ملا سامنے آجاتی ہے کہ رسول اللہؐ کی خانگی معیشت بہت سادہ اور معمولی قسم کی تھی جس کے لئے خوشحالی کا حوصلہ اور امنگ رکھنے والی ہر عورت کو پتہ مار کر ہی رہنا ہوتا تھا۔

ازواج کے تعدد کی شہادت میں ایک آیت کچھ دیر پہلے سامعین با تمکین کے علم میں آچکی ہے سورۂ تحریم کی وہی آیت ایک بار پھر حسن معاشرت کے پہلو سے ملاحظہ ہو۔

یا ایھا النبی لم تحرم ما احل اللہ لك تبتغی مرضات ازواجك (التحریم ع ۱)	اے نبی آپ اپنی بیویوں کی خوشی کے لئے اس چیز کو اپنے اوپر کیوں حرام کئے لیتے ہیں جسے اللہ نے آپ کے لئے حلال کیا ہے۔

اس دلجوئی کا کچھ ٹھکانا ہے! بیوی صاحبوں کی دلجوئی رسول اللہؐ کو

اس درجہ مدنظر رہتی کہ کبھی اس پر اللہ کی طرف سے بندش عائد کرنے کی ضرورت پڑجاتی! یہ وہ معاندین دیکھیں جنھوں نے رسول اللہؐ کی لطیف و نرم، دلآویز شخصیت کو ایک سخت گیر، درشت اور خشک مزاج انسان کی حیثیت سے پیش کرنا چاہا ہے! نبی کسی رفیق زندگی کی خاطر، کسی مادی لذت سے تمتع نہ کرنے کو اپنے اوپر لازم کر لینا، بجائے خود معصیت کسی درجہ میں بھی نہیں، پھر بھی صاحب شریعت کے درجہ سے فروتر تھا اس لئے تنبیہ فرمادی گئی کہ پیمبر کا کسی نعمت دنیوی مستقل طور پر دست بردار ہوجانا عملاً اس کے حرام کر لینے ہی کے حکم میں داخل ہے۔

اس آیت کے معًا بعد کی تین آیتیں اسی سلسلہ بیان سے متعلق اور ہیں اور تینوں بڑی معنی خیز۔ پہلی آیت ہے۔

واذ اسر النبی الی بعض ازواجہ حدیثا فلما نبات بہ واظھرہ اللہ علیہ عرف بعضہ واعرض عن بعض فلما نباھا بہ قالت من انباک ھذا قال نبانی العلیم الخبیر

(ایضاً)

(اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے لائق ہے) جب نبی نے اپنی کسی بیوی سے کوئی بات چپکے سے فرمائی۔ اور وہ بات اُن بیوی نے (کسی اور بیوی) کو بتادی۔ اور اللہ نے نبی کو اس کی خبر کردی۔ تو نبی نے اس کا کچھ حصہ تبلادیا۔ اور اور کچھ کو ٹال گئے پھر جب نبی نے ان بی بی کو وہ بات جتلادی تو وہ بولیں۔ کہ آپ کو کس نے اس کی خبر کردی، آپ نے کہا کہ مجھے خبر دی بڑے علم رکھنے والے۔ ہر خبر رکھنے والے نے

جس قصہ کی جانب اشارہ اس آیت میں ہے۔ اس کا ماحصل حدیث ؒ

سیر کی کتابوں میں یہ ملتا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے اپنے کسی زوج مبارک سے کوئی بات مصلحتاً رازدارانہ فرمائی تھی۔ ان صاحبہ نے وہ بات دوسری صاحبہ تک پہنچا دی۔ اور اس کی اطلاع آپؐ کو وحی الہٰی سے ہوگئی۔ اس پر آپ نے ان پہلی بیوی صاحبہ سے رازشکنی کی شکایت کی۔ لیکن اس وقت بھی پوری بات نہ دہرائی۔ کہ اس سے ان کو شرمندگی اور زیادہ ہوتی۔ بس صرف اتنا فرمایا کہ تم نے ہماری آپس کی بات دوسری تک بلا اجازت کیوں پہنچائی۔

قرآن مجید کوئی بات بلامقصد نہیں بیان کرتا۔ اس تمام تر خانگی قصہ کے نقل کئے جانے سے سبق ایک نہیں کئی کئی نکلتے ہیں۔

چنانچہ پہلی بات تو یہی نکلی، کہ آپؐ کی معیشی اور خانگی زندگی جنت کی نہیں اسی خاکی دنیا کی زندگی تھی۔ جو نوع بشری کے ہر ہر فرد کے لئے نمونہ کا کام دے سکتی تھی۔ پیچیدگیاں اس میں وہی پیش آتی تھیں۔ جو ہر انسان کو اپنی ازدواجی زندگی میں پیش آسکتی ہیں۔ اور علاوہ ملکی انتظامات اور اجتماعی معاملات میں اُمت کی رہنمائی و پیشوائی کے آپؐ کو خانگی معیشت کے مرحلوں سے گزرنا تھا کہ بغیر اس کے اسوۂ حسنہ کے کامل و جامع رہنے کی کوئی صورت نہ تھی۔ علیٰ ہذا بیوی صاحبان کی فطرت بھی اعلا سے اعلا تربیت و تزکیۂ نفس کے باوجود بشری ہی تھی۔

دوسرا سبق یہ ملا کہ حسن معاشرت و معیشت گویا آپؐ پر ختم تھا۔ عین ناگواری کے وقت بھی رفق و ملاطفت کا سررشتہ ہاتھ سے نہ چھوٹنے پایا۔ اور دلدہی و دلجوئی کے تقاضوں سے اشتعال کے وقت بھی ذہن کو غفلت نہ ہوئی۔

تیسرا پہلو یہ ملاحظہ ہو کہ زبان سے یہ نہ ارشاد ہوا کہ خبر مجھے کیوں نہ ہو جاتی سبب نہ اپنی فراست کو پیش فرمایا نہ اپنے کشف و اشراق کو۔ فرمایا تو ایک عبد کامل کی طرح یہ فرمایا کہ اسی خدائے علیم و خبیر نے مجھے خبر پہنچا دی۔ ضمناً اس حکیمانہ طرز جواب سے بیوی صاحبان کی توبہ و رجوع کی توقع بھی زیادہ پیدا ہو گئی۔

متصل آیت میں خطاب ان دونوں بیوی صاحبوں سے ہے جن سے آپؐ کے قلب کو وقتی اذیت پہونچی تھی۔

وان تتوبا الی اللہ فقد صغت	اے دونوں بیو اگر تم اللہ کے سامنے توبہ کرو
قلوبکما وان تظاھرا علیہ فان اللہ	تو تمھارے دل تو اس طرف مائل ہو ہی رہے ہیں
ھو مولاہ وجبرئیل وصالح	اور اگر تم نبی کے مقابلے میں کارروائیاں کرتی
المومنین والملائکۃ بعد ذالک	رہیں تو نبی کا رفیق تو اللہ ہے اور جبرئیل ہیں
ظھیر (ایضاً)	اور نیک مسلمان ہیں اور انکے علاوہ فرشتے مددگار ہیں

آیت کے سلسلہ میں یہ تفسیری نکتہ ذہن نشین رہے کہ بیوی صاحبوں میں سے ہر ایک کا یہ خیال کہ آپؐ کا دل دوسروں کے بجائے خود انھیں کی طرف رہے۔ ایک امر طبعی تھا جس پر کوئی ملامت نہیں۔ پھر جب اس کا محبتی اور منشا حب رسولؐ و حب شوہر تھا۔ جب تو کوئی دور کی بھی قباحت اس میں باقی نہیں رہتی۔ لیکن اس کے ساتھ اس کا دوسرا پہلو دوسروں کے حقوق کا اتلاف بھی تھا۔ اس سے توبہ کرانا ان کے حق میں ضروری قرار پا گیا۔

آیت سے حیات مبارک کے اس پہلو پر بھی روشنی پڑ گئی کہ جس کی تائید و نصرت پر اللہ تعالیٰ خود موجود ہو اور اس کے فرشتے اور صالحین امت بھی،

اسے کسی کی سازش نقصان ہی کیا پہونچا سکتی ہے!

قصہ ابھی ختم نہیں ہوا ہے تیسری مفصل آیت بھی ملاحظہ ہو۔

عسیٰ ربہ ان طلقکن ان یبدلہ	اور اگر نبیؐ تمھیں طلاق دیدیں ان کا پروردگار
ازواجاً خیراً منکن مسلمات، مومنات	تمھارے عوض تم سے بہتر بی بیاں انھیں دیدے گا
قانتات تائبات، عابدات سائحات	اسلام والیاں، ایمان والیاں، فرمانبرداری کرنے والیاں
ثیبات وابکاراً (ایضاً)	توبہ کرنے والیاں عبادت کرنے والیاں روزہ رکھنے
	والیاں شوہر دیدہ بھی اور کنواریاں بھی۔

اس سے پہلی تعلیم تو یہ ملی کہ ایسی اکمل و مکمل شخصیت رکھنے والے کو موجودہ بیویوں کی محتاجی ہی کیا ہوسکتی ہے۔ وہ جب چاہے ان کو طلاق دیدے۔ اللہ اس کے لئے بہترین ازواج کا خود انتظام فرمادے گا۔ جو اپنے صفات و سیرت کے لحاظ سے ہر طرح اس کی زوجیت کی اہل ہوں گی ——— اہلیت کے جز اسب آیت میں گنا بھی دئے ہیں۔

اور اس حقیقت کے ساتھ جب یہ مقدمہ بھی ملا لیجئے۔ کہ طلاق کی نوبت کسی ایک کے لئے بھی نہ آئی۔ تو نتیجہ کھلا ہوا یہ نکلتا ہے کہ ساری ہی ازواج مطہرات اس معیار اہلیت پر پوری اتریں اور اس پر قائم رہیں۔ گویا ازواج مطہرات کے رتبۂ عصمت وعظمت پر مہر شہادت خود قرآن مجید نے ثبت کردی۔

جن بیوی صاحبہ کی طرف اشارۂ آئیہ کریمہ میں بعض ازواجہ کے تحت میں آیا ہے۔ حدیث و سیرت کی کتابوں میں ان کا نام حفصہؓ بنت عمر الخطاب آیا ہے۔ اور جن دوسری بیوی سے وہ راز کی بات کہی گئی تھی ان سے مراد

حضرت عائشہ صدیقہؓ لی گئی ہیں۔

اس ساری تفصیل سے روشنی نہ صرف اس سادہ حقیقت پر پڑ گئی کہ آپؐ کے ازواج مبارک متعدد تھیں جیسا کہ اکثر انبیاء سابقین کا دستور رہا ہے۔ بلکہ اہلبیت کی فطری بشری کمزوریاں، اور اسکے باوجود اُن کا اعلا معیار کردار اور ان کے ساتھ حضورؐ کا حسن معاشرت۔ یہ سب بھی روشنی میں آگئے۔

یہ بیوی صاحبان اس منزلت و مرتبت کے بعد قدرۃً اس کی مستحق اور زیادہ ٹھہریں کہ ساری امت کی مائیں قرار پائیں چنانچہ ارشاد ہوا۔

وازواجہ اُمھاتھم	اور ان (رسول) کی بیویاں مومنین کی
(الاحزاب ع ۱)	مائیں ہیں۔

اور جب یہ امت بھر کی مائیں ٹھہر گئیں تو یہ نتیجہ خود بخود لازم آگیا کہ ان کے ساتھ اُمت کے کسی مرد کا نکاح بھی حضور صلعم کے بعد جائز نہ ہوگا، لیکن مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر علاوہ اس عمومی نتیجہ کے، اس کی ہدایت اُمت کو براہ راست مخاطب کرکے بھی فرما دی گئی۔

وما کان لکم ان تؤذوا رسول اللّٰہ	اور تمھارے لئے درست نہیں کہ تم رسول اللہ
ولا ان تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابداً	کو اذیت پہونچاؤ اور نہ یہ کہ اُن کے بعد کبھی
ان ذالکم کان عند اللّٰہ عظیماً	بھی آپ کی بیویوں سے نکاح کرو۔ اللہ کے
(الاحزاب ع ۷)	نزدیک یہ بڑی بیجا بات ہے۔

اور رسولؐ کی عین حیات بھی یہ ادب و قاعدہ اُمت پر اُن محترم بیوی صاحبان

کے لئے نافذ کر دیا گیا تھا۔

واذا سئلتموھن متاعاً	جب تم ان سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے باہر
فسئلوھن من وراء الحجاب ذالکم	سے مانگا کرو یہ بات ایک عمدہ ذریعہ ہو تمہارے
اطھر لقلوبکم وقلوبھن (ایضاً)	دلوں اور ان کے دلوں کو پاک رکھنے کا۔

ازواج مطہرات کے ساتھ رسول اللہ ؐ کی صاحبزادیاں (بصیغۂ جمع) بھی تھیں جیسا کہ آیہ کریمہ میں ارشاد ہوا ہے۔

یا ایھا النبی قل لازواجك	اے نبی کہہ دیجئے اپنی بیویوں اور اپنی
وبناتك (الاحزاب ع ۸)	بیٹیوں سے۔

بنات یعنی دو سے زائد صاحبزادیوں کا وجود تو اتنے سے ثابت ہی ہو گیا اب دوبارہ یہ آیت سنئے کہ جس سے معلوم ہو گا کہ حجاب ہی کے سلسلہ میں ایک اور قانون اُمہات مومنین اور رسول ؐ کی صاحبزادیوں کے لئے تھا۔ اور وہ اُمت کی ہر خاتون تک وسیع کر دیا گیا۔ ارشاد ہوا ہے۔

یا ایھا النبی قل لازواجك	اے نبی اپنی بیویوں سے اور اپنی صاحبزادیوں
وبناتك ونساء المومنین یدنین	سے اور (دوسرے) مسلمانوں کی بیویوں سے
علیھن من جلابیبھن۔	بھی کہہ دیجئے کہ اپنے اوپر اپنی چادریں تھوڑی
(ایضاً)	سی نیچی کر لیا کریں۔

یہ اپنے اوپر اپنی چادریں نیچی کر لینے کا حکم وہی ہے جسے ہمارے ملک میں اور ہماری زبان میں گھونگھٹ نکال لینا کہتے ہیں۔

ازدواجی زندگی کے دائرے میں آپ کے لئے قدرۃً بعض خصوصی وسعتیں

اور رعایتیں تھیں جو عام افراد امت کو حاصل نہ تھیں۔ چنانچہ ایک ارشاد یہ ملتا ہے

یا ایھا النبی انا احللنا لک ازواجک التی آتیت اجورھن وما ملکت یمینک مما افاء اللہ علیک وبنات عمک وبنات عماتک وبنات خالک وبنات خالاتک التی ہاجرن معک وامراۃ مومنۃ ان وھبت نفسھا للنبی ان اراد النبی ان یستنکحھا خالصۃ لک من دون المومنین

(الاحزاب ع ۶)

اے نبی ہم نے آپ کے لئے یہ بیویاں حلال کی ہیں جن کو آپ ان کے مہر دے چکے ہیں اور وہ عورتیں بھی جو آپ کی ملک میں ہیں جنھیں اللہ نے آپ کو غنیمت میں دلوایا ہے۔ اور آپ کے چچا کی بیٹیاں۔ اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپ کی خالاؤں کی بیٹیاں جنھوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہے اور وہ مومنہ بھی جو اپنے کو (بلا عوض) نبی کو دیدے۔ بشرطیکہ نبی بھی اس کو نکاح میں لانا چاہیں یہ حکم مخصوص ہے آپکے لئے۔ بخلاف (عام) مومنین کے۔

احکام سے قطع نظر آیت کے الفاظ سے رسول اللہ کے خاندان کے کتنے افراد کا وجود بھی ثابت ہو گیا۔ آپ صلعم کے چچا اور ماموں اور پھوپھیاں اور خالائیں اور پھر ان میں سے ہر ایک کی بیٹیاں۔ ان سبکے وجود کی شہادت تو آیہ کریمہ سے مل ہی گئی ـــــــ رہیں آپ کے منصب خصوصی اور مرتبۂ امتیازی کے لحاظ سے آپ کے لئے رعایتیں تو انھیں کے سلسلہ میں آیت کا یہ حکم بھی سن لیا جائے، کہ ازواج کے درمیان شب باشی یا باری کی بھی پابندی آپ پر نہ تھی۔

ترجی من تشاء منھن وتؤی الیک من تشاء ومن ابتغیت ممن عزلت

آپ ان (بیویوں) میں جس کو چاہیں اپنے سے دور رکھیں اور جس کو چاہیں اپنے نزدیک رکھیں

فلا جناح علیک ذالک ادنیٰ ان تقر اعینھن ولا یحزن ویرضین بما اتیتھن کلھن واللہ یعلم ما فی قلوبکم وکان اللہ علیماً حلیماً (ایضاً)

اور جن کو آپ نے الگ کر رکھا، ان میں سے کسی کو پھر طلب کرلیں جب بھی آپ پر کوئی گناہ نہیں اس انتظام میں زیادہ توقع ہو اس کی کہ ان (بیویوں) کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں گی اور وہ آزردہ نہ ہوں گی اور اس پر راضی رہیں گی جو کچھ آپ ان کو دیدیں۔ اور اللہ اسے خوب جانتا ہے، جو کچھ تمھارے دلوں میں ہے اور اللہ بڑا علم والا ہے۔ بڑا حلم والا ہے۔

بیان رسولؐ اللہ کے لئے ازدواجی رخصتوں اور رعایتوں کا ہو رہا تھا لیکن ضمناً اس آیت سے یہ مضمون بھی نکل آیا کہ خود بارگاہ الٰہی میں ان محترم خواتین کی خاطر کتنی عزیز تھی! ـــــ وسط آیت کے الفاظ پہلے اگر روا روی میں پوری طرح خیال میں نہ رہے ہوں تو اب دوبارہ اُن کا استحضار کرلیا جائے۔ ذلک ادنیٰ ان تقر اعینھن ولا یحزن۔ یہ انتظامات اس لئے کہ اس سے اُن محترمات کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور انھیں آزردگی نہ پیدا ہونے پائے! اللہ اللہ کس درجہ اہتمام اپنے رسول ہی کا نہیں اُن کے حرم محترم کی بھی دلجوئی کا ہے! اور اس صورت حال کا یہ لازمی نتیجہ تو ہونا ہی تھا۔ کہ یرضین بما اتیتھن کلھن یہ سب راضی رہیں گی اس پر آپ انھیں جو کچھ دیدیں۔

لیکن یہ نہ خیال کرلیا جائے کہ رسولؐ کے لئے ازدواجی زندگی میں بس وسعتیں اور رعایتیں ہی تھیں نہیں۔ بلکہ جہاں ایک طرف یہ گنجایشیں تھیں وہیں دوسری طرف خصوصی پابندیاں بھی تھیں۔ چنانچہ آپؐ کے لئے جائز نہ رہا کہ نزول آیت

کے وقت جو ازواج مطہرات موجود تھیں نہیں بدل کر کسی اور عقد میں لے آئیں یا کوئی اور نیا عقد فرمائیں۔

لایحل لک النساء من بعد و لا ان تبدل بھن من ازواج و لو اعجبک حسنھن الا ما ملکت یمینک (الاحزاب ع ۶)	آپ کے لئے ان عورتوں کے بعد کوئی اور عورت جائز نہیں اور نہ یہ جائز کہ ان بیویوں کے بجائے دوسری کرلیں چاہے آپ کو اُن کا حسن بھلا ہی لگے مگر ہاں بجز ان کے جو آپ کی باندیاں ہیں،

انسان بہرحال آپؐ بھی تھے تمام بشری جذبات و میلانات کے ساتھ اس لئے کسی حسین صورت کی طرف میلان طبع ہو جانا ذرا بھی عبدیت و رسالت کے منافی نہیں۔ اور فطرت بشری کے عین مطابق ہے۔ لیکن اس طبعی مقتضا پر عمل کر دینے سے آپ کو بالکل روک دیا گیا۔ اور جو آزادی ساری اُمت کے لئے تھی وہ آپ کی ذات کے لئے باقی نہ رہی۔

افترا پردازوں اور بدنفسوں سے دنیا کا کوئی بھی ماحول خالی نہیں خواہ اپنی عمومی حیثیت سے وہ کیسا ہی پاکیزہ و بلند ہو۔ رسول اللہؐ کی ازدواجی زندگی میں بھی ایک ایسا سخت و ناخوشگوار موقع پیش آگیا جس نے بعد کو اُمت والوں اور اُمت والیوں کے لئے بڑی سے بڑی بدنامی کے بوجھ کو بھی اٹھالینا آسان کر دیا۔ ہوا یہ کہ چند شرپسند منافقوں نے حضور کی محبوب ترین زوجۂ مبارک حضرت عائشہؓ پر اُن کے ایک تنہا سفر کو آڑ بنا کر بغیر کسی عینی یا سمعی شہادت کے بھی محض وہم و بدگمانی کو کام میں لا کر ایک بڑا گندہ الزام تراش دیا۔ اور اکا دُکا سادہ لوح مسلمان بھی اس طوفان بے تمیزی میں ان کی دیکھا دیکھی شریک ہو گئے۔ الزام تھا اس نوعیت کا کہ حضورؐ انور تو خیر غیرت مجسم

ہی تھے دنیا کا کوئی غیرت مند شوہر برداشت نہ کرسکتا. قرآن نے اس واقعہ کا نام ہی الافک یعنی بہتان یا طوفان رکھدیا ہو. اور اسکو شروع ہی عتاب سے کیا ہے۔

ان الذین جاء وابالافک	جن لوگوں نے یہ طوفان برپا کر رکھا ہو وہ تم میں کا
عصبۃ منکم لا تحسبوہ شرا لکم	ایک گروہ ہو. تم اس چیز کو اپنے حق میں برا مت
بل ھو خیر لکم لکل امرئ منھم	سمجھو بلکہ یہ تمھارے حق میں بہتر ہی بہتر ہو ان میں سے
ما اکتسب من الاثم والذی	ہر شخص کے لئے وہی وبال ہو جتنا گناہ اس نے کیا
تولی کبرہ منھم لہ عذاب عظیم	تھا اور اس میں جس نے سب سے بڑا حصہ لیا اُس
(النور ع ۲)	کے لئے عذاب بھی بڑا ہے۔

یوں ہی کسی مومنہ کی عزت و اکرام پر حملہ کرنا کیا کم ہو چہ جائیکہ اس کا ہدف مومنات صالحات کی سردار عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جیسی خاتون کو بننا پڑا ہو. ایسے بدنفس افترا پردازوں کے سروں پر تو ہر عذاب آکر ٹوٹنا تھا. مومنین کی یہ سادہ لوحی بھی قابل گرفت ٹھہری کہ ایسے کھلے ہوئے بہتان کو سنتے ہی اس کی کھلی ہوئی تردید کیوں نہ کر دی۔

لولا اذ سمعتموہ ظن المؤمنین	جب تم لوگوں نے یہ چرچا سنا تھا تو مومنین و مومنات
والمومنات بانفسھم خیرا وقالوا	نے اپنے والوں سے گمان نیک کیوں نہ رکھا اور
ھذا افک مبین	کیوں نہ کہدیا کہ یہ صریح بہتان ہے۔

ایسے بہتان کو سن کر اس کے متعلق شک و تذبذب میں پڑ جانا اور بے خیالی میں مشغلے کے طور پر اس کا ایک دوسرے سے چرچا کرتے رہنا یہ سب ایک صالح معاشرے کے لئے سخت قابل مواخذہ تھا۔

ولولا فضل اللہ علیکم ورحمتہ	اور اگر تم پر اللہ کا فضل و کرم شامل حال نہ ہوتا

فی الدنیا والاخرۃ لمسکم فی ما افضتم فیہ عذاب عظیم اذ تلقونہ بالسنتکم وتقولون بافواھکم مالیس لکم بہ علم وتحسبونہ ھینا وھو عند اللہ عظیم (ایضاً)

دنیا میں اور آخرت میں تو جس مشغلہ میں تم پڑے ہوئے تھے اس پر تمہارے اوپر عذاب سخت آپڑا ہوتا یہ وہ وقت تھا جب تم اپنی زبانوں سے اسے نقل در نقل کر رہے تھے اور اپنے منہ سے ایسی بات نکال رہے تھے جس کی تم کو مطلق تحقیق نہ تھی اور تم اس کو ہلکی بات سمجھ رہے تھے حالانکہ اللہ کے نزدیک بہت بڑی بات تھی۔

تاکید و اہتمام کے ساتھ دوبارہ ارشاد ہوا ہے۔

ولولا اذ سمعتموہ قلتم ما یکون لنا ان نتکلم بھذا سبحانک ھذا بھتان عظیم (ایضاً)

اور جس وقت تم نے یہ چرچا سنا تھا تو اسی وقت کیوں نہ بول اٹھے کہ ہماری مجال نہیں جو ایسی بات زبان سے بھی نکالیں معاذ اللہ! یہ تو ایک عظیم بہتان ہے۔

ان آیات کو اور واقعہ سے متعلق ان تفصیلی وجزئی احکام عتاب کو پڑھ کر اندازہ کیجئے کہ قرآن مجید کے نازل کرنے والے کا اپنے رسولؐ ہی کا نہیں رسولؐ کے گھر والوں کا بھی احترام کس درجہ ملحوظ تھا۔ اور یہیں سے ان نادان معاندین کی بات کا بھی جواب نکل آتا ہے جنھوں نے اعتراضاً کہا ہو۔ کہ قرآن جیسی کتاب ہدایت کو آخر پیمبر کی ذاتی خانگی زندگی کے جزئیات سے کیا واسطہ تھا۔ معترض بیچارہ۔ ع

چہ بے خبر ز مقام محمد عربی است

اُسے کیا خبر کہ محمد عربیؐ کی زندگی ایک شخص اور ایک ذات کی نہیں ہی کب؟

یہ زندگی تو سارے عالم کے لئے نمونہ اور مثال تھی۔ ہر ملک ہر قوم، ہر زمانہ کے افراد واشخاص کے لئے سبق اس کے اندر موجود ہیں اور بشری زندگی میں جتنے بھی تکوینی مرحلے طبعی اور عمومی طور پر پیش آسکتے ہیں، سب سے اس ذات اقدس کا گزر قصداً کرایا گیا تھا۔ تاکہ وہ آفاق گیر نمونہ کا کام دے۔ اور ایک ایک فرد بشر اپنے ظرف کے لحاظ سے اس سے استفادہ کر سکے۔ تو سوال اب یہ نہ کیجئے۔ کہ اتنی تفصیلات قرآن مجید میں کیوں بیان ہوئیں۔ بلکہ اگر کیجئے، تو یہ کہ بیان ان سے زائد تفصیلات کا کیوں نہ ہوا؟

لاولدی عرب میں بھی اکثر جاہلی قوموں کی طرح ایک بڑا عیب سمجھی جاتی تھی۔ اور معاندین نے آپؐ پر اس سلسلے میں آوازے کسنے شروع بھی کردئے تھے قرآن مجید نے اس کے جواب میں زور کے ساتھ کہا۔

ان شانئک ھو الابتر — بے نشان رہ جانے والا تو آپ کا معاند ہی ہے۔ (الکوثر)

یعنی بے اولاد رہ جانے والے تو آپؐ نہیں، آپ کے دشمن ہی ہیں۔ اور غلط لئے کوثر وغیرہ سے قطع نظر۔ ایک اور بھی علم اس سے یہ حاصل ہوا کہ رسول اللہؐ صاحب اولاد تھے۔ اور آپ کا صاحب اولاد ہونا منکروں معاندوں کے مشاہدہ میں آتا رہا۔ لیکن ساتھ ہی قرآن نے یہ بھی سنا دیا ہے۔

ما کان محمد ابا احد من رجالکم — محمدؐ تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں۔ (الاحزاب ع ۵)

اس سے حضورؐ کی بالغ اولاد نرینہ کی نفی ہوگئی اور اہل سیر کا بیان بھی یہی ہے کہ

حضورؐ کے صاحبزادوں میں سے کوئی بھی عہد شیر خوارگی سے آگے نہ بڑھا اور جب کوئی صاحبزادے نہ رہے تو اولاد میں بجز صاحبزادیوں کے اور رہ کون جاتا ہو۔ چنانچہ قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ حضورؐ کی بنات (صاحبزادیوں) کا ذکر آیا ہے اور وہ آیت ابھی چند منٹ پہلے آپ کے سامنے پیش ہو بھی چکی۔ اور دوسری جگہ بنات کے بجائے "نساء" کا لفظ آیا ہے وہ حوالہ بھی آپ کی سماعت میں آ چکا اور اہل سیر کے اس بیان سے تو سب ہی واقف ہوں گے کہ حضورؐ کی چار صاحبزادیوں میں سے ایک کا سلسلۂ نسل ماشاء اللہ خوب پھیلا اور بڑا با برکت ثابت ہوا۔

اختتامیہ

خطباتی معروضات ختم ہو گئے مقدمہ یا افتتاحیہ میں جو کچھ عرض کرنا تھا اب اختتامیہ میں عرض کر رہا ہوں۔ ان لکچروں کی تیاری کا جس وقت حکم ملا تھا، اپنی ناتجربہ کاری کی بنا پر مدت کافی ہی نہیں بلکہ اچھی خاصی معلوم ہوئی تھی۔ لیکن جب کام کرنا تھا لگا یا اور قرآن مجید کا مطالعہ اس خاص مقصد سے بغور شروع کیا۔ تو نظر آیا کہ معلومات کا ایک دریا بلکہ موج مارتا ہوا اور امنڈتا ہوا سامنے ہے اور اس سمندر کو سمیٹ کر ایک مختصر محدود مدت کے اندر کوزے میں بند کرنا، مجھ جیسے نااہل فرد کی حد استطاعت سے باہر ہے۔ ساڑھے چھ ہزار قرآنی آیتوں میں سے اگر نصف نہیں تو ایک ثلث تو بہرحال ایسی ہیں کہ جن سے سیرۃ نبوی کے کسی نہ کسی پہلو پر روشنی ضرور پڑتی ہے اب پچھتایا کہ مہلت اور مزید کیوں نہ مانگ لی لیکن وقت اب پچھتانے کا بھی

گذر چکا تھا۔ جوں توں اور بڑی عجلت اور وارفتگی میں جو کچھ بھی بن پڑا بطور ماحضر پیش کر دیا گیا۔ ادھر حالات بھی متواتر ایسے پیش آتے گئے کہ کچھ تو اپنی علالت کچھ گھر والوں کی علالت کچھ دوسری ناگزیر مصروفیتوں نے وقت کا خاصا بڑا حصہ اپنی طرف لے لیا اور دو ایک ضروری عنوان جو رسول پاک کی مکی تعلیمات اور مدنی تعلیمات پر ہونے تھے یکسر کورے رہ گئے۔
کہیں کہیں شاید ایسا بھی ہوا ہے، کہ آیات قرآنی معرض بیان میں مکرر آ گئی ہیں۔ وجہ ظاہر ہے۔ ایک ہی آیت سے استخراج و استنباط کئی کئی مسئلوں کا ہو سکتا تھا۔ بہر حال سامعین یا نکتہ چین اب فرو گذاشتوں اور خامیوں سے درگذر فرمائیں۔ خطبہ نویس کے بس میں تو بس اتنا ہی ہے کہ نظر ثانی کے وقت ہو سکے تو ان ضروری اوراق کا اضافہ کر لے اور جب اس مجموعہ کے طبع و اشاعت کی نوبت آئے تو تکمیل کسی نہ کسی حد تک تو ہو ہی جائے۔

ہر علمی اور تحقیقی کام میں ایک بڑا خوشگوار فرض اس میدان میں اپنے پیشروؤں کے شکریہ کا ہوتا ہے۔ لیکن اسے قسمت کی نارسائی کہئے یا جو کچھ کہ اپنے پیش رو اس کام میں بہت ہی کم میسر آ سکے۔ اصل اور بڑا امانت براہ راست کلام اللہ ہی رہا ہے پھر بھی جن بشری تصانیف سے استفادہ کی نوبت آئی ان کا ذکر منت پذیری کے ساتھ نہ کرنا بڑی ہی ناشکری کے مترادف ہوگا ترتیب وار ان کے نام عرض ہیں۔

(۱) قدامت زمانہ کے لحاظ سے نمبر اول پر عبدالملک ابن ہشامؒ (جن کا سال وفات غالباً ۲۱۸ھ ہے) کی سیرت رسول اللہ معروف بہ سیرت ابن ہشام ہو اس مصنف نے سیرت نبوی کے اکثر حصوں خصوصاً حصہ مغازی میں آیات قرآنی کے تتبع کا التزام بڑی حد تک قائم رکھا ہے۔

(۲) قدیم کتابوں میں اس اعتبار سے نمبر دوم پر قاضی عیاض مالکی (جن کا سال وفات ۵۴۴ھ ہجری ہے) کی مشہور کتاب الشفا بہ تعریف حقوق المصطفیٰ ہے۔ اس مصنف نے فضائل خصائل و خصائص نبوی میں بھی آیات قرآنی سے اچھا خاصہ استشہاد کیا ہے۔

(۳) دور جدید کی کتابوں میں بلحاظ افادیت (جیسا کہ اور بھی متعدد وجہات سے) نامور ترین کتاب شبلیؒ و سلیمانؒ کی ضخیم سیرۃ النبی ہے اسکے بعض حصوں میں خصوصاً فخر المتاخرین مولانا سید سلیمان ندوی کے قلم سے آیات قرآنی سے استناد و استدلال کا اہتمام خصوصی رکھا گیا ہے۔

(۴) ترتیب زمانی کے لحاظ سے اس سے بھی مقدم کتاب مولانا عبد الشکور لکھنوی[1] مدظلہ کی کتاب مختصر سیرت نبویہ ہے جس کا پورا نام سیرۃ الحبیب الشفیع من الکتاب العزیز الرفیع ہے کتاب مختصر ہے یعنی ۲۰×۲۶ تقطیع پر کل ۶۴ صفحوں کی ضخامت کی ہے پھر بھی بہت کام کی ہے یہ مولانا کی ابتدائی کتابوں میں سے ہے اور ۱۳۳۲ھ مطابق ۱۹۱۴ء کی چھپی ہوئی ہے۔ اردو میں بلکہ میری محدود نظر میں تو عربی میں بھی اس خصوصی موضوع پر تو یہی ایک کتاب ہے اور یہی وصف یکتائی مصنف کے تفرد امتیاز کے لئے کافی ہے کاش یہی کتاب اب مصنف کی نظر ثانی کے بعد چھپتی! اب یہی نہیں کہ یہ کہیں ضخیم تر ہو کر نکلتی بلکہ ان خامیوں اور ذرا گذاشتوں سے بھی پاک ہوتی جو نوعمری اور نومشقی میں ہر [illegible]

---

[1] افسوس ہے کہ مولانا ۱۹۶۲ء میں وفات پا گئے۔

(۵) ان سب کے علاوہ ابھی چند سال ہوئے ۱۹۵۱ء میں ایک کتاب مختصر سیرت قرآنیہ کے عنوان سے ایک الہ آبادی ایم اے مقیم دہلی کے نام سے نکلی ہے اس کے نام سے بڑی توقعات قائم ہوتی ہیں۔ لیکن پڑھ کر اسی درجہ میں مایوسی بھی ہوتی ہے یہ ایک بہت ہی تنگ و محدود بلکہ غلط نقطۂ نظر سے لکھی گئی ہے۔ اور آیات قرآنی کو جس طرح توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا ہے اس سے ہر صاحب ایمان اور ہر طالب علم کا ذوق ہوا کرتا ہے۔

بہر حال ایک عالم و کامل سے نہیں ایک طالب علم اور ناقص سے ایک قلیل مدت کے اندر جو کچھ ممکن تھا خلق و خالق دونوں کے روبرو پیش کر دیا گیا۔ وہ مولائے لطیف و کریم اگر اسے اپنے حسن قبول سے کسی ادنیٰ درجہ میں بھی نواز دے اور اجر میں اس سلسلہ مقالات کے بانی اور ساعی اور[۲] سامعین سب کو شریک کر لے تو اس کی بندہ نوازی سے ذرا بھی بعید نہیں۔ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

---

[۲] خصوصاً فضل العلماء ڈاکٹر عبدالحق کرنولی مرحوم و مغفور۔ اور فنڈ کی بانی خاتون محترمہ کو

(جنوری ۱۹۵۵ء)

Siddiqi Trust
SIDDIQI HOUSE, AL-MANZAR APARTMENTS
458, GARDEN EAST, KARACHI-74800 G.P.O. Box No. 609
Phones : 7224291 - 7224292 Fax : 7736400 - 7228823